پچیس

25

۲۵

جوگندر پال

اردو اکادمی دہلی

سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی۔ نمبر ۱۶۶

پچیس

(جوگندر پال کی پچیس منتخب کہانیاں)

جوگندر پال

اردو اکادمی دہلی

PACHCHEES

25 selected stories of Joginder Paul

Pub. by

URDU ACADEMY, DELHI

Print

2009

Rs.150/-

ضابطہ

سنِ اشاعت

۲۰۰۹ء

ایک سو پچاس روپے

اصیلا آفسیٹ پریس، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اردو اکادمی، دہلی، سی۔ پی۔ او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی۔ ۶

ISBN: 81-7121-169-0

www.taemeernews.com

فہرست

☆ حرفِ آغاز ..... سکریٹری اردو اکادمی 5

☆ جوگندر پال کا فنی اسلوب ..... پروفیسر قمر رئیس 7

1 بے گور 18

2 گرین ہاؤس 25

3 ہیرا نجھا 48

4 کرن کرن 52

5 اٹھارہ ادھیائے 60

6 پناہ گاہ 69

7 سانس سمندر 88

8 جیتے جی 94

9 مقامات 104

10 جاگیردار 111

11 مہاجر 114

12 مارکیٹ اکانومی 121

13 بھوک پریت 152

14 سٹرپ ٹیز 161

15 باشندے 169

16 بیک لین 182

www.taemeernews.com

17	پادشاہ	193
18	ہرا ہے	203
19	معجزہ	208
20	ناز ائیدہ	220
21	بجھتے سورج کا ے	227
22	مہابھارت	240
23	تمنا کا دوسرا قدم	248
24	نہیں رحمٰن بابو	260
25	پرندے	263
☆	خود وفاتیہ .... جوگندر پال	270

www.taemeernews.com

حرفِ آغاز

دلّی ہمیشہ ہندوستان کے دل کی دھڑکنوں کا محور و مرکز رہی ہے۔ اسی لیے ''عالم میں انتخاب'' اس شہر بے نظیر کی تاریخ و تہذیب، علم و فن اور زبان و ادب کو پورے ملک کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ آزاد ہندوستان کی یہ تاریخی راجدھانی بجا طور پر اردو زبان و ادب کی راجدھانی بھی کہی جا سکتی ہے۔ اسی کے گرد و نواح میں کھڑی بولی کے بطن سے زبانِ دہلوی یا اردو نے جنم لیا جو اپنی دھرتی کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی ضرورتوں کے زیرِ سایہ نشو و نما پا کر اس عظیم تہذیب کی ترجمان بن گئی جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کا نام دیتے ہیں اور جو ہماری زندہ و تابندہ تاریخی وراثت ہے۔

دلّی کے ساتھ اردو زبان اور اردو ثقافت کے اسی قدیم اور اٹوٹ رشتے کے پیشِ نظر ۱۹۸۱ء میں دہلی اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور ایک چھوٹے سے دفتر سے اکادمی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آج دہلی اردو اکادمی کا شمار اردو کے فعّال ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب اور اردو ثقافت کو فروغ دینے کے لیے اکادمی مسلسل جو کوششیں کر رہی ہے، انھیں نہ صرف دہلی بلکہ پورے ملک نیز بیرونی ممالک کے اردو حلقوں میں بھی کافی سراہا گیا ہے۔

اکادمی کے دستور العمل کی رو سے دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر پہلے اکادمی کے چیئرمین ہوتے تھے، دہلی میں منتخب حکومت کے قیام کے بعد اکادمی کے چیئرمین دہلی کے وزیرِ اعلیٰ ہو گئے ہیں جو دو سال کے لیے اکادمی کے اراکین کو نامزد کرتے ہیں۔ اراکین کا انتخاب دہلی کے ممتاز ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور اساتذہ میں سے کیا جاتا ہے جن کے مشوروں کی روشنی میں چیئرمین کی منظوری سے اکادمی مختلف کاموں کے منصوبے بناتی اور انھیں رو

www.taemeernews.com

بہ عمل لاتی ہے۔ اکادمی اپنی سرگرمیوں میں دہلی اور بیرونِ دہلی کے دیگر اردو اداروں سے بھی باہمی مشورت اور تعاون قائم رکھتی ہے۔

اردو اکادمی، دہلی اپنی جن گوناگوں سرگرمیوں کی وجہ سے پورے ملک میں اپنی واضح پہچان قائم کرچکی ہے، ان میں ایک اہم سرگرمی اکادمی کی طرف سے ایک معیاری ادبی رسالے ماہنامہ ''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ معیار کی علمی اور ادبی کتابوں کی اشاعت بھی ہے۔

جناب جوگندر پال کا شمار اردو کے ان گنے چنے باکمال ادیبوں میں ہوتا ہے جو فکشن نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اردو افسانے کے فن کو جن بلندیوں تک پہنچایا ہے وہ کسی بھی زبان کے لیے سرمایۂ افتخار ہوسکتا ہے۔ انھوں نے ہمیشہ نئی پیڑھی کے ادیبوں کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی ہے اور انھیں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا درس دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ موصوف کا یہ افسانوی مجموعہ ادبی حلقوں میں پسند کیا جائے گا۔

ہم اردو اکادمی دہلی کی چیئرپرسن محترمہ شیلا دکشت کے ممنون ہیں جن کی سرپرستی اکادمی کی کارکردگی میں معاون ہوتی ہے۔ اکادمی کے دیگر ممبران کے سرگرم تعاون اور مفید مشورے ہمارے لیے رہنمائی کا کام کرتے ہیں جس کا اعتراف ضروری ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ زیرِ نظر کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی دلچسپی کا باعث بھی ہوگی۔

مرغوب حیدر عابدی
سکریٹری

www.taemeernews.com

جوگندر پال کا فنّی اسلوب

ساتویں دہائی میں اردو افسانے میں جو چند نئی توانا اور چونکا دینے والی آوازیں ابھری تھیں، ان میں سے بیشتر شہاب ثاقب کی طرح چمک کر تحلیل ہوگئیں یا پھر آٹھویں دہائی کی نئی کھنک دار آوازوں کے ہجوم میں دب گئیں۔ لیکن ان میں ایک آواز ایسی ضرور تھی جو آہستہ آہستہ کچھ پُراسرار، لیکن اس سے زیادہ پُراعتماد اور پُرعزم انداز میں ابھرتی ہی گئی۔ نکھرتی ہی گئی، وہ بکھری مگر ڈوبی نہیں۔ اور آخر آخر تو اس میں ایسا کساؤ اور ٹھہراؤ، بے ساختگی اور پختگی پیدا ہوگئی کہ لگتا ہے کہ جیسے وہ انسانی وجود کے پاتال سے نکل کر آ رہی ہو۔

یہ آواز جوگندر پال کی آواز ہے۔

اپنے وطن کی آزادی کے بعد بھی وہ تاج برطانیہ کا ملازم اور اس کی زبان و ادب کا معلم ہو کر چودہ سال تک افریقہ میں جلاوطن رہا— ''ذہن میں یہ تمام عرصہ ایک شوریدہ سی خاموشی طاری رہی۔ افریقہ میں اتنی مدت اقامت میں یہی محسوس ہوتا رہا کہ یہاں سے گھر لوٹنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس طویل انتظار نے مجھے سدا منتظر رہنے کا عادی بنا دیا۔ ہر تین چار سال بعد افریقہ سے چھٹی پر ہندوستان آ نکلتا۔ اور ہر بار یہ ارادہ کر کے نکلتا کہ اب کے واپس افریقہ نہ جاؤں گا، مگر ہالی ڈے ختم ہونے سے چند روز پہلے واپسی کا خیال راحت آگیں معلوم ہونے لگتا اور لوٹ جاتا اور وہاں پہنچ کر آئندہ چھٹی کا انتظار کرنا شروع کر دیتا''۔

جلاوطنی کی یہ شوریدہ خاموشی بڑی ہیجانی اور طوفانی تھی۔ اپنی دھرتی اپنی جڑوں سے دور یہ اپنی شناخت کی متلاشی تھی۔ اندھیرے میں ایک ایسی روشنی کی جویا جو اس کے وجود کو معنویت سے منور کر دے۔ اس خلا کو پر کرنے اور کوئی جہت پانے کی خاطر، اس نے یورپ

www.taemeernews.com

کے علوم وفنون اور جدید افکار ونظریات کے لیے اپنے وجود کے سارے دریچے کھول دیے۔

''یہ خالی خالی شخص اپنے چہرے میں صاف نظر آتا ہے۔ اس کی ہر سوچ، ہر عمل اس کا اپنا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی مخصوص سادہ سی شخصیت کا اظہار۔ لیکن جس طرح خالی مکان میں مکین آجائیں تو مکان کی اپنی شخصیت اس کے وجود سے خالی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جو شخص خالی نہ رہے اور اس کے اندر اجنبی علوم کا کنبہ آباد ہوجائے تو بے چارہ بے شخصیت ہوکر رہ جاتا ہے۔ میرے اندر ایک نہیں کئی مہاجر کنبے ہیں۔ یہ علوم میرے اندر بس جانے کی نیت سے نہیں رہ رہے بلکہ کہیں سے جان بچا کر یہاں کیمپ کرنے کو آجاتے ہیں... دن رات اودھم مچا مچا کر میرے وجود کی توڑ پھوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ میرے دروازے اور کھڑکیاں جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے ہیں دیواروں سے بھربھری مٹی نکل رہی ہے اڑتیس برس کی عمر میں ہی ان وحشیوں نے میرا اچھا بھلا وجود بوسیدہ بنا کے رکھ دیا ہے... مجھے معلوم ہورہا ہے کہ میرے اندر آتشزدگی کی وارداتیں ہونے لگی ہیں۔ ان آوارہ علوم کا آپس میں دنگا شروع ہوگیا ہے''۔ (بازیافت)

جلاوطنی اور تنہائی کے عالم میں علم وآگہی کی اس پیکار نے جوگندر پال کے وجود کو نہ صرف بھرا پُرا سا رکھا بلکہ توڑ پھوڑ اور انسانیت کی پیکار کو سمجھنے کا سلیقہ بھی دیا۔ اسے ایک ایسی دانش (Wisdom) عطا کی، جو آفاقی تناظر میں حقائق کو دیکھنے اور برتنے پر اصرار کرتی ہے لیکن شناخت کی یہ منزل تو داخلی شکست وریخت کے مراحل طے کرنے کے بعد آئی۔ اس کا پہلا مرحلہ نیروبی کے افریقی عوام کی دکھ بھری زندگی میں شمولیت کی کوشش تھی۔ ان کی صدیوں کی ذلت وخواری، محرومیوں اور فاقوں کی زندگی سے وہ مانوس ہوئے۔ جس کے دھندلے سے نقوش ان کے پہلے مجموعے ''دھرتی کا کال'' میں بکھرے ہوئے ہیں، لیکن افریقی عوام کی غلامی اور غربت سے گہری ہمدردی کے باوجود ان کی تہذیبی اور سماجی زندگی کی زیریں لہریں اور تہوں میں غوطے نہ لگا سکے۔ اس لیے ان کا ذہن اگر نئے انسانی علوم کی رزمگاہ تھا تو اس کا تخیل اپنے ماضی اور اپنے وطن کی طوفانی کشتیوں میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ وہ دور کا رہ کر ان کے ساتھ جی رہا تھا اور مر رہا تھا۔ یہ فن کار افریقہ میں رہ کر اپنے جن

www.taemeernews.com

قارئین کے لیے لکھ رہا تھا، جن کے بارے میں سوچ رہا تھا، تڑپ رہا تھا، جن کے دکھ سکھ کے تصور سے ہی اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا وہ اس سے ہزاروں میل دور تھے— ''کینیا میں اتنے سال قیام رہا لیکن دل و دماغ ہمیشہ بھاگ دوڑ کے عالم میں رہے۔ گویا ہم کسی ایرپورٹ کے ویٹنگ روم میں پڑے ہوں کہ ابھی ہوائی جہاز آئے گا اور اڑا کر گھر لے جائے گا''۔ (کچھوا)

اس پیہم انتظار اور کشاکش، غریب الوطنی اور تنہائی کے خالی پن نے جوگندر پال کو، شکر ہے کہ دروں بیں تو نہیں دروں فکر اور 'دروں گو' بنا دیا۔ یعنی اپنے اندر ہی اندر سوچنے اور اندر ہی اندر باتیں کرنے کی لت سی پڑ گئی۔ مغربی علوم و افکار نے ان کی سوچ اور خود کلامی کو منطق ہی نہیں ایک معیار و کردار بھی دیا تھا۔ شام کے سنہرے مغربی افق کی طرح اسے ایک بلند اور وسیع تناظر سے ہمکنار کیا تھا۔ اس طرح کہ مغربی کہانیوں کے پسندیدہ موضوعات عشق و عاشقی، عاشقوں سے دنیا کی ازلی دشمنی جیسی لذت پرستی، اذیت کوشی، زندگی پر موت کی برتری، نیکیوں پر بدی کی فتح یابی، تاریخ کی جبریت، صنعتی ترقی کے آشوب میں انسان کا کھوکھلا پن اور غاروں کی طرف مراجعت وغیرہ انھیں بڑے ہیچ معلوم ہوتے۔ ان کی سچائی بھی پال کو زیادہ اپیل نہیں کرتی۔ اس لیے کہ تیسری دنیا کے جن دو خطوں سے ان کا تعلق تھا اور جو ان کے ذہن و تخیل کو سیراب کیے ہوئے تھے ان کے افکار و تاملات کا اصل سرچشمہ یہی اجاڑ بستیاں اور ان کے مکین تھے۔ اب وہ انسان اور انسانیت کے مقدر کو بھی ان ہی ویرانوں کے تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہ دید و دریافت پندرہ سال کی جلاوطنی کی بنا پر بڑی حد تک فکر و تصور کی جسارت اور امارت تک محدود تھی۔ ماضی کے Nostalgia اور فکر مغرب کی گھس پیٹھ نے پال کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا تھا۔ اس لیے ساتویں دہائی میں انھوں نے جو افسانے لکھے ان میں اسی تجرید و تخیل کے عنصر کی فراوانی ہے۔ ''میں کیوں سوچوں'' اور ''مٹی کا ادراک'' کی بیشتر کہانیوں میں ایک عبوری عہد کی فکری یافت اور اپنی بازیافت کا عمل ملتا ہے۔ 'لیکن' کی بیشتر کہانیوں— جیسے بھوک، پریت، بادشاہ— جو ہے سو ہے اور بازیچۂ اطفال۔ میں بھی زیب لب سوچنے اور نیم شعوری خود کلامی کا انداز غالب ہے۔ یہاں سوچ کی روانی اور فراوانی کہانی کو اس طرح بھینچتی ہے کہ غریب کا دم نکل جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

لیکن اسی مجموعہ کی دوسری کہانیوں 'باہر کے بھیتر'، 'ہم جنس'، طور اور پاتال' میں سوچ فن کار کے تخلیقی شعور کے تابع ہو کر فن کاری کے ایک اچھوتے Pattern میں ڈھل جاتی ہے فکر کی دھیمی دھیمی آنچ سے ان کہانیوں میں ایسی جاندار تصویریں، ذی حس پیکر اور کردار ابھرتے ہیں، جن کی تخلیقی وحدت اور تہہ داری معنی کے کئی دائرے بناتی ہے۔ اس کے تلازمے، حاشیے اور حوالے فن کاری کے بجائے قاری کا حشر خیال بن جاتے ہیں۔ بڑا فن کار زندگی کے جن گورکھ دھندوں میں الجھا رہتا ہے الفاظ کی منحنی لکیروں سے ان کا ایک دلفریب جال بن کر قاری کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے۔ جوگندر پال اس رمز سے آشنا ہو گئے تھے۔ 'باہر کے بھیتر' کا کتا ایسا لگتا ہے کہ سڑک پر نہیں ہمارے اندر بھونک رہا ہے یا پھر ہم اس کے اندر بھونک رہے ہیں۔

> ''وہ سوچ رہا ہے کہ اسے اس پار جانا ہے اور یہ کہ اسے کئی سال سے، شروع سے ہی اُس پار جانے کا انتظار ہے۔ لیکن اس کا وہاں جانا نہیں ہو رہا ہے۔ وہ ازل سے وہیں کھڑا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھے جا رہا ہے۔ اور درمیان میں یہ زندگی حائل ہے جو اس لمبی سڑک پر بیک وقت مخالف سمتوں پر دویدہ ہے۔ وہ بیچ سے گزر کر ادھر جائے تو کیوں کر؟''۔

یہ نفرت، حقارت اور بھوک کا مارا ہوا ہر طرف سے دھتکارا ہوا بے شرم کتا اپنی غیر انسانی بہیمیت کو اس طرح منکشف کرتا ہے کہ تیسری دنیا کے ننگے انسان کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ صرف ایک اقتباس دیکھیے:

> ''خیال ہی خیال میں کتا بڑی محبت سے اپنی محبوبہ کے زخموں کو چاٹنے لگا ہے۔ اور چاٹتے چاٹتے اسے کتیا کے خون کا ذائقہ اتنا اچھا لگنے لگا ہے کہ اس نے فرطِ محبت سے پھر اپنے دانت اس کے زخموں میں گاڑ لیے ہیں۔ دراصل ہوا یہ ہے کہ گندگی کے ڈھیر کو کرچ کرچ کریدتے ہوئے اس نے ایک ننگے انسانی بازو کو کاٹ لیا ہے جو ڈھیر میں اس طرح پڑا ہے جیسے دیگر غلیظ اشیاء۔ اور دھڑ کے عقب سے ایک انسان چیخ کر اٹھا ہے، اور کتا بھاگ نکلا ہے اسی طرف — جدھر سے آیا ہے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے وہ آدمی چیخ چیخ کر دوڑ رہا

www.taemeernews.com

ہے— پکڑو— مارو''۔

''بے گور'' اور ''تیسری دنیا'' جیسی کہانیوں میں بھی کتے اور انسان کی یہی دوڑ اور دارو گیر نظر آتی ہے۔

انسان کے استحصال اور اس کی ذلتوں کے کرب کا یہ زہر جوگندر پال کی ان گنت کہانیوں میں تار و پود کی طرح بُنا ہوا ہے۔ مہاتما گاندھی کے بارے میں کسی نے سچ کہا تھا کہ اگر جنوبی افریقہ میں وہ رنگ و نسل کے نام پر ہونے والے ظلم و ذلت کو برداشت نہ کرتے تو ہندوستان میں چھوت چھات اور ہریجنوں پر ظلم و جبر کے خلاف اتنی بڑی تحریک نہ چلا تے۔ جوگندر پال نے بھی اس ذلت کا ذائقہ چکھا ہے۔ رنگ و نسل اور مذہب کے نام پر نہ صرف افریقہ، یورپ اور امریکہ بلکہ ہندوستان میں بھی انسانوں کے ساتھ جس وحشیانہ امتیاز کا سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس کی بیکراں اذیت سے جوگندر پال کی روح ہمیشہ بوجھل اور بے چین رہتی ہے۔ ''آمد و رفت'' سے ''پناہ گاہ'' تک بے شمار کہانیوں میں یہ کرب آسیب کی طرح ان کا پیچھا کرتا ہے۔ یہ کوئی ایک تجربہ نہیں ہے جس کا بھرپور اظہار کر کے وہ اس سے نجات پا لیتے۔ یہ تو ساری دنیائے انسانیت کا ایسا تجربہ ہے جس سے وہ ہر لحظہ گزر رہی ہے۔ اور ایک بڑے فن کار کی طرح جوگندر پال نے بھی انسانیت کے اس اجتماعی اور باطنی کرب کے تواتر سے اپنے روحانی وجود کو ہم آہنگ Identify کر لیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آٹھویں دہائی میں جیسے جیسے جوگندر پال اپنی شخصی انفرادیت کے حصار سے نکل کر اجتماعی زندگی کے مظاہر سے مانوس اور معروضی حقیقتوں کی ڈرامائیت سے مسحور ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی نسبت سے ان کے افسانوں میں فنّی اور جمالیاتی تکمیل کے عناصر کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا سبب شاید یہ ہو کہ آشوب خیال اور حشر احساس کی آزمائشوں سے گزر کر وہ تزکیۂ ذات کی اس ارفع منزل تک پہنچ گئے ہیں جہاں وہ انسانی مقدر سے تعلق رکھنے والی ہر شے، ہر عمل اور ہر جذبہ سے اپنے وجود کو ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ 'دریاؤں کی پیاس' کی باؤلی بوڑھی ماں کی تنہائی کے عذاب کو جھیلے بغیر وہ اس کی روح کے نہاں خانوں تک کیسے پہنچ سکتے تھے۔ 'سواریاں' کا شیام اور 'بے محاورہ' کا دیشو بھی جو شہر گزیدہ اور پیچیدہ کردار ہیں۔ مصنف کے اپنے وجود سے گزر کر ہی اس قالب

www.taemeernews.com

تک پہنچتے ہیں۔ اور پھر 'باز دید'، جادو، کٹھ پتلیاں اور پناہ گاہ جیسی شاہکار کہانیاں اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ اگر ایک آج کی اردو کہانی شخصی داخلیت پسندی کے ہاتھوں سطحی رومانیت اور نامقبولیت کا شکار ہے تو دوسری طرف اجتماعی داخلیت پسندی کا رجحان افسانہ کو آفاقی اور عصری حقائق سے ہم کنار کر کے نئی بلندیوں کی راہ دکھا رہا ہے۔

افسانہ نگار کا اپنا وجود تجربات کی رنگارنگی اور انفرادی تخیل کی وسعتوں کے باوجود بہت محدود ہوتا ہے۔ ماضی کی یادیں، جذباتی وارداتیں اور ان کے سہارے تخیل کے شامیانے سجا کر بھی کہانیاں لکھی جاتی رہی ہیں (قرۃ العین حیدر کی طرح جوگندر پال نے بھی ابتدائی دور میں اس نوع کی کہانیاں لکھی ہیں) لیکن بڑے اور قدر آفریں فن کی تخلیق تو اسی وقت ہوتی ہے جب آفاق کے سنگرام کو ذات کے نازک شیشے میں اتارا جا سکے اور ماضی یا تاریخ کی وارداتوں کو دانشِ حاضر کے شفاف آئینہ میں دیکھا جائے۔ اور یہ منصب سب کا نہیں، ان ہی تخلیق کاروں کا ہے جو ایک حکیمانہ شعور اور سماجی وژن رکھتے ہوں، جو انسانی خواہشوں اور حقیقتوں کے درمیان کی بے رحم خلیجوں سے برہم اور برگشتہ ہو کر ان کے خلاف احتجاج کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ یہی وہ فن کار ہیں جن کے یہاں کثیر العباد حقیقت، کثیر المعنی ہیئت کو جنم دیتی ہے۔ جن کے یہاں زبان محض میڈیم نہ ہو کر، تخلیقی وحدت میں تحلیل ہو کر اس کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ جوگندر پال کی متعدد کہانیوں میں فن کی اسی تہہ داری اور تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آج صنعتی عہد کی حشر سامانیوں کے نتیجے میں انسانی زندگی اور ذہن کی الجھنوں، اذیتوں اور پیچیدگیوں میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور ہر لحظہ انسانی تجربات فکر و احساس کی جن جہات اور مکانات کو محیط ہو رہے ہیں، ان کے اظہار کے لیے زبان کا تخلیقی استعمال بھی اب زیادہ ایمائی اور علامتی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ناگریز عمل ہے۔ جن دوستوں نے جوگندر پال کا ناول 'بیانات' پڑھا ہے ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اس کی بیانیہ نثر ایک کہانی کے متوازی ایک جہاں معنی بھی بیان کرتی ہے آج کی عالمی تہذیب میں تین قوتوں کے درمیان سنگھرش ہو رہا ہے وہ ہیں سائنس، آرٹ اور زندگی، ناولٹ میں دلیپ سائنس اور ٹکنالوجی کے بخشے ہوئے میکانکی تمدن کی علامت ہے

www.taemeernews.com

جواس تمدن کی طرح بے ثمر اور بانجھ ہے۔ تخلیقی فن کار سا ہوآرٹ اور ادب کے تخلیقی مظاہر کا نمائندہ ہے جوآج بھی انسانی قدروں اور جذبوں کو عزیز رکھتے ہیں اور ناولٹ کی ہیروئن سیما خود زندگی ہے جوان کے دو دائروں کی درمیانی سرحد پر کھڑی ہے علامتی اظہار کا یہی کمال جوگندر پال کی بعض دوسری کہانیوں میں بھی ملتا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں یہاں صرف ایک کہانی کا ذکر کروں گا۔

''پناہ گاہ'' بظاہر ایک سیدھی سادی واقعیت پسندانہ اور بیانیہ کہانی ہے۔ ایک پرسکون اور خوبصورت گاؤں کی کہانی جو فسادات کی آندھیوں میں تباہ ہوگیا۔ تقسیم اور فسادات — ایک پامال سا موضوع جو بظاہر تاریخ کی راکھ میں دفن ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود برصغیر کی تاریخ کا یہ المناک سانحہ کروڑوں انسانوں کے دل و دماغ میں آج بھی، سانپ کی طرح پھنکاریں مارتا ہے، اس ایک حادثے نے ہمارے سماجی رشتوں، تہذیبوں رویوں اور جذباتی انسلاکات کی ساری بساط ہی الٹ دی۔ جوگندر پال نے اس فرق کو اس طرح دکھایا ہے کہ ایک گاؤں کی یہ کہانی کروڑوں غریب اور معصوم انسانوں کی کہانی بن جاتی ہے۔

کہانی بڑے سہل سادہ اور بے ساختہ انداز سے شروع ہوکر نقطۂ عروج کی طرف بڑھتی ہے۔

''وہ دونوں اچھل اچھل کر اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ جیسے راستے سے بھی پہلے میلے کے میدان میں جا پہنچنا چاہتے ہوں''۔

کہانی میں یہ راستہ ہندو مسلم عوام کی رواداری اور محبت کی زندگی، مشترکہ تخلیقی محنت اور تحریکِ آزادی کا راستہ بن جاتا ہے۔ جو مہربان قدرت کے پہلو سے گزر کر ایک پہاڑی کو عبور کرتا ہے تو سامنے میلے کا میدان ہے۔ یہ میلے کا میدان جشن آزادی کی علامت ہے۔ وہ دونوں فتو اور ویرو (مسلمان اور ہندو) اپنے عشق بلاخیز کی مستیاں لٹاتے ہوئے اس راستہ پر گامزن ہیں۔ گاؤں میں ان کی مثالی جوڑی اور عشق کے چرچے ہیں۔ ان کا بیاہ ہو چکا ہے۔ حکیم سلطان شاہ اور مرزا بھی انھی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گاؤں کے سرپنچ ''کنس راؤ'' نے بھی ویرو کے باپ کو یہی سمجھایا تھا کہ بات ہندو مسلمان کی نہیں، بات یہ ہے کہ فتو اور ویرو کی جوڑی کتنی سجل ہے۔ سو ہزار برس بیتتے ہیں تو کہیں اتفاق سے

www.taemeernews.com

ایسی جوڑی بنتی ہے''۔ یہ جوڑی میلے کی طرف رواں ہے:

''اپنے گردوپیش جنگل کے بکھراؤ کو دیکھتے ہوئے فتو کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے ذہن میں جھانک رہا ہے اس نے ویرو کی کمر کو اپنے بازو میں لے کر اپنے ساتھ جوڑ لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور لپٹ کر قہقہہ لگانے لگے۔ اور قریب ہی کہیں جھاڑیوں میں بیٹھا ہوا بندروں کا ایک غول ان کی شادماں غرابٹیں سن کر بھاگ کھڑا ہوا... وہ جنگل سے باہر نکلے تو سارا جنگل جیسے ان کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے ان کے عقب میں پھیل کر انھیں دیکھتا رہ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے ہوئے پہاڑی کی چوٹی پر آگئے اور جوں ہی آئے توں ہی میلہ ان کے دل و دماغ سے لڑھک لڑھک کر یہاں پہاڑی کی جانب آلگا''۔

میلہ کی رونق، ہماہمی اور رنگینی میں یہ دونوں جوان بھی اپنے وجود کی ساری مستی کے ساتھ کھو جاتے ہیں۔ گاؤں کی خوش مذاق میراثن انھیں دیکھ کر نچھاور ہوتی ہے۔

اچانک گاؤں کے کچھ فرقہ پرست غنڈے ان دونوں جوانوں کو للکارتے اور قتل کردیتے ہیں اور پھر میلے کا سارا میدان ہندو مسلمانوں کے خون سے لت پت ہوجاتا ہے۔ فساد کی آگ سارے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، میراثن اغوا کرلی جاتی ہے۔ سات دن تک لوگ اس کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں۔ گاؤں کا سرپنچ اسے ڈھونڈ کر لاتا ہے وہ راجدھانی میں مہاجرین کے ایک کیمپ کے اسپتال میں بے ہوش پڑی ہے اور جب اسے ہوش آتا ہے تو وہ اپنے مہربان ڈاکٹر سے پوچھتی ہے:

''تمھارا کیا نام ہے بیٹا؟''

''میں یہاں ڈاکٹر ہوں۔ ماں۔ ڈاکٹر نند کشور''۔

''میرا فتو بھی بالکل تمھاری طرح اونچا لمبا تھا''۔

ڈاکٹر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا بخار محسوس کرنے لگا۔

''ہمارے حکیم صاحب کو خبر کردو بیٹا۔ میں بھی پاکستان آ پہنچی ہوں''۔

یہ ہے برصغیر کی تاریخ کے سب سے المناک باب کی اصل اندرونی کہانی۔ اس کے

www.taemeernews.com

فکر انگیز علامتی پہلوؤں سے قطع نظر پوری کہانی میں کئی ایسے Stage Effects ملتے ہیں جو جوگندر پال کے فن کا منفرد انداز ہے۔ اس کے ذریعے وہ معاندانہ حالات میں انسانی روح کی خوبصورتی بھی دکھاتے ہیں اور اس کے مسخ ہونے کا بھیانک منظر بھی۔ وہ بتاتے ہیں کہ تاریخ کی دیوانگی انسان کو پناہ نہیں دے سکتی۔ اگر دے سکتی ہے تو صرف اس کی محبت، انسانیت، دردمندی اور رواداری — ان کے یہاں شعور کی رو دراصل زندگی کی رو کا انکشاف کرتی ہے۔ داخلی کشمکش تہذیب کے بحران اور معروضی حقیقتوں کے ایسے پہلوؤں کو بے نقاب کرتی ہے جو دوسرے جدید افسانہ نگاروں کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتے۔ پھر یہ کہ ان کے یہاں کہانی بیان نہیں ہوتی سامنے — زندگی کے اسٹیج پر وقوع میں آتی ہے۔ ان کے کردار اس اسٹیج سے نکل کر ہمارے حواس کے اتنے قریب آجاتے ہیں کہ ہمیں اپنے وجود میں ان کی سانسوں کا زیر و بم محسوس ہوتا ہے۔

جوگندر پال کی کہانیاں اپنی تکنیک میں منفرد اور اچھوتی ہیں اور اب تو یہ انفرادیت رچ بس کر اتنی روشن ہوگئی ہے کہ کہانی خود بول اٹھتی ہے ''میں پال کی مخلوق ہوں''۔ اس کی شناخت کا خاص اسلوب ایک خاص طرح کی ہم کلامی ہے۔ کبھی وہ اپنے آپ سے ہم کلام ہوتا ہے (بے محاورہ) اور اپنے وجود کے حوالے سے زندگی کی گہری سچائیوں سے آنکھیں چار کرتا ہے۔ کبھی کسی حاملہ ہرنی سے باتیں کرتا ہے (ہرامبے) اور حیوان کے سہارے انسان کے ازلی دکھوں کی بپتا سناتا ہے۔ کبھی رامائن سے محو گفتگو ہوتا ہے۔ (ربط کا انعقاد) اور محبت کی نفسیات — اور اس کائنات میں اس کی غائتوں اور غتوں کو بیان کرتا ہے اور آخر میں اعتراف کرتا ہے — ''میں نے اپنے آپ سے ہی مخاطب ہونے کے لیے یہ چٹھی لکھی ہے''۔ اور کبھی وہ پیپل کے وجود میں سما کر پیپل کی کتھا سناتا ہے (کتھا ایک پیپل کی) لیکن حقیقت میں یہ ڈراما انسانی خواہشوں، دکھوں، خوشیوں اور اندیشوں کو ہی بے نقاب کرتا ہے۔ یہ ساری کہانیاں بیانیہ کا ایک نکھرا ہوا روپ ہیں جو عصرِ حاضر کی پیچیدہ حقیقتوں کو نسبتاً سلجھا کر بیان کرتی ہیں۔ ان سب کے پیچھے جو ہمہ داں روای ہے وہ خود جوگندر پال ہے جو کہانی میں دکھائی نہیں دیتا لیکن اس کی دردمندی اور ذہانت کہانی کے ہر لفظ میں جگنو کی طرح چمکتی ہے۔

www.taemeernews.com

ان کہانیوں میں فنطاسیہ اور واقعیت پسندی کا ایسا امتزاج ہے جو غیر معمولی تخلیقی حسن کی نشاندہی کرتا ہے۔ نئی کہانی میں بعض دوسرے تخلیق کاروں نے بھی اس انداز کو برتا ہے لیکن ان کا تانا بانا اکثر ڈھیلا اور بے رنگ ہو جاتا ہے۔ جوگندر پال کے یہاں بے ساختگی اور شگفتہ بیانی ایک مرقع سا سجا دیتی ہے۔

''پیپل کی کتھا'' کا یہ ابتدائی حصہ دیکھیے:

''سارے کا سارا پیپل کا درخت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور ہنستے ہنستے اس کا قد فٹ بھر اور اونچا ہو گیا۔ پرندوں نے پیپل کی ہلتی ہوئی شاخوں پر اپنے پیر دبا لیے۔ اور ایک کوا کائیں کائیں کرنے لگا۔

''گھبراتے کیوں ہو بھائی۔ اپنا پیپل کا کا ذرا ترنگ میں آ گیا ہے اور بس''۔

کا کا ہے کہاں۔ ماں؟ ایک چڑیا کے بچے نے اپنی ماں سے پوچھا۔ اور جواب سننے سے پہلے ہی گھونسلے میں چاول کے ایک دانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمھاری یہ بات مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی چھوکرے''۔ اس کا باپ بولا ''تو پھر دوسری آنکھ سے دیکھو''۔ چڑیا پھُر سے اپنے بچے کے قریب آ گئی۔ اور پیار سے اپنی چونچ کو اس کے پروں میں گھسیڑ لیا۔ ''تمھارا ہی بچہ ہے۔ یا کم سے کم اپنی ہی ذات میں سے کسی کا ہے۔ کسی کوے کی اولاد تو نہیں۔ اس نے اپنی آواز ذرا آہستہ کر لی کہ آس پاس کوئی اس کے بول کے بھنک نہ پا لے۔ پہلے ہی سے سب کو شکایت تھی کہ اس براہمنی کو اپنی اونچی ذات پر بڑا مان ہے۔

''بس جی چپ رہو تم، بچے کی نیا ڈبو کر دم لو گی''۔ ''پھر وہی موٹے آدمی کا کانا سا محاورہ۔ ہمیں نیا ویا سے کیا لینا ہے۔ ہمارے یہ پر سلامت رہیں۔ اس نے اپنے پر پھیلا کر اپنے نر کی طرف آنکھیں مٹکائیں''۔

پوری کہانی میں یہی غیر رسمی لیکن دلچسپ ماحول قائم رہتا ہے۔ پیپل زندگی کا گھنا درخت ہے۔ اس کے پہلو میں صرف پرندے ہی گھر نہیں بناتے۔ شکار کی تلاش میں زہریلے سانپ بھی رینگتے ہیں۔ اور وہ بے بسی سے انھیں دیکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا آدھا وجود زمین میں دفن ہے اسی لیے وہ نئی نسل کے پودوں کے لیے آرزو کرتا ہے کہ وہ

www.taemeernews.com

زمین (روایات) کی گرفت سے آزاد ہوں۔ بے چارگی سے چھٹکارہ پائیں اور اپنی زندگی آپ بسر کریں۔ جوگندر پال کے نزدیک زندگی اس طرح بسر کرنا کہ وہ سزا محسوس ہو خود زندگی کی توہین ہے۔ ان کی اکثر کہانیاں زندگی کے ابدی حسن اور اس کی حرکت کے احساس سے معمور ہیں۔

مشترک اوصاف وعناصر کے باوجود یہ بھی سچائی ہے کہ پال کی ہر کہانی اپنے منفرد بیانیہ کو خود خلق کرتی ہے۔ اس کی رگ وپے میں کہانی کی روح اس کا پیغام غیر محسوس طور پر رقص کرتا ہے اور اس معنی خیز رقص کا آہنگ آہستہ سے قاری کے وجود میں اتر جاتا ہے یہ تخلیقی رویہ پال کے اسلوبِ فن کی جان ہے۔

اردو اکادمی ایک پروگرام کے تحت اپنے بلند پایہ اور بزرگ تخلیق کاروں کے سرمایہ کا انتخاب پیش کر رہی ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سلسلہ کو پسند کریں گے۔

پروفیسر قمر رئیس

وائس چیئرمین، اردو اکادمی

www.taemeernews.com

بے گور

کلکتہ کے فائیو اسٹار ہوٹل میں اپنے کمرے کی گھنٹی کی آواز سن کر امریکی ڈاکٹر دروازہ کھولنے لگا۔

''کون؟''

''میں، رام دین ہوں صاحب!''

''تم آ گئے؟ آؤ، میں تمھارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''اگر آپ تیار ہیں تو چلیے۔''

''ہاں چلو، کیا پورے پچاس کا انتظام ہو گیا؟''

''ہاں صاحب، سو، یا ہزار بھی ہوتے تو یہاں کیا کمی ہے؟''

''تو چلو۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل کر باہر ہوٹل کے پورچ میں پہنچے تو امریکی ڈاکٹر کا ڈرائیور اسے دیکھ کر کار وہیں لے آیا۔ امریکی ڈاکٹر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رام دین آگے ڈرائیور کے ساتھ۔

''کہاں چلنا ہے؟''

''چاؤرنگی۔''

''کیا یہ نام کسی بہت بڑے مردہ خانے کا ہے؟''

''نہیں... ہاں، یہی سمجھ لیجیے صاحب۔''

''چلو ڈرائیور!''

ڈرائیور نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا تو وہ پہلے تو کسی ذی روح کے مانند کھی کھی ہنس پڑی

www.taemeernews.com
اور پھر گویا کھڑے کھڑے ہوٹل کے باہر آگے سڑک پر اڑنے لگی۔

''تم نے واقعی کمال کر دیا رام دین۔ ایک دم پورے پچاس کا انتظام کر دیا۔''

''ہمارے دیس میں بڑی سے بڑی ضرورت کا بھی ایک دم انتظام ہو جاتا ہے۔ بس آپ کی جیب میں پیسے ہوں۔''

''فکر مت کرو، مال ملتے ہی دام چکا دیے جائیں گے۔''

''نہیں صاحب، پیسوں کی مجھے فکر نہیں۔ آپ کے ملک سے میرا بڑا پُرانا لین دین ہے۔ مجھے معلوم ہے امریکی بڑے کھرے اور زندہ لوگ ہوتے ہیں۔''

''یہی تو ہم ڈاکٹروں کی مصیبت ہے۔ ہمارے دیس میں کسی کے مرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔''

''لیکن مرنے والے تو مرتے ہی ہوں گے؟''

''نہیں... مرنے کا ارادہ کر کے بھول جاتے ہیں۔''

''ہہ... ہہ ہا... ہہ.... ہمارے ڈاکٹر تو ہر وزٹ کی فیس کے ساتھ ساتھ چارج کر لیتے ہیں کہ اگلے وزٹ سے پہلے ہی مریض چلتا نہ بنے۔''

''ہاں، جہاں موتیں اتنی عام ہوں وہاں ڈاکٹر کیا کریں؟ چھوٹے چھوٹے بل وصول کرنے کے لیے کیا وہ مُردوں کے پیچھے ہولیا کریں؟''

امریکی ڈاکٹر کی نگاہ اچانک باہر کے لوگوں کے سیلاب پر اُٹھ گئی اور وہ جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ کسی کے چہرے پر شخصی زندگی کے آثار نہ تھے۔ سب ہی اپنے آپ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے خبر، یہیں، لیکن نہ جانے کہاں۔ ان کی آنکھیں انہیں کچھ بتائے بغیر دیکھ رہی تھیں۔ پاؤں از خود اٹھ رہے تھے۔ اتنا شور و شغب تھا مگر انہیں کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔

ڈاکٹر نوٹ بک اور قلم نکال کر لکھنے لگا۔

15 رجون 1957ء... کلکتہ کی ایک سڑک۔ سڑک پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہیں، مگر تعجب ہے کہ کسی میں بھی زندگی کے کوئی آثار نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں ان کا دم گھٹنے لگا اور سب کے سب باہر نکل آئے۔ یا باہر آ کے تھک ہار گئے اور اب قبروں کی طرف

www.taemeernews.com

لوٹ رہے ہیں...وہ لکھتے ہوئے رُک گیا اور کار کے باہر گھورنے لگا...کیا یہ لوگ واقعی زندہ ہیں؟...اس سانحہ کی طبی نوعیت تک پہنچنے کے لیے وہ بڑی جوش آفریں متانت سے سوچ رہا تھا...ہاں، کیوں نہیں، اگلے مہینے میں اپنے یہاں ڈاکٹروں کی کانفرنس میں بڑی سنجیدگی سے یہ سوال اٹھاؤں گا...عین ممکن ہے کہ...نہیں، نہیں کیوں؟ ہوسکتا ہے کہ انسانی مشین بدستور چلتی رہے مگر انسان مر چکا ہو۔ ہاں...اسے ثابت کیا جاسکے تو...نہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟...وہ پھر باہر دیکھنے لگا...نہیں، جب ہو ہی گیا ہے تو کیسے نہیں ہوسکتا؟...وہ مسکرانے لگا۔

سامنے چوک پر میکانکی سرخ بتی آجانے پر ڈرائیور نے پٹری کی جانب اپنی رفتار میں گاڑی روک لی اور ڈاکٹر چہروں کی بھیڑ میں کسی ایک پر نظر جمانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر طغیانی میں آنکھیں کہاں ٹک پاتی ہیں؟ اسی اثناء میں اس کی گاڑی کے قریب سے چند لوگ گزرنے لگے۔ اس نے اپنا سر کھڑکی کی طرف بڑھا کر ان کی طرف مسکرا کر دیکھا، مگر وہ اس سے، ایک دوسرے سے، اپنے آپ سے بھی قطعی بے خبر چلتے گئے...گرین لائٹ آتے ہی کار حرکت میں آگئی...ان لوگوں میں سے کوئی شخص مجھ سے اپنی موت کا سرٹیفکیٹ طلب کرے تو؟ ہاں، کیوں نہیں؟ اگر وہ زندہ نہیں تو اسے اپنی موت کا سرٹیفکیٹ طلب کرنے کا حق حاصل ہے، یا پھر کسی موت کا قانونی سرٹیفکیٹ دینے سے پہلے کسی طرح کا طبی معائنہ صحیح ہوگا؟

ڈاکٹر نے اپنے خطیبانہ سوال سے بے چین ہوکر سگریٹ سلگالیا، لیکن شاید سگریٹ نوشی کے خطرناک نتائج پر کسی مقالے کا اچانک خیال آجانے پر اسے فوراً بجھا دیا اور سیٹ پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

''صاحب...!''

''ہاں...ں!'' ڈاکٹر نے اپنے خیالات سے چونک کر جواب دیا۔

''وہ...اُدھر...وہ پٹری ہے نا۔ کوئی پون گھنٹہ پہلے کی بات ہے کہ میں یہاں سے گزر رہا تھا...وہ، وہاں اس ستون کے پاس پڑی ہوئی ایک لاش یک بارگی اٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ ''سنو! ارے بھئی!''...مگر کسی نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ اور زور

www.taemeernews.com

سے چلانے لگی۔ ''ایک لاش تم سے مخاطب ہے لوگو! سنو...'' لوگ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی اپنی اپنی راہ چلتے رہے۔''

''کیا یہ نہیں ہوسکتا رام دین، جسے تم لاش کہہ رہے ہو، ساری بھیڑ بھاڑ میں صرف وہی زندہ ہو اور باقی سارے کے سارے مردہ!''

''مگر صاحب! ان باقی سب میں تو میں بھی تھا۔ اگر آپ میرا فری میڈیکل ٹیسٹ کرنے پر رضامند ہیں تو بے شک اطمینان کر لیجیے کہ میں تو زندہ ہوں۔''

''تو پھر تم ہی اُس لاش کی مدد کرنے کے لیے رُک گئے ہوتے۔''

''کیسے رُک جاتا؟ مجھے عین وقت پر آپ سے ہوٹل میں ملنا جو تھا۔''

''پورے پچاس کا انتظام کر کے آئے ہونا...؟''

''ہاں صاحب! کہہ دیا نا پورے پچاس کا۔ آپ چاہیں تو پورے سو بھی خرید سکتے ہیں۔''

''ویری گڈ!... اچھا بتاؤ، بھلا وہ لاش کہنا کیا چاہ رہی تھی؟''

''صرف یہ کہ مجھے زمم توڑے چھ گھنٹے سے بھی اوپر ہو لیے ہیں، کوئی خدا کا بندہ مجھ پر رحم کھائے اور کسی قبرستان کی راہ پر ڈال آئے۔''

''پھر؟''

''پھر کیا؟ کسی نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ بے چاری مایوس ہو کر آپ ہی اپنے لیے کوئی قبرستان ڈھونڈنے کہیں نکل گئی ہوگی۔''

''مگر کیا وہ لاش سچ مچ کی لاش تھی؟''

رام دین ہنسنے لگا۔ ''آپ اتنے پہنچے ہوئے ڈاکٹر ہیں۔ آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ لاش ہوگی تو سچ مچ کی ہی ہوگی۔''

''ہاں... ہاں، اس میں کیا شک ہے؟''

امریکی ڈاکٹر کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا سوچے۔ اس لیے سوچے بغیر وہ رام دین سے پوچھنے لگا۔ ''کیا تمھارے یہاں موت کا سرٹیفکیٹ لینا ضروری نہیں؟''

رام دین پھر ہنس پڑا۔ ''آپ امریکی لوگ اتنے سمجھ دار ہوتے ہیں صاحب، پھر بھی

www.taemeernews.com

بھولے کے بھولے۔ اس لاش کو کوئی قبرستان کے راستے پر بھی نہیں ڈال رہا تھا۔ غریب موت کے سرٹیفکیٹ کے لیے دفتروں کے چکر کہاں کاٹتی پھرتی... یا پھر رشوت دے کر زندگی میں ہی سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتی۔ مگر رشوت کے پیسے ہوتے تو ان سے دوا دارو کر لیتی۔ اس کا مرنا ہی کیوں ہوتا؟''

رام دین کے مذاق کا لہجہ ڈاکٹر کو بھونڈا بھی لگ رہا تھا اور دلچسپ بھی۔

آپ شاید یہ سوچ رہے ہیں صاحب، کہ سرٹیفکیٹ کے بغیر اس بھلے آدمی کو پتہ کیسے چل گیا کہ اس کی موت واقع ہو چکی ہے؟''

''ہاں، ہمیں تو کسی کے مرنے کا یقین اس وقت ہی آتا ہے، جب اس کی موت کی ڈاکٹری تصدیق ہو جائے۔''

''آپ کی بات اور ہے صاحب۔ ہمارے سارے سرٹیفکیٹ جعلی ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں اپنی موت پر اسی وقت یقین آتا ہے جب ہم آپ ہی محسوس کرنے لگیں کہ ہم مر چکے ہیں... ڈرائیور! اب یہاں سے بائیں طرف مڑ جاؤ۔ ہمیں اسی گلی میں آنا تھا۔''

''تم لوگ اپنے ہسپتال اتنی تنگ اور گندی گلیوں میں کیوں بنواتے ہو؟''

''یہاں ہسپتال نہیں ہے۔''

''مگر مردہ خانہ تو ہسپتال کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔''

''آپ آیئے تو صاحب! ہمارے غریبوں کو دوا خانے اور مردہ خانے کہاں نصیب ہوتے ہیں...''

''ٹھہر جاؤ ڈرائیور... بس یہیں!''

گاڑی رُک گئی۔

امریکی ڈاکٹر نے بھی دیکھا کہ کئی پھٹے حال بوڑھے، جوان اور بچے گلی میں ایک طرف قطار باندھے کھڑے ہیں۔

''یہاں کہاں لے آئے ہو؟''

''جہاں ہمیں آنا تھا۔'' رام دین گاڑی سے نکلتے نکلتے بات پوری کرنے کے لیے رُک گیا۔

www.taemeernews.com

''آپ کے پاس آنے سے پہلے میں ہی انھیں یہاں کھڑا کر گیا تھا۔''

''مگر میں نے تو مُردوں کا آرڈر دیا تھا۔''

''غور سے دیکھیے صاحب، کیا یہ لوگ آپ کو زندہ معلوم ہوتے ہیں؟''

''مجھے یہ مذاق پسند نہیں، رام دین!''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں صاحب، مُردوں کو تو اپنے مر چکنے کا احساس بھی نہیں ہوتا، مگر انھیں غور سے دیکھیے، ہر ایک کو پورا احساس ہے کہ وہ مر چکا ہے۔''

امریکی ڈاکٹر گھبرا کر ان مفلوک الحال لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''عجیب آدمی ہو! میں نے تو کہا تھا ہمیں اپنے ملک میں طبی تجربوں کے لیے پچاس مُردوں کی ضرورت ہے۔''

رام دین ہنسنے لگا۔ ''نہیں صاحب، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اتنی دور سے قبریں کھدوانے کے لیے آئے ہیں۔ میں نے تو سوچا تھا ساری دنیا کے ملک ہمارے دیس سے آدمی لے جاتے ہیں، آپ کو بھی ان سے کوئی ایسا کام لینا ہوگا جو صرف مرے کھپے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔'' رام دین اپنی ململ کی ٹوپی اتار کر سر کھجانے لگا۔ ''ایک بات کہوں صاحب!...ان سب کو آج کل میں مر ہی جانا ہے۔ بہت سے تو راستے میں جہاز پر ہی دم توڑ دیں گے...ان کی شکلیں دیکھیے اور بتایئے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ چپکے سے ان ہی کو لے جایئے۔''

''بکواس بند کرو اور صاف صاف بتاؤ...کیا تم پچاس مُردے...سچ مُچ کے مُردے مہیا کر سکتے ہو؟''

رام دین نے سر کھجا کر اپنی ٹوپی پھر اُسی جگہ پر سجالی۔

''آپ کی میڈیکل سائنس تو ہماری سائنس سے بہت آگے نکل چکی ہے صاحب۔ آپ خود ہی ان سب کا ٹھونک بجا کر معائنہ کر لیجیے۔ آپ کو یقین آجائے گا کہ یہی سچ مچ کے مُردے ہیں۔ ٹھہریے...میں آپ کو موٹے طریقے سے سمجھاتا ہوں۔''

رام دین گاڑی سے نکل کر اس قطار کی طرف گیا اور کچھ بولے بغیر اس نے ایک آدمی

www.taemeernews.com

کے منہ پر زور سے تھپڑ دے مارا۔

اُس آدمی نے مدافعت کی نہ گالی بکی، بس چُپ چاپ جوں کا توں کھڑا رہا، گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

رام دین فاتحانہ چال سے واپس امریکی ڈاکٹر کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ یہ سب کے سب سو فیصد مُردے ہیں؟''

امریکی ڈاکٹر نے سر اسیمہ خفگی کے ساتھ اپنے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''واپس چلو ڈرائیور۔''

''ٹھہریے صاحب۔ میری مانیے تو انھیں لے جایئے۔ آپ جیسا تجربہ کرنا چاہتے ہیں، اطمینان سے ان ہی پر کر لیجیے۔ ٹھہرو ڈرائیور...! پیسے چاہیں تو اپنی تسلی کے بعد ادا کیجیے صاحب۔''

''چلو، ڈرائیور!''

''اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے صاحب، ویسے مُردے ہوتے تو آپ کا کارنیج کا خرچ الگ ہوتا۔ یہ بے چارے تو آپ ہی اپنا سارا بوجھ اٹھا کر جہاز پر سوار ہو جائیں گے۔''

''چلو، ڈرائیور!''

امریکی ڈاکٹر کی گاڑی آگے بڑھی تو رام دین ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''بڑے بدقسمت ہو... اگر واقعی مر چکے ہوتے تو ٹھاٹ سے امریکہ جا پہنچتے۔''

◆◆◆

www.taemeernews.com

گرین ہاؤس

یو۔این۔او کے ڈپٹی سکریٹری جنرل اس نجی سن ڈاؤنر سے مولو اب گھر لوٹنا چاہ رہا تھا۔مگر اس نے اتنی پی لی تھی کہ اسے ڈر تھا، اٹھا تو لڑکھڑانے لگوں گا۔

آسٹریلین لاکر اس کی خواہش اور خوف بھانپ کر ہنسنے لگا۔''پر جب نشے کا یہ عالم ہو تو گھٹنوں کو سیدھا ہی کیوں کیا جائے؟''

لاکر سے مولو نے پوچھنا چاہا کہ یہ کیا نام ہوا، لاکر؟... اور خود ہی جواب بھی دینا چاہا... اچھا، اپنے جرائم پیشہ باپ دادا کی یاد میں اب بھی تمھارا منہ بند ہے۔مگر اپنے سامنے ہی بیٹھے امریکی فارن آفس کے ایک سینئر آفیشل کو پا کر وہ اسی پر ٹوٹ پڑا۔''مسٹر لاکر، کیا تم ہماری امریکی سرکار کی کسی حالیہ بدحواسی پر تبصرہ کر رہے ہو؟''

''کیا مطلب؟''امریکی آفیشل کے کان اتنے کھڑے ہو گئے کہ وہ اپنے کان ہی کان نظر آنے لگا۔

''مطلب یہ کہ جب سے روسیوں نے تائب ہو کر کان پکڑ لیے ہیں، وہائٹ ہاؤس نشے میں اپنی دو ٹانگوں پر کھڑا ہی نہیں ہو پا رہا۔تم یہی کہنا چاہ رہے تھے نا مسٹر لاکر؟''مولو نے اپنی بات سے محظوظ ہو کر اسٹیورڈ سے ایک اور وہسکی طلب کی۔''ان حالات میں کیا یہ بہتر نہیں، مائی ڈیئر بلیک برڈ...''اس نے امریکی آفیشل سے پوچھا۔''امریکی سرکار ذرا دم لینے کے لیے چپ چاپ بیٹھی رہے؟''

لاکر نے شاید وہسکی کا گھونٹ بھرنے کے لیے منہ کھولا تھا مگر وہ بول اٹھا۔

''امریکی کا تو خاصہ ہے کہ دم لینا ہو تو اور تیز چلنے لگتا ہے۔''

''میں بھی تو امریکی ہوں۔''مولو نے اسے جواب دیا۔''میں تو دم لینے کے لیے دم

www.taemeernews.com

ہی لیتا ہوں۔''

''اسی لیے وہ امریکی سیاست دان... کیا نام ہے اس کا... وہ تمھاری امریکیت کو مشکوک قرار دیتا ہے۔'' لاکر کو نشے میں زبان کو ڈھیلا چھوڑ دینا بڑا خوشگوار لگ رہا تھا۔'' وہ تمھاری ساری صحافتی سلطنت خریدنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔''

''سنو! مسٹر لاکر۔'' مولو پل بھر بے چین سا ہو کر وہی مول چند دھرم چند نظر آنے لگا جو کوئی ڈیڑھ ایک دہا پہلے کینیا کی آزادی پر وہاں اپنا سارا بزنس بیچ کر یو۔ ایس۔ اے میں آبسا تھا۔'' سنو، سودا اگر واقعی پٹ گیا تو تم دیکھو گے، تمھارا وہ گھاگ سیاست دان ہی سرتاپا بک جائے گا۔'' اسے گویا اپنا یہ بیان بھی ناکافی لگا۔'' میرا مطلب ہے، بشرطیکہ میں نے اسے خریدنا چاہا۔''

مولو نے ایک ہی ڈیک میں اپنی ساری وہسکی حلق سے اتار لی تو آپ ہی آپ پُرسکون ہو کر مسکرانے لگا۔

بلیک برڈ کے کان بھی ڈھیلے ہو کر نیچے لٹک آئے اور وہ ہنس کر کہنے لگا۔'' اگر تم میری تنخواہ کی دگنی رقم دینے پر تیار ہو مولو، تو مجھے ہی کیوں نہیں خرید لیتے؟''

''دگنی تنخواہ پر کیوں؟''

''ہیٹی کہتی ہے۔'' بلیک برڈ بدستور ہنستے ہوئے اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگا، جو پینے سے سیر ہو کر کھا کھا کر منہ ہلائے جا رہی تھی۔'' اگر تم دگنی تنخواہ نہ لائے تو تمھیں طلاق دے دوں گی۔''

''طلاق کے جھنجھٹ میں کیوں پڑتی ہو، ہیٹی ڈارلنگ؟'' مولو نے بلیک برڈ کی بیوی کو مشورہ دیا۔'' دگنی تنخواہ کے لیے دو خاوند کر لو۔''

ہیٹی اور بلیک برڈ نے سب سے اونچا قہقہہ لگایا۔

''اپنی بیوی کو ساتھ کیوں نہیں لائے ناٹی بوائے؟'' ہیٹی مولو سے پوچھنے لگی۔

''کیسے لاتا؟ عین وقت پر اس کے ایک دانت میں درد جاگ پڑا۔ گھریلو نسخوں سے بات بننے میں نہ آئی تو میں نے ڈاکٹر کو فون کیا۔'' مولو نے اسٹیورڈ کو ایک اور وہسکی کا اشارہ کیا۔ ''میں اسے ڈاکٹر کے گھر چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔''

www.taemeernews.com

''خوبصورت عورتوں کو رات کے وقت جوان ڈاکٹروں کے گھر نہیں چھوڑنا چاہیے۔''
ہیٹی اپنے پرس سے شیشہ نکال کر ہونٹوں پر لپسٹک کی تہہ جمانے لگی۔
''خوبصورت عورتوں کی ترجیح اگر یہی ہو۔'' مولو ایک عرصے سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ اور اس کی بیوی ایک دوسرے کے لیے اپنی محبت کو دہرا دہرا کر از حد بور ہو چکے ہیں۔ ''تو ہمارے امریکی قانون کے تحت شوہروں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انھیں ان ہی کی ترجیحوں پر چھوڑ دیں اور اپنی ترجیحیں دریافت کریں۔''
جواباً ہیٹی نے اپنے بال جھٹک کر کچھ اس طرح آنکھیں مٹکائیں گویا کہہ رہی ہو، میں تو تمھارے سامنے بیٹھی ہوں، مگر مجھے دریافت کرنے کے لیے تم نامعلوم کہاں بھٹک رہے ہو۔ ''تمھیں گھر جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟ کیا پتہ ڈینٹسٹ ساری رات اسے علاج کے لیے وہیں روکے رکھے۔''
''مگر تم یہ کیوں سمجھتی ہو لٹل گرل، کہ گھر لوٹ کر ہم واقعی گھر جا پہنچتے ہیں؟''
''تو پھر کہاں جا پہنچتے ہیں؟'' ہیٹی کا خیال تھا کہ انجان پن کے میک اپ سے عورت کی جنسی کشش میں ڈھیروں اضافہ ہو جاتا ہے۔
''کیا پتہ، کہاں؟'' اگر ہیٹی کا شوہر وہاں موجود نہ ہوتا تو مولو ہیٹی کے قریب سرک کر اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیتا۔ ''برڈی۔'' اس نے ہیٹی کے شوہر کو مخاطب کیا۔ ''اگر میں واقعی تمھیں خریدنا چاہوں تو کتنے پیسے لو گے؟'' اور پھر اپنے سوال کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے ہیٹی کی طرف منہ کیا۔ ''ہاں، ہیٹی ڈیئر، کیا پتہ، کہاں؟''
لیکن مولو کے ذہن میں اپنے گھر کا تصور صرف اسی ایک گھر سے بندھا ہوا تھا جہاں وہ پیدا ہوا تھا... ہمالیہ کے کوہستانی سلسلہ کے کچھ ہی فاصلے پر اس چھوٹے سے میدانی شہر سیالکوٹ میں ایک چھوٹا سا نہایت پُرانا مکان، جو اتنا بڑا تھا کہ اتنے سالوں کی دوری سے بھی مولو کو ویسے ہی صاف دکھائی دیتا تھا، اور اتنا پکا کہ ابھی تک اس کے دل و دماغ میں جوں کا توں کھڑا تھا۔ سیالکوٹ میں وہ کبھی گھر پہنچنے سے لیٹ ہو جاتا تو یہاں ٹرنکوں والے بازار سے اس جینیوں کی گلی میں ڈگ بھرتے ہوئے وہ وہاں اس پل پر آ پہنچتا اور پھر وہاں سے دوڑتے ہوئے ایک ہی سانس میں مندر کے پڑوس میں اپنے گھر کے دروازے کے

www.taemeernews.com

سامنے...

''بھابو جی!''

وہ گلا پھاڑ کر ماں کو آواز دیتا اور اس کی باؤلی ماں گویا اپنے بھیتر اسی کو ڈھونڈ رہی ہوتی اور اس کی آواز سنتے ہی بے اختیار اندر سے وارد ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیتی۔

''تو کدھر نکل گیا تھا سَیں، مولو؟'' بچپن میں بھی مول چند کو سب مولو ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ کہہ کر جایا کر، پُترا!''

''یا پھر ہٹی!'' مولو نے اچانک ہٹی کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ ''گھر وہ ہوتا ہے جہاں ہمارا انتظار کیا جاتا ہے۔''

بلیک برڈ نے زور سے قہقہہ لگایا۔ ''کس سے مخاطب ہو مولو؟ میری بیوی کو اس کی ایک دوست لے گئی ہے... کہاں؟... یہیں کہیں کسی دلچسپ آدمی سے ملانے۔''

''دلچسپ آدمی!'' مولو نے منہ میں بڑبڑا کر وہاں سے ایک بار پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن لڑکھڑا سا گیا اور پھر بیٹھ گیا۔

''تمھارا گھر بہت دور ہے مولو۔ کیا تمھیں یقین ہے، بہ حفاظت پہنچ جاؤ گے؟'' آسٹریلین لاکر نے مولو سے بھی زیادہ چڑھا رکھی تھی۔ لیکن وہ کسی عادی مجرم کی طرح بڑا پُرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''فکر مت کرو، لاکر۔'' بلیک برڈ بولا۔ ''ہماری امریکی گاڑیاں نہایت قابلِ اعتماد ہیں۔''

''کیا وہ تمھاری شراب نہیں پیتیں؟'' روسی سفیر ایک جرمن امریکی فائر آرمز ڈیلر کے بازو میں اپنا بازو ڈالے کسی عرب ری پبلک کے نمائندے کے ساتھ یک بیک ان کے سروں پر آ کھڑا ہوا۔

''نہیں، وہ ہماری مقدس مادرِ وطن کا تیل پیتی ہیں۔'' عرب جمہوریہ کا نمائندہ سب کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

''میں سمجھا تھا ایکسی لینسی! تم دعویٰ کرو گے، تمھاری مقدس مادرِ وطن کا دودھ پیتی ہیں۔'' مولو کے ہاتھ پیر جواب دینے لگتے تو اس کا ذہن تن جاتا۔ وہ سوچنے لگا، کیا ہی اچھا

www.taemeernews.com
ہو جو آدمی کا اٹھنا بیٹھنا... اس کی تمام تر ٹریفیکنگ صرف اس کے ذہن میں ہو، اس کے سارے کام یہیں انجام پاتے رہیں۔

اسے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے پا کر سبھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں دراصل پراچین بھارت کے ان رشیوں کے بارے میں سوچنے لگا تھا جو ایک بار کسی درخت کے نیچے کچی مٹی پر سمادھی لگا لیتے تھے تو مٹی میں اتنے مٹی ہو جاتے تھے کہ ان کے وجود پر درخت اگ آتے تھے۔ مگر وہ اندر ہی اندر متواتر دھڑکتے رہتے تھے اور ان کے وجود میں ساری کائنات سمٹ آتی تھی اور...''

''خدا کے لیے مولو!'' جرمن امریکی کارخانہ دار نے مولو کو ٹوکا۔ ''ہم تمھارا یہ آرٹیکل تمھارے گڈ ارلڈ، آل ورلڈ میں پڑھ لیں گے۔ اس وقت صرف باتیں کرو، صرف منہ ہلاؤ۔''

''اس میں کیا مشکل ہے...'' مولو نے جرمن امریکی کو کھانے کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ''پیٹ بھرتے جاؤ، منہ ہلتا رہے گا۔''

''اس سے میرا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔'' اسی گروہ کے ایک کونے میں عالمی ادارے کے فوڈ فار آل پروگرام کا باس بھی چپکے سے آ بیٹھا تھا۔

''ہاں، مائی ڈیئر مولو، اگر ہم نے اپنا کھانا شروع کر دیا...'' جرمن امریکی نے اشیائے خوردنی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ''...تو تمھارے ہندوستان بھیجنے کے لیے کیا بچے گا؟''

''فائر آرمز، مائی ڈیئر ان ڈیتھ!''

سبھوں کے قہقہے کسی بم کے مانند پھوٹ پڑے، جس سے آس پاس کے لوگ انھیں تجسس سے دیکھنے لگے۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی...'' فوڈ فار آل پروگرام کا باس کہنے لگا۔ ''جب ہندوستان اور پاکستان کے پاس پیٹ بھر کھانا بھی نہیں، تو وہ کسے بچانے کے لیے اپنا سارا پیسہ ڈیفینس پر خرچ کر دیتے ہیں؟''

''اور کسے؟ اپنی بھوک اور...''

''اور خدا کو... ہے نا؟''

www.taemeernews.com

''ہاں، ہندوستانی ہو یا پاکستانی، خدا کو بھی اپنے سامان میں باندھ کر پناہ کی تلاش میں دنیا بھر میں مارا مارا گھوم رہا ہے۔''

''خدا کو بھی کیوں؟''

''خدا کے بغیر اس کی لڑنے جھگڑنے کی خواہش کیوں کر پوری ہوگی؟''

سب ہنس دیے۔

''ہنسنے کی بات نہیں... گھر میں آگ لگی ہو...''

''کون لگاتا ہے آگ؟''

''گھر میں آگ لگی ہو۔'' بولنے والے نے ذہن میں بکھرتے ہوئے جملے کو جلدی سے ازسرِ نو یکجا کیا۔ ''تو ہر شخص عافیت کے لیے باہر کی طرف دوڑتا ہے۔''

''عافیت... مائی فٹ!'' جرمن امریکی انھیں بتانے لگا۔ ''میرے بھائی نے جرمنی سے لکھا ہے کہ وہاں بیسیوں مشکوک اڈوں پر ایک ایک کمرے میں ایک ایک درجن ایشیائی بیمار مویشیوں کی طرح فرش پر اوپر تلے پڑے رہتے ہیں اور پولیس ویزا چیک کرنے کے لیے چھاپہ مارتی ہے تو وہ دہائی دینے لگتے ہیں، ہماری کھال کھینچ لو، جان لے لو، پر ہمیں واپس گھر مت بھیجو...''

''تعجب ہے...! ان کے بیوی بچے...''

''بیوی بچوں کو بھی یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ گھر نہ لوٹ آئیں۔''

''تعجب ہے...!''

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اگر گھر لوٹ جائیں تو انھیں پردیس سے پیسہ کون بھیجے گا...؟ کیوں مولو...!''

''اوہ، شٹ اپ!'' مولو اسے بڑی موٹی گالی بکنا چاہتا تھا، مگر اسے وہ دن یاد آ گئے جب وہ اپنے بوڑھے ماں باپ اور جوان بہن کو پیچھے چھوڑ کر پہلے پہل کینیا آ نکلا تھا۔ ان دنوں ان کے یہاں اس کے بابا کا دور کا ایک رشتے دار آیا ہوا تھا جس نے کینیا میں اپنی گروسری سے لاکھوں کی دولت پیدا کر رکھی تھی۔ گروسر نے اس کی بی۔ اے کی تھرڈ کلاس کی ڈگری پر ریجھ کر اسے پھسلا کے کینیا چلنے پر آمادہ کر لیا تھا تاکہ وہاں پہنچ کر وہ اس کی لڑکی

www.taemeernews.com

سے شادی کر لے۔

کینیا میں مولو کی دلہن ایک دن اسے اپنے باپ کی گروسری وین میں نیشنل پارک لے گئی جہاں میلوں کے احاطے میں جنگلی جانور کھلے بندوں گھومتے پھرتے تھے۔ اس روز کا ایک منظر مولو گویا اس وقت اس سن ڈاؤنر میں بعینہٖ دیکھ رہا ہو۔ ایک جنگلی بیل سر جھکائے گھاس پر منہ مار رہا ہے کہ اس کی پشت سے اچانک ایک شیر اس پر چڑھ آیا ہے اور اسے چیرنے پھاڑنے لگا ہے۔ مگر بیل بدستور اپنی چار ٹانگوں پر کھڑا ہے، اور منہ میں آئی گھاس کو تیز تیز چبانے لگا ہے کہ مرنے سے پہلے اسے حلق سے اتار لے۔

وہ ساری رات مولو نے چپکے چپکے رو کر گزاری تھی اور اپنے ماں باپ اور بہن تینوں کو مخاطب کر کے ایک بڑی لمبی چٹھی لکھی تھی، اور انھیں یقین دلایا تھا کہ وہ ہر مہینے تنخواہ کے دن گھر پہنچنے سے پہلے انھیں اپنی نصف تنخواہ کا منی آرڈر پوسٹ کر دیا کرے گا۔ اس کے پہلے منی آرڈر کی وصولی پر بابا نے اسے فوری طور پر مطلع کیا تھا کہ یہاں پوری خیریت ہے۔ تمھارا منی آرڈر مل گیا ہے اور ہم نے سوچا ہے کہ اگلے تین ماہ کے منی آرڈروں سے پہلا کام یہ کریں گے کہ سارے گھر کا فرش پکا کروالیں...تمھاری ماں اور بہن کچے فرش کے لیپ پوت سے عاجز آچکی ہیں اور...

''شٹ اپ...!'' مولو نے سر اٹھا کر فائر آرمز ڈیلر سے کہا، مگر جب اس جرمن امریکی نے اسے ہنستے ہوئے بتایا، میں تو تم سے پوچھ رہا ہوں بھائی، تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے، تو اس نے آواز لٹکا کر جواب دیا، آئی ایم ساری ڈیئر مسٹر۔

''تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟''

''نہیں، میں نے بہت پی لی ہے۔'' مولو نے کہا۔ ''ان حالات میں میرا نشہ اس وقت کم ہوتا ہے جب میں اور پیوں...''

''اور...!'' جرمن امریکی نے جھوم کر کہا۔ شراب کا نشہ ہو یا پاور کا، یا کوئی بھی، اس کا تدارک اسی طور ممکن ہے...اور!'' پھر وہ سبھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''ہیرز دا میسج فرام اور گریٹ امریکہ...اور...! ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے، بس اور...! گلاس اٹھاؤ دوستو اور اپنے اس امریکی دوست کی خوشی کی خاطر ایک ہی ڈیک میں سارا بچا کھچا اور پی جاؤ...''

www.taemeernews.com

سبھوں نے اپنے گلاس خالی کر دیے تو دو اسٹیورڈ بڑی خاموش مستعدی سے آگے بڑھ کر ان کے لیے اور شراب انڈیلنے لگے۔

مولو نے اپنے بھرے ہوئے گلاس پر نگاہ ڈالی اور اسے چھوئے بغیر کھڑا ہو گیا۔

''تھینک یو ایوری باڈی! باقی کی میں اب گھر جا کے پیوں گا۔''

''یہیں کیوں نہیں؟'' بلیک برڈ نے اس سے پوچھا۔

''کیوں کہ اپنے مکان کی چار دیواری میں مجھے اپنا آپ بھروسے کے قابل معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہی ایک جگہ ہے جہاں میں دُھت چین سے سو جاتا ہوں۔''

ہیٹی اس وقت انھی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ مولو کا جملہ کان میں پڑنے پر وہ کہنے لگی۔

''مگر گھر میں سوؤ گے کس کے ساتھ، مولو؟ تمھاری بیوی تو اپنے ڈینٹسٹ کے پاس گئی ہوئی ہے۔''

''دی اولڈ بچ!'' مولو نے دل ہی دل میں کہا اور اس کی طرف ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

بینکویٹ ہال میں ابھی وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ ایک وِنگ سے اسے سنائی دیا۔

''جامبو، بوانا مولو۔''

اس نے دیکھا کہ کینیا کا ہائی کمشنر چند لوگوں میں سے اٹھ کر اسے سلام کہہ رہا ہے۔

''جامبو، ایکسی لینسی!'' اسے معلوم تھا کہ افریقی اور ایشیائی ری پبلکوں کے سفیر شاہی اہتمام سے پکارے جانے پر جامے میں پھولے نہیں سماتے۔

''آؤ، ہمارے ساتھ نہیں بیٹھو گے بوانا؟''

مولو نے سوچا کہ ترقی پذیر ممالک کے نوکر شاہوں کی دعوت برسرِ راہ بھی قبول نہ کی جائے تو وہ اسے اپنی توہین پر محمول کر لیتے ہیں۔ ''ہاں، ہاں۔ کیوں نہیں، ایکسی لینسی۔'' وہ لڑکھڑائے بغیر اپنا آپ لڑکھڑاتے محسوس کر کے اس گروپ میں آ بیٹھا اور ایک نیگرو اسٹیورڈ اس کے سامنے گلاس رکھ کر شراب انڈیلنے لگا۔ نیگرو کے جھکے ہوئے سر کے بالوں کے چھلّے دیکھ کر مولو کو لگا کہ وہ اپنے کینیا کے گھر میں بیٹھا ہے اور اس کا کالا نوکر اس کا گلاس بھر رہا ہے۔

www.taemeernews.com

کینیا کی بیس بائیس سالہ زندگی بھی گروسر کے داماد نے راجہ بن کر بتائی تھی...

ہندوستان سے وہاں آئے ابھی اسے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ چند کالوں نے اس کے اکلوتے سالے کو قتل کر دیا۔ اس کا سالا نصف شب کو کیبرا دیکھ کر نشے کی حالت میں گھر لوٹ رہا تھا کہ لٹیروں نے اس کی گاڑی رکوا کر اسے ڈرائیور کی سیٹ پر ہی ختم کر دیا اور اس کا رنڈوا سسر بھی اپنے بیٹے کے غم میں چند ہی ماہ میں اس کے پیچھے ہولیا۔ پھر جب بڈھے کے وکیل نے اسے کل جائیداد کی تفصیل سے آگاہ کیا تو اس نے اپنی زندگی کو نئے سرے سے پلان کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے اپنی اچھی خاصی سرکاری نوکری چھوڑ دی۔ بڈھا اتنا کچھ چھوڑ گیا تھا کہ وہ کام وام کے بغیر بھی ٹھاٹھ سے رہ سکتا تھا، تاہم بچے کے سامنے کھلونوں کا ڈھیر لگا ہو تو وہ کب تک کھیلنے سے ہاتھ روکے رکھے گا؟ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے گروسری سنبھال لی۔ اس کے علاوہ اپنے بعض پرانے انگریز افسروں کی باقاعدہ کمیشن طے کر کے وہ کئی سرکاری اداروں کو ٹھیکے پر متفرق ضروریات سپلائی کرنے لگا۔ جوں جوں اس کا کام بڑھتا چلا گیا، وہ سارے ایسٹ افریقہ میں نئے طرز پر گروسری کی ایک لمبی طلائی زنجیر بنانے میں جٹ گیا اور اتنی دولت پیدا کر لی کہ کوئی ایک دہائی میں اس کا شمار ملک کے نصف درجن مالدار ترین اشخاص میں ہونے لگا۔

اس کے ماں باپ...؟ اب اسے اتنی فرصت کہاں رہی تھی کہ ان کی یاد میں گھلتا رہے۔ پہلے پہل تو اس نے کئی بار انھیں لکھا کہ وہ بھی اس کے پاس آ جائیں۔ لیکن بوڑھا بڑھیا اَڑ گئے کہ وہ اس عمر میں سمندروں پار اپنا مردہ کہاں خراب کریں گے۔ وہ یہیں اپنے سیالکوٹ کے گھر میں اس کی طرف منہ اور من کر کے ٹھنڈی ہوائیں محسوس کر لیا کریں گے۔ چنانچہ وہ دونوں اس کی ٹھنڈی ہوائیں محسوس کر کر کے سلگتے رہے اور وہ ان کے ماہانہ الاؤنس میں ان کی شفقت و دعا کے صلے کی رقم بھی جوڑ کر انھیں اس وقت تک پیسے بھیجتا رہا جب تک اسے پتہ نہ چلا کہ اس کے پیسے چند ماہ سے ان کے بجائے نہ جانے کون وصول کرتا رہا ہے۔ انھیں مرے کھپے تو آدھے سال سے بھی اوپر ہو لیا تھا۔

ان کی موت کی اطلاع پا کر اس شام کو وہ اپنے بنگلے کے ٹیرس پر تنہا آ بیٹھا تھا اور جانی واکر کے پیگ پے در پے چڑھاتے ہوئے اپنے دل میں ماں باپ کی جاتی ہوئی ارتھیوں پر

www.taemeernews.com

نگاہ جمائے ہوئے تھا اور اس کا رونا نہیں نکل رہا تھا، شاید اس لیے کہ وہاں کوئی نہ تھا جو اس کی ڈھارس بندھاتا...اس کی بیوی؟...نہیں، وہ اس کی ڈھارس کیسے بندھاتی؟ بانجھ لجاوتی کی کوکھ میں کینسر کا ٹیومر اُگ آیا تھا اور اس کے پیٹ میں چار سو پھیل رہا تھا۔ اسے تو آپ خود ڈھارس کی ضرورت تھی جسے پورا کرنے کے لیے مولو نے چوبیس گھنٹوں میں آٹھ آٹھ گھنٹوں کے لیے تین تربیت یافتہ نرسیں لگا رکھی تھیں...اس کے بچے؟ نہیں، اس کے کوئی اولاد نہ تھی جس کی توتلی آنکھوں میں کھو کر اسے اپنی ٹوہ کھوہ ہونے لگتی۔

جلتی ہوئی ارتھیوں پر بدستور ٹکٹکی باندھے اس نے ایک اور پیگ ہونٹوں سے لگالیا اور جب شراب اپنا رستہ چیر کر اس کے معدے میں اتر رہی تھی تو چاند آسمان سے اس کے سر میں سمائے جا رہا تھا...چاند؟...جب کینیا آنے کے لیے سیالکوٹ سے اس کی گاڑی روانہ ہوئی تھی تو چاند اس کے ساتھ ساتھ دوڑے چلا جا رہا تھا...مولو؟...نہ جاؤ مولو...اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ مولو...! مولو...! اوشٹ اپ...! شٹ اپ...! تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیرس کی لفٹ کے قریب افریقی بیرے مؤدب کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ بوانا کوبا کب بے ہوش ہو اور کب وہ اسے اسٹریچر میں ڈال کر اس کے بیڈ روم میں پہنچا دیں۔

''بوانا...؟''

''اوشٹ اپ...!'' مولو نے نشے میں ہڑ بڑا کر کہا، اور یہ دیکھ کر کہ اس سے تو کینیا کا ہائی کمشنر ہم کلام ہے، اسے تأسف ہوا...'' آئی ایم ساری ایکسی لینسی۔ میں دراصل اپنے آپ کو ڈانٹ رہا تھا۔'' مولو نے اسٹیورڈ کو اشارہ کیا کہ اس کے لیے وہسکی لائے...

'' کامن ویلتھ کے مالکوں کو یہ ایک برٹش دین ہے...'' برٹش وائس کونسل وائس بھی وہاں موجود تھا۔'' ...کہ اپنے آپ کو ڈانٹ کر وہ اپنی اصلاح کرتے رہیں۔''

'' چہ خوب!'' مولو نے سارے گروپ پر نظر دوڑا کر کہا۔'' یہاں تو ہیڈ ماسٹر کی نگرانی میں پوری کامن ویلتھ کلاس روم میں موجود ہے۔ انڈیا، پاکستان، یوگنڈا، کینیا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ...'' اس نے اوب کر خود کو باقیوں کی طرف دیکھنے سے روک لیا۔'' کیا وکٹوریہ راج کی برکتوں پر کوئی سبق جاری ہے مسٹر وائس؟''

'' مسٹر مولوا سپیکنگ کوائٹ لائیک ہم سیلف!'' وائس نے کہا'' ہم سب تمھیں مس

www.taemeernews.com

کر رہے تھے۔''

وائس، کے لہجے میں سفید جھنڈا پا کر مولو نے اپنا انداز بھلا کر لینا چاہا۔ ''مسٹر وائس، آئی وِش آئی ہیڈ ناٹ ری ناؤنسڈ مائی برٹش سٹی زن شپ...!''

''تم اگر درخواست دینا چاہو...'' برٹش وائس کونسل نے اسے جواب دیا۔ ''تو ہم پھر سے تمھاری برٹش سٹی زن شپ پر غور کر سکتے ہیں۔''

''تم برٹش لوگ اتنا غور مت کیا کرو مسٹر وائس۔'' وہسکی کا گلاس ہاتھ میں لے کر مولو خود کو روک نہ پایا۔

''کیا مطلب؟''

مولو وہسکی کا گھونٹ بھرنے کے لیے ذرا رُک گیا۔ ''اب یہی دیکھو مسٹر وائس، تمھارے گریٹ برٹین نے کینیا کے برٹش پاسپورٹ ہولڈروں کی برٹش شہریت تو قبول کر لی مگر بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ لوگ اپنی برٹش شہریت کے باوجود آپ کے ملک میں رہ نہیں سکتے۔''

''وطن کی محبت کا تقاضا تو یہ تھا مسٹر مولو...'' ہندوستان کا سفیر کمود پوچھنے لگا۔ ''کہ تم بھارت ہی لوٹ جاتے۔ آخر تم یہاں امریکہ کیوں چلے آئے؟''

''وطن کی محبت کا تقاضا پورا کرنے کے لیے، مسٹر... مسٹر کموڈ۔'' کمود سے بات کرتے ہوئے مولو کو ہمیشہ کموڈ کی 'ڈی' پر زور ڈالنے کی ترغیب رہتی ہے۔

''میرا مطلب ہے اسّی کروڑ کی آبادی میں ایک اور نفس کا اضافہ کیوں ہو؟''

''اسّی کروڑ!'' نیوزی لینڈر جن استعجاب میں اپنی آواز کو پھیلاتا ہی چلا گیا۔

''کیا انڈیا کی عورتیں بارہ مہینے حاملہ رہتی ہیں، مسٹر کموڈ؟''

''ہاں، مسٹر جن۔'' کمود کی بجائے مولو نے اسے جواب دیا۔ ''ہندوستانی مغربیوں سے اسی مانند اپنے بدلے چکاتے ہیں۔ آپ لوگ کہیں بھی مریں، وہ آپ کو اپنے ملک میں پیدا کر لیتے ہیں...''

''ریالی!'' جن گھبرا کر اپنی ساری جن ایک دم پی گیا۔ ''ٹیریبل! مجھے کسی ہندوستانی گھر میں پیدا ہونا پڑ جائے تو میں پیدائش پر ہی رو رو کر جان دے دوں۔''

www.taemeernews.com

''مگر ہم ہندوستانی ساری زندگی روتے رہتے ہیں۔ پھر بھی ہماری جان نہیں نکلتی۔''

''مگر ہم امریکیوں کو ہندوستانیوں میں شمار نہیں کرتے مسٹر مولو۔'' کمود کو مولو پر غصہ آ گیا۔

''مسٹر کموڈ، کیا مجھے پاکستانی سمجھ کر مجھ سے ناراض ہو گئے؟''

پاکستانی سفارت کار نے کمود کے گلے میں اپنا بازو ڈال دیا۔ ''میری اور کمود کی دوستی پر شک کی گنجائش روا رکھ کے تم ہم دونوں سے ظلم برت رہے ہو مولو۔''

''یہی تو سارے اسکینڈل کی بنا ہے علی۔''

مولو کی پاکستانی سفیر سے بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ ''اشخاص ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان ہی اشخاص کی سرکاریں شاید ان کی محبت کے باعث ایک دوسرے سے نفرت۔''

''بس اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے۔'' پاکستانی سفیر نے کہا۔ ''تو ہمارے درمیان اور کوئی تنازعہ ہے ہی نہیں۔''

''مگر کشمیر ہندوستان کا اِنٹی گرل پارٹ ہے۔'' کمود بولا۔

''نہیں، کشمیر پاکستان کی مذہبی اور تہذیبی کل میں واقع ہے۔'' علی نے فوراً جواب دیا۔

''نہیں...!''

''نہیں...!''

اسی دوران یو۔ این۔ او میں آسٹریلیا کا نمائندہ سب کو بتانے لگا۔ ''چند سال پہلے اپنے سڈنی میں ایک کشمیری میرا شریک کار تھا۔ اس نے ہماری آسٹریلین شہریت اختیار کر رکھی تھی۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا، کیوں مسٹر ظہیر الدین! یہاں آنے سے پہلے تم کہاں تھے؟ ہندوستان میں، یا پاکستان میں...؟ پتہ نہیں کہاں...؟ اس نے جواب دیا... دنگوں سے جان بچانے کے لیے نامعلوم میں کہاں کہاں بھاگا پھرتا تھا مسٹر ڈاؤنر۔ مجھے تو یہاں آسٹریلیا پہنچ کر پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ میں اپنے ہی وجود میں ہوں۔''

ہندوستان اور پاکستان کے سفارت کار ابھی تک اپنے چہروں کے یکساں خدوخال

www.taemeernews.com

سے برآمد ہوتے ہوئے ہونٹوں کو اتنی یکساں وسعت میں کھولے ہوئے تھے گویا محب و محبوب ہوں۔

''نہیں...!''

''نہیں...!''

گریٹ برٹین کے وائس نے نہایت سفارت کارانہ صناعی سے بات کا رُخ موسم کی خرابی کی طرف موڑ دیا۔'' یہاں کی سردی بڑی خشک ہے۔ مگر ہمارے گریٹ برٹین کی سردی اپنے گیلے پن کے باعث ہمیں بہت عزیز ہے۔''

مولو شاید بور ہونے لگا تھا۔'' کیا آپ لوگ اسی لیے نہانے سے بہت گھبراتے ہیں؟''

جب سب لوگ ہنس رہے تھے تو کینیائی ہائی کمشنر مولو کے اور قریب سرک آیا۔'' پر میری سمجھ میں نہیں آتا بوانا، تم نے ہمارا کینیا کیوں چھوڑ دیا؟''

جواب میں مولو صرف مسکرا دیا۔

کینیا کی آزادی سے چند سال پہلے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ حالات کیسا پلٹا کھانے والے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی گروسری کی طلائی زنجیر کاٹنا اور جائیداد بیچنا اور دھیرے دھیرے اپنا سارا پیسہ امریکہ بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ حتی کہ آزادی کے آس پاس وہاں اس کے اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر جمع ہو گئے تھے۔ جب اس نے امریکہ روانہ ہونے کا طے کر لیا تو آزاد کینیا کی لیجسلیٹیو کونسل کے ایک افریقی رکن نے اس سے پوچھا، جب ہندوستان کو آزادی ملی تو تم یہاں بھاگ آئے اور اب ہمیں ملی ہے تو تم امریکہ بھاگ رہے ہو۔ کیا تم وہاں نہیں رہ سکتے جہاں آقائیت کے اسباب نہ رہیں...؟

'' شاید تم پوچھنا چاہ رہے ہو بوانا، میں وہاں کیوں نہیں رہتا۔ جہاں آقائیت کے اسباب پیچیدہ ہونے لگتے ہیں۔'' مولو نے اسے ہنس کر جواب دیا اور سوچنے لگا، میں اسے کیا بتاؤں؟ اس لیے کہ پناہ گاہیں بدلے بغیر میری نجی آقائیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، جسے میں نے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنے پیروں پر کھڑا کیا ہے؟

'' بوانا موانگی۔'' تھوڑے توقف کے بعد اس نے آزاد کینیا کی پارلیمنٹ کے رکن کو

www.taemeernews.com

دوبارہ مخاطب کر کے کہا۔ ''جس اکثریت کی سرکار کو تم بذریعہ اور برائے اکثریت قرار دے کر خوش ہوتے ہو، ذرا اس کی چیر پھاڑ کر کے دیکھو، جمہوری انتخابات میں ڈھول بجانے والوں کو نہ گنیں تو انتخاب کرنے والے بھی وہی ہوتے ہیں اور منتخب بھی وہی...''

''مگر بوانا...''

''نہیں، بوانا، تمھاری سواحلی میں ایک کہاوت ہے...لومڑ اپنی چار ٹانگوں پر اس لیے سیدھا نظر آتا ہے کہ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہوتی۔ اس لومڑ کا دوسرا نام جمہوریت ہے۔''

''لومڑ دومڑ کو خارج کر کے سیدھی بات کرو۔''

''سیدھی بات یہ ہے، جمہوریت میں بھی سارے لوگ چند ایک کی حکمرانی میں ہی بسر کرتے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے بوانا، امریکی تمھاری یہ نان سنس پسند نہیں کریں گے۔''

''اور مجھے یقین ہے بوانا موانگی، اٹ شوڈ میک پرفیکٹ سنس ٹو دا امیریکنز ...خیر۔'' گروسری کے دھندے نے مولو کو باتوں کا اتنا دھنی بنا دیا تھا کہ وہ تسلسل توڑے بغیر بات سے بات پیدا کر لیتا۔ ''جمہوریت کا یہ غیر اخلاقی پہلو اگر تمھیں ناپسند ہے تو آؤ، اس کا اخلاقی پہلو بھی دیکھ لو۔ یہاں بھی پہلا درس یہی ہے کہ آدرش جمہوریہ کسی ایک کی اقلیت کو ٹالنے کا بھی مجاز نہیں... ہہ ہاہہ...! جیسے بھی کہہ لو، کلیدی لفظ وہی ہے...واحد...فردِ واحد! سو جمہوریت کی تعریف یوں ہونی چاہیے...'' مولو اپنے لفظوں کو ترتیب میں بٹھانے کے لیے ذرا رک گیا۔ ''سرکار بہ رشتہ اقلیت، برائے اقلیت...اینڈ آف کورس... بذریعہ اقلیت...! بولو، ہے نا بوانا؟''

کینیا کی آزادی کے چند ماہ بعد مولو وہیں رُکا رہا، کہ اس کی بیوی کے دم کا بھروسہ نہ تھا۔ اس نے کئی بار ڈاکٹر سے مشورہ بھی کیا کہ کیا مرسی کلنگ مناسب نہ رہے گا؟ مگر اسی اثنا میں خدا نے آپ ہی اپنی مرسی کے دروازے کھول دیے۔ مولو نے پوری ہندو رسومات کے ساتھ مرحومہ کے دھوئیں کو بیکنٹھ کی طرف اڑانے کا اہتمام کیا اور خود آپ کینیا کی آزادی کا پہلا جشن خوب دھوم دھام سے منا کر امریکہ اڑنے کے لیے ہوئی جہاز میں آ بیٹھا۔ راستے

www.taemeernews.com

میں چاند اس کے جہاز کے ساتھ ساتھ دور تک دوڑتا رہا... مولو... مولو! شاید وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سو گیا اور... اور...

وہ سیالکوٹ میں اپنے ماں باپ کے کچے آنگن میں چاندنی میں اپنے سائے سے کھیل رہا ہے... مولو...! اسے اپنی ماں کی آواز سنائی دی ہے... اب اندر آ کے سو جاؤ بیٹا...! نہیں ماں، مجھے نیند نہیں آ رہی... مولو...! اس کے باپ نے اسے ڈانٹ کر بلایا ہے... چلو، اندر آؤ... آیا، بابا...!

مولو ہڑبڑا کر اپنی ہوائی جہاز کی سیٹ میں جاگ پڑا۔ مولو...! دوڑتے دوڑتے چاند کی سانس پھول گئی تھی، مگر وہ ابھی تک ویسے ہی اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا... مولو...! یہاں سے بھی آگے جا رہے ہو مولو؟ وہاں تمھارا کون ہے؟ آؤ مولو، میں تمھیں بابا اور ماں کے پاس لے چلتا ہوں... آؤ! مولو کی آنکھیں پھر مُندنے لگیں۔

سو جاؤ مولو۔ بہت کھیل لیے ہو... آؤ، آ کے سو جاؤ... مولو...! آیا، ماں! وہ اپنے پہلے گھر کے کچے آنگن سے کوٹھری میں داخل ہو رہا ہے اور چاندنی بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چلی آ رہی ہے اور چند قدم میں ہی اس کے آگے ہو کے اس کی چارپائی پر اُچھل آئی ہے اور وہ اسے یہاں بھی پا کر کھلکھلا کر ہنس پڑا ہے... دیکھو، مولو کی ماں تمھارا باؤلا بالا آپ ہی آپ ہنسے جا رہا ہے...! سو جاؤ، بیٹے! سویرے اسکول جانا ہے... ہاں، بابا! چادر میں چاندنی کو بھی لیے مولو نے منہ سر لپیٹ لیا ہے اور حسبِ معمول سات بار اوم کا جاپ کرنے کے لیے منہ کھولا ہے۔ مگر چھٹی بار نیند ہی نیند میں ایک اور نیند میں اُتر آیا ہے... ماں... ماں...! ماں اور بابا کہاں کھو گئے؟ با... با...! وہ انھیں بابے بیری کے میلے میں ڈھونڈ رہا ہے...! ماں...! مولو بے اختیار رونے لگا ہے اور سارے میلے میں رو رو کر گھومتے ہوئے دونوں نیندوں کی سرحدوں سے باہر نکل آیا ہے۔

آنکھ کھلنے پر بھی وہ اپنے معصوم گریہ سے کان نہیں ہٹا پایا۔

اور...

مگر کینیا کا سفیر اسے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا... ''اگلے ویک اینڈ کو میرا کینیا جانے کا پروگرام تھا بوانا مولو، مگر میں نے اپنی روانگی صرف اس لیے ملتوی کر دی ہے کہ تمھارے

www.taemeernews.com

گریٹ گبنز مرحوم کی برتھ اینی ورسری کا گریٹ ڈنر بھی اسی دن ہے۔''

''اِٹ از آور گریٹ پریویلج۔''

مولو گریٹ گبنز مرحوم کا پروٹیجی بھی تھا اور اس کی زندگی میں اس کے ''آل ورلڈ'' کا پارٹنر بھی۔ گریٹ گبنز کی بیوی یہاں امریکہ آنے سے پیشتر وہاں کینیا میں ہی ایک جرمن وائٹ ہائی لینڈر کی بیوی تھی اور وہاں مولو سے بھی اس کا افیئر چلتا رہا تھا۔ اسی کے ذریعے مولو کا گبنز سے رابطہ پیدا ہوا تھا، جس کے بعد دو ایک سال میں ہی وہ اتنے قریب آ گئے تھے کہ گبنز نے اسے اپنی صحافتی سلطنت میں برابر کا حصہ دار بنا لیا تھا۔ گبنز کو شراب کی اتنی لت تھی کہ پیے بغیر ہوش نہ آتا تھا اور ڈاکٹروں کی باتوں میں آ کر کبھی پینے سے ہاتھ کھینچ لیتا تو بیٹھتے بیٹھتے بھی لڑکھڑا جاتا۔ اپنی بیوی کے مانند اسے بھی مولو سے عشق تھا، شاید اس لیے کہ اس کی ماں بھی ہندوستانی تھی... نہیں... وہ فوراً اپنے آپ کو درست کر کے مولو کو بتاتا... دراصل میرا باپ ہندوستانی تھا۔ میرا مطلب ہے، میری ماں ہی میرا باپ تھی، کیوں کہ اس نے ہی اپنی کڑی نگہداشت میں ہی مجھے اونچا کیا۔ گبنز ہنسنے لگتا... میرے بگڑنے کا یہی سبب ہے کہ میری ماں مجھے لمحہ بھر بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھی۔ جب وہ مر گئی تو خود کو اس کی نظر سے بندھا ہوا نہ پا کر میں بے روک ٹوک اپنے موجودہ جہنم کی طرف بڑھتا چلا آیا...

''تمھارا باپ...؟''

''میرے امریکی باپ کو پیسہ کمانے سے فرصت ہی کہاں تھی؟ اسے تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ میں اس کا بیٹا ہوں، یا اس کے کسی پڑوسی کا... اسے چھوڑو مولو، تم مجھے اپنی ماں کے بارے میں کچھ بتاؤ... نہیں، میری شراب میں پانی مت ملاؤ۔'' گبنز اسے ٹوکتا۔ ''مولو، ہندوستانی ماؤں کے بارے میں میری لاعلمی مضحکہ خیز ہے۔ تم اپنی ماں کا کچھ ایسا خاکہ کھینچو کہ میں بھی اپنی ماں کو جاننے پہچاننے لگوں۔''

گبنز اس لیے پیتا تھا کہ ہوش میں رہے، اور مولو اس لیے کہ ہوش کھو بیٹھے۔ کئی بار ایسے ہوا کہ شراب پی کر مولو خواہ آسمان کی طرف دیکھتا خواہ اپنے ذہن میں دھند ہی دھند میں کہیں سے وہی چاند آنمودار ہوتا... آؤ گے نہیں، مولو...؟ آؤ، ماں تمھاری راہ

www.taemeernews.com

تک رہی ہے۔

''تم کہاں چلے گئے تھے مولو؟'' گبنز کی بیوی نے ایک دن اس سے کہا تھا۔'' میں پچھلے دس دن سے تمھارا راستہ دیکھ رہی ہوں۔''

مگر نشے میں ہوش کھو کر وہ مولو کو اپنی ماں ہی معلوم ہو رہی تھی اور اس کی گود میں سر رکھ کر اس کا رونا تھمنے میں نہیں آ رہا تھا اور گبنز کی بیوی نے جلدی جلدی اس کے اور اپنے کپڑے اتار کر اسے اپنے ساتھ رضائی کی حدت میں لٹالیا تھا اور اس سے والہانہ پیار کرنے لگی تھی۔ مگر مولو سسکیاں بھرتے ہوئے اپنے خواب میں ڈوبا جا رہا تھا۔

''مولو، تمھارے گریٹ گبنز کی دلچسپ گفتگو کی گونج ابھی تک ویسے ہی کانوں میں محسوس ہوتی ہے۔'' نیوزی لینڈر، جو یہاں، ایک مدت سے رہ رہا تھا، مولو کو مخاطب کر کے اس کی توجہ طلب کر رہا تھا۔

''اسی لیے ہمارے'' آل ورلڈ'' نے اس ڈنر میں ایک ایکٹر کی خدمات حاصل کی ہیں۔'' مولو نے اسے بتایا۔ اس ایکٹر کی باتیں سن کر یہی لگتا ہے کہ گبنز ہی راکٹ میں سوار ہو کر جہنم سے آ پہنچا ہے۔''

''کیا امریکی سرکار نے اپنی اسپیس ٹیکنالوجی شیطان کو بھی بیچ دی ہے؟'' پاکستانی سفارت کار سے نہ رہا گیا۔

''میں تو رائے دوں گا کہ جسے بھی ہماری اسپیس ٹیکنالوجی حاصل کرنا ہے وہ شیطان سے غیر مشروط راہ و ربط پیدا کرے۔''

''نعوذ باللہ...'' عرب ری پبلک کے نمائندے نے بے اختیار بہ آواز بلند کہا، جسے سن کر مولو کو اچانک گھر لوٹنے کی خواہش ہونے لگی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چیئر یو، ایوری باڈی۔''

چند ہی قدم پر ہال کے بیرونی دروازے پر میزبان اور اس کی بیوی جانے والوں کو شب بخیر کہنے کے لیے کھڑے تھے۔

''میں تم سے بہت خفا ہوں مولو!'' پچھلے ماہ مولو نے اپنے'' آل ورلڈ'' میں پورے نصف صفحے پر ہوسٹس ڈالی کی تصویر شائع کی تھی جس باعث وہ اس پر خاص مہربان تھی اور

www.taemeernews.com

اس سے بڑی بے تکلفی سے پیش آنے لگی تھی۔

''ڈالی ڈیئر، کل تک بھی اسی طرح ناراض رہنا۔''

''کیوں؟''

''اس وقت میں نشے میں ہوں۔'' مولو نے اسے جواب دیا۔'' اس وقت کیسے بتا سکتا' ہوں کہ خفا ہو کر تم واقعی زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہو۔''

''ہاؤ نائی!''

''ٹا...ٹا!''

مولو آگے بڑھنے لگا تو اس کی چال ڈھال دیکھ کر ڈالی کا شوہر بولا۔'' ٹھہرو مولو، نشے میں ہو تو ایک ٹاٹ اور چڑھا جاؤ۔'' وہ شاید'' آل ورلڈ'' میں اپنے سن ڈاؤنر کے رائٹ اپ سے متعلق سوچ رہا تھا۔'' ہوش آجائے گا۔''

''ہوش آجائے گا مائی ڈیئر رولی، تو کون سا خدا نظر آنے لگے گا۔'' مولو آگے بڑھنے لگا تو رولی کے اشارے پر ایک اسٹیورڈ اس کے ساتھ ہولیا اور وہ گویا اسی کے پیروں پر چل کر اپنی کار کے پاس آ کھڑا ہوا۔

مولو کو گاڑی چلانے کا ہوش ہی کہاں تھا؟ یہی سمجھ لیں کہ اس کی گاڑی آپ ہی آپ چلتی جا رہی تھی۔ اس کی زندگی کی گاڑی بھی یوں ہی چلتی آئی، اسی لیے وہ سیالکوٹ کے چاؤناں محلے سے یہاں نیویارک آ پہنچا ورنہ اپنی مرضی سے اسے کہیں سے کہیں پہنچنا ہوتا تو محلّہ چاؤناں سے محلّہ دھارووال سے آگے قدم نہ رکھتا۔ دھارووال میں... کیا نام تھا اس کا...؟ جبیں رہا کرتی تھی۔ ستارہ جبیں مولو کی پہلی محبوبہ تھی اور وہ اسے ابھی تک اسی لیے نہیں بھول پایا تھا یا پھر شاید اس لیے کہ اسے اس کا نام بہت پسند تھا، یا شاید چہرہ، مولو کو اچانک ستارہ جبیں کا خیال آ گیا تھا اور وہ اس کا چہرہ آنکھوں میں لانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ایک اس چہرے کے سوا دنیا بھر کی عورتوں کے چہرے یکے بعد دیگرے اس کے سامنے آ رہے تھے... نہیں، وہ اس کی شکل بھولا تو نہیں تھا مگر... اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا... مگر پتہ نہیں اس کی کیا شکل تھی۔ بڑی بھلی شکل تھی، اتنی بھلی کہ اس نے جبیں کو بے جھجک بتا دیا تھا، تم میرا آدرش ہو، میرا سب کچھ... نہیں، جی ہی جی میں بتایا تھا۔ سچ مچ تو اس نے اپنی ستارہ جبیں

www.taemeernews.com

سے بات بھی نہ کی تھی۔ اسے تو شاید معلوم ہی نہ تھا کہ مولو اس سے محبت کرتا ہے۔ مولو نے اپنی محبت کو اپنی ذات کا ایک نہایت مقدس راز سمجھ کر سینے سے لگائے رکھا۔ مولو کھلکھلا کر ہنس پڑا... مقدس راز... عمر گنوا کر اس پر کھلا تو یہ تھا کہ محبت ایک پبلک افیئر ہے، جس سے بھی چاہو، محبت کرو، مگر اس کی اور اپنی سہولت کے مطابق کرو، اور چاہنے والے بہت زیادہ ہوں تو صبر سے کام لے کر اپنی باری پُر کرلو... اور کیا...؟ مولو پر جو ہنسی کا دورہ پڑا تو اس کی گاڑی ذرا غلط پہلو کی طرف کھنچ آئی اور مخالف سمت سے ایک برق رفتار کار کے ڈرائیور نے اپنے پھیپھڑوں سے آواز بلند کی... ''بلڈی فول!''

مگر مولو کو اپنی ترنگ میں جو خواہش اٹھی تو اس نے یہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔

آئی ایم اے بلڈی فول!

آئی ایم اے بلڈی فول!

وہ اپنے سامنے سڑک پر نگاہ جمائے نامعلوم کہاں پہنچا ہوا تھا اور اس کی گاڑی از خود اُڑی جا رہی تھی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ کر وہ گویا اسٹیئرنگ، تھرائل یا سوچ بورڈ کے مانند گاڑی کا ہی کوئی حصہ بن جاتا، گاڑی ہی بن جاتا اور اس پر بھی اپنے آپ کو سوچتے ہوئے پا کر اسے تعجب ہونے لگتا کہ گاڑیاں کیوں کر سوچ سکتی ہیں۔ چند ہی روز پہلے اس نے اپنے ''آل ورلڈ'' میں Human Automobiles کے ایک مڈل میں اپنے قارئین کو یہ واقعہ سنایا تھا: پرسوں میں اپنی کار میں ڈیوک آف ایڈنبرا کی آمد پر اس سے انٹرویو کرنے برٹش ایمبیسی جا رہا تھا۔ ایمبیسی سے تھوڑی ہی دور میری کار اچانک پنکچر ہوگئی۔ ڈیوک آف ایڈنبرا سے میری اپوائنٹ منٹ کا وقت گزرا جا رہا تھا اور مجھے گاڑی کا پہیہ تبدیل کرنے کے خیال سے الجھن ہو رہی تھی۔ پانچ سات منٹ گومگو میں ہی گزر گئے اور پھر مجھے ایک دم جیسے اپنی مشکل کا حل سوجھا... ارے...! دوسو گز کا فاصلہ ہی تو ہے۔ پیدل ہی کیوں نہ چلا جائے... ارے ہاں... اس انکشاف پر خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں بھول ہی گیا تھا میری ٹانگیں بھی ہیں... آئی ایم اے بلڈی فول!

مڈل یاد آنے پر مولو گویا اپنے سامنے ''آل ورلڈ'' کھولے ڈیوک آف ایڈنبرا سے اپنا انٹرویو پڑھنے لگا تھا۔

www.taemeernews.com

مجھے زرد رو پا کر ڈیوک آف ایڈنبرا کو شاید خیال گزرا کہ آل ورلڈ نے اپنے جونیئر اسٹاف میں سے کسی کو بھیج دیا ہے، پھر بھی اس نے... جیسا کہ اس کے تعلق سے مشہور ہے... خوشدلی سے کہا "ہیلو! کیا نام ہے تمھارا؟"

"یوئر رائل ہائی نیس۔" میں تو سوچ کر ہی آیا تھا کہ مجھے اسی طرح انٹرویو کو شروع کرنا ہے۔ "ایک زمانہ تھا کہ لوگ مجھے بھی ڈیوک آف ایڈنبرا کہا کرتے تھے۔"

"مائی!" مجھے معلوم تھا کہ ڈیوک آف ایڈنبرا کی مزاح کی رگ اگر پھڑک اٹھے تو وہ اپنی لاگت پر بھی بولنے سے نہیں چوکتا۔ "کیا تمھاری بیوی بھی کہیں کوئی ملکہ ہے؟"

"ہاں! یوئر رائل ہائی نیس۔ آپ کے یہاں تو گروسر کی بیٹی کو پرائم منسٹر کے آفس تک ہی روک دیا جاتا ہے مگر ہمارے یہاں ایسٹ افریقہ میں ہندوستانی گروسروں کی بیٹیاں ملکائیں قرار دی جاتی ہیں، اور ہم ہندوستانی درآمد شدہ بھوندو شوہر، آپ کے مانند ڈیوک۔"

ڈیوف آف ایڈنبرا کسی اسکول بوائے کی معصومیت سے ہنسنے لگا تھا۔ "تو آؤ، اپنی اس کامن پرابلم سے ہی انٹرویو کا آغاز کریں۔"

"یوئر رائل ہائی نیس، اگر اپنی بیوی کی بجائے آپ حکمراں ہوتے تو..."

میرا پورا جملہ ادا ہونے سے پہلے ہی ڈیوک نے جواب دیا۔ "تو میں اپنی ساری بیچارگی اور ڈیوک آف ایڈنبرا کا لقب فوری طور پر کوئین کو سونپ دیتا۔"

قہقہہ ہنستے ہوئے مولو کو محسوس ہوا کہ اس کی گاڑی کے پہیے سڑک کے ٹیڑھے میڑھے پتھروں پر اچھلنے لگے ہیں۔ وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر میں اپنی بیوی کے علاج میں اپنی دعائیں بھی شامل کر لیتا تو شاید... مگر وہ اپنے آپ کو بتانے لگا کہ کسی نے بھلا شیطان کو بھی دعائیں مانگتے دیکھا ہے۔ شیطان کی شہزادگی تو خدا کا مذاق اڑانے کے دم سے ہے۔ دعا کی صلاحیت کھو کر ہی وہ اتنے بڑے امریکی فورتھ اسٹیٹ کو اپنی ملکیت میں لا پایا ہے... مسٹر پریزیڈینٹ... اس نے ایک دفعہ اپنے ایک ایڈیٹوریل میں یو ایس اے کے صدر کو راست مخاطب کر کے متنبہ کیا تھا۔ یہ کیا تک ہوئی کہ جہاں تمھاری منطق جواب دے جاتی ہے وہاں تم کانگریس کو خدا کا واسطہ دینے لگتے ہو...؟ مولو اپنے واقف کاروں کو بتایا کرتا کہ مجھے جب بے منطق نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے تو خواہ مخواہ خدا کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے میں

www.taemeernews.com

خوب شراب چڑھا کر اپنی گاڑی میں بے تحاشہ جنگلوں کی طرف ہو لیتا ہوں اور وہاں کسی ٹری ٹاپ ہالی ڈے اِن کے محفوظ چبوتروں سے اس وقت تک چوپایوں کی زندگی کے فطری اسباب کا مطالعہ کرتا ہوں جب تک میری سمجھ میں پوری طرح نہ آجائے کہ سب سے بڑی نیکی کیوں کر وہ ایک ہے جو ہر ذی جان اپنے ساتھ برت پاتا ہے، اور نہ برت پائے تو کوئی اور اسی کی نیکی کو برت کر اسے ہڑپ کر جاتا ہے۔

''تم نیک انسان نہیں۔'' اس کی کینیا کی ہندوستانی بیوی اس سے لڑتے ہوئے، اکثر کہا کرتی۔ ''جب تم مجھے اپنی میں لیتے ہو تو میری کوکھ سکڑ کر بند ہو جاتی ہے اور میں تمھاری چوٹیں برداشت کیے جاتی ہوں اور بس...!''

سَن آ، اِے بچ!... مولو اپنی بیوی کو کوس رہا تھا کہ شاید اس کی گاڑی کے پہیوں تلے رات کا کوئی جانور آ گیا مگر نشے میں کسی کی چیخیں کہاں سنائی دیتی ہیں... ساری زندگی مجھ سے نفرت کرنے کے باوجود شکایت کرتی رہی کہ میں اس سے محبت نہیں کرتا۔

''تو کیا کرتا ہوں؟''

''دھندا...!''

مولو کی موجودہ سفید بیوی بھی اس سے یہی کہا کرتی... ڈارلنگ، جب تم میرے بدن پر اُچھل کود میں مصروف ہوتے ہو تو مجھے لگتا ہے تمھارے کسی بیوٹی فل لٹل ایڈینوریل سے لطف اندوز ہو رہی ہوں، اور بس...

سَن آ، اے بچ...! اس نے اپنی بیوی کو بھی گالی بکی... میری بے مہر مباشرت کے باعث میرے بچے میرے خون میں ہی بوڑھے ہو کر رہ گئے ہیں اور میں ان ہی کا بلغم تھوکتا رہتا ہوں... اس نے شکر ادا کیا کہ اس کی اولاد پیدا ہونے سے رہ گئی، ورنہ پیدا ہوتے ہی کھانس کھانس کر اس سے مخاطب ہو کر کہتی... ڈیڈ! فرماں بردار باپ اپنی اولاد کے احکام کو تولتے نہیں، انھیں بجالاتے ہیں۔ ہہ ہا ہہ...! مولو کی ہنسی رو کے نہ رُک رہی تھی، شاید وہ اپنے خون میں کھانستی اولاد کے کھوسٹ، رویوں پر ہنسے جا رہا تھا، یا شاید یو این او کے ڈپٹی سکریٹری کے سن ڈاؤنر میں اس بوڑھے ایشیائی پروفیسر رادھا سوامی پر، جس کی باتوں میں گھر کر تین چار حسیناؤں کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ فرار کی کیا صورت اختیار کریں۔

www.taemeernews.com

لڑکیوں کی بیچارگی کے منظر سے محظوظ ہو کر مولو بھی پروفیسر کے گھیرے میں جا داخل ہوا تھا۔

''بھوک خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے خوبصورت لڑکیو...!'' ایشیائی پروفیسر کی نظر امریکی لڑکیوں کو چاٹ چاٹ کر کھا رہی تھی۔ ''تمھارے امریکہ کا سب سے بڑا مسئلہ اس کا رجھاپن ہے۔ اسے بھوک ہی نہیں لگتی، مگر کوئی کھائے گا نہیں تو جیئے گا کیسے؟ لہٰذا امریکہ موت کے خوف سے بے بھوک کھاتا رہتا ہے۔''

''میں آپ کے کھانے کے لیے کچھ کرتی ہوں۔''

''نہیں۔'' پروفیسر نے بولنے والی لڑکی کے کندھے کو مضبوطی سے تھام لیا۔

''پہلے میں تمھیں ایک مہاراجہ کی کہانی سناتا ہوں۔ اس کہانی سے میری ساری بات واضح ہو جائے گی۔''

اسی دم بوڑھے پروفیسر کی نوجوان بیوی بھی اسے ڈھونڈتی ہوئی آ پہنچی اور اس کا آخری جملہ سن کر بولی۔ ''تم اپنا خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہی ہو لڑکیو۔ میرا شوہر اپنی بات کو کبھی واضح نہیں کر پائے گا۔ اسے سن کر مجھے تو وہ کچھ بھی غیر واضح معلوم ہونے لگتا ہے جو پہلے عین واضح تھا۔''

''کیا واضح تھا؟'' فلسفے کا پروفیسر اپنی بیوی سے پوچھنے لگا، جو ماحولیاتی آلودگی کے انسداد پر تحقیق کے کام پر مامور تھی... ''پولیوشن؟''

''ہائی مولو!'' مسز رادھا سوامی مولو کو بھی وہیں پا کر کھل اُٹھی۔ ''مائی ڈیئر ہز بینڈ کو سمجھاؤ مولو، کہ پولیوشن صرف دھوئیں اور گیس سے نہیں ہوتی، باتونی لوگوں کے شور سے بھی پولیوشن بڑھ رہی ہے۔''

''میں نے تو سنا ہے لاجی۔'' مولو نے مسز رادھا سوامی کو جواب دیا۔ ''کہ آدمی کے بُرے خیال بھی سانس کے راستے ماحول میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔''

لاجی نے اس کی طرف دیکھ کر کشن کی گوپی سی بنے اپنی ساؤتھ انڈین پتلی کمریا کو بل دیا، گویا یہ کہنے کے لیے۔ کچھ بُرا بھلا سوچو تو جانوں بھی مولو، نہیں تو کیا پتہ، کیا؟

''کیا یہ سچ ہے؟'' حسیناؤں میں سے ایک نے سوال کیا۔ ''کہ ہماری پولیوشن سے ہماری دنیا گرین ہاؤس میں منتقل ہوتی جا رہی ہے؟''

www.taemeernews.com

''ہاں!'' دوسری بولی۔ ''پولیوشن سے یہ جو آسمان میں گرین ہاؤس بن رہا ہے، کیا مجال اس کی دیواروں سے باہر کچھ جا پائے۔''

''گرین ہاؤس کی چھت موٹی ہوتی چلی گئی تو ہمارا گلوب جہنم بن جائے گا۔''

''مولو۔'' مانو اچانک یاد آنے پر مسز رادھا سوامی رُک نہ سکی۔ ''میں نے آج تمھارے ''آل ورلڈ'' میں پڑھا ہے کہ چاند کے پہلے ٹرپ کے لیے دھڑا دھڑ بکنگ جاری ہے؟''

مولو...! مولو...! مو...لو...! مولو کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی کہ اسے یک بیک چاند کی مانوس آواز سنائی دی جو آسمان سے اُتر کر اس کی متصل نشست کی کھڑکی پر آ بیٹھا تھا...چلو مولو، میں تمھیں لینے آیا ہوں...کہاں کیا؟...آؤ...مولو...!

مولو نے سوچ رکھا تھا کہ گھر پہنچنے سے پہلے وہ وہسکی نہیں پیے گا، مگر اپنی خواہش سے مغلوب ہو کر اس نے ڈرائیور کی سیٹ کے پہلو کے ایک تھیلے سے وہسکی کی بوتل نکالی اور ابھی اسے کھول کر منہ سے بھی نہ لگا پایا تھا کہ اس کی گاڑی سڑک کے کنارے اس موڑ پر مڑتی ہوئی نیچے وادی میں لڑھک گئی۔

مولو بچ گیا تھا۔

اسے اسپتال میں داخل ہوئے کوئی ہفتہ بھر ہو لیا تو ایک صبح ڈاکٹر نے اس کے زخموں کے معائنے کے بعد تشفی میں سر ہلایا اور اسے بتانے لگا۔ ''جب تم یہاں لایا گیا تھا مسٹر مولو، تو ہم دو ڈاکٹروں کی رائے میں تمھاری مکمل موت واقع ہو چکی تھی، مگر پھر کیا ہوا، کہ تم نے یک لخت آنکھیں کھول لیں۔''

''میں آنکھیں کیسے نہ کھولتا ڈاکٹر...؟'' مولو اسے بتانے لگا۔ ''میری روح واقعی اُڑان بھر چکی تھی، مگر کہاں جاتی؟ ذرا سی اوپر گئی تو گرین ہاؤس کی چھت کے نیچے ہی پھڑ پھڑا کر رہ گئی...اور نجات کی کوئی راہ نہ پا کر اپنا جہنم جینے کے لیے لوٹ آئی۔''

◆◆◆

www.taemeernews.com

ہیر رانجھا

''ہائے۔ے!''

''کیوں، کیا ہویا؟'' بوڑھے رانجھے نے کھانس کھانس کر گلے سے بلغم نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا اور ہیر کے جواب کا انتظار کیے بغیر اضافہ کیا'' کھ کھا۔کھ۔ ہم نے اپنی ساری زندگی اوٹ پٹانگ میں ہی نکال دی ہیرے۔کھ۔''

''ہاں، مگر ابھی نکلی کدھر ہے۔'' ہیر کی آواز اس کے جھریائے منہ سے پھڑ پھڑا کر برآمد ہوئی۔

''پر ہیرے، اب نکل ہی جائے تو ٹھیک ہے۔کھا کھا۔کھاؤں!...اُخ تھو!'' رانجھا گلے میں پھنسا ہوا بلغم نکل جانے پر خوش نظر آنے لگا۔''لوگوں نے ہمیں چنگی بھلی موت کے بعد بھی مرنے نہ دیا۔''

''ہاں ، رانجھے، لوگ تو لوگ ہی ہوتے ہیں، جینے دیتے ہیں، نہ مرنے۔ ہائے۔ے!''

''کیوں، کیا ہویا؟''

''اور کیا؟ وہی جوڑوں کی پرانی پیڑ۔''

''تو پھر روتی کیوں ہو؟ جوڑوں کی پیڑ ہی تو ہے۔اس کے گلے میں بلغم کا ایک اور گچھا کھسک آیا تھا۔'' کھ کھا۔کھاؤں...دوسرے سبھی لوگ تو ستر اسّی سال بھوگ کر مزے سے پار جا لگتے ہیں۔کھ!۔ایک ہم ہیں۔کھاؤں! کہ ٹھکانے لگنے میں ہی نہیں آرہے۔''

''سچی ابھی تک ہم زندہ ہیں رانجھے؟''

''عجیب عورت ہو۔زندہ ہیں مور کھے تو زندہ ہی تو ہیں۔''

www.taemeernews.com

''ہائے۔ ئے۔''

''تمھاری ہر دخت کی ہائے ہو سے میں تنگ آ گیا ہوں''۔

''تنگ آ گئے ہو تو میرا گلا کیوں نہیں گھونٹ دیتے؟''

''ارے بھئی، تمھیں جوڑوں کی پیڑ ہے اور مجھے پسلیوں کی۔ تمھاری طرح میں کوئی آسمان تو سر پر نہیں اٹھائے رکھتا۔''

''تمھیں کیا پتہ، جوڑوں کی پیڑ کتنی جان لیوا ہوتی ہے؟''

''پسلیوں کی پیڑ بھی جان لیوا ہوتی ہے، پر لابھ کیا؟ جانیں ہماری تو ویسی کی ویسی اٹکی ہوئی ہیں۔''

''ہاں، جان نکل جائے تو چین نہ آ جائے؟ لوگ ہمیں اب اپنی کتھا کہانیوں سے باہر کیوں نہیں دھکیل دیتے؟''

رانجھا اچانک بے اختیار ہنسنے لگا۔

''روتے روتے ایک دم ہنسنے لگتے ہو تو معلوم ہوتا ہے، تمھاری پسلیوں کی پیڑ بڑھ گئی ہے۔''

''ہہ ہہ ہا۔ ہہ!۔''

''دھیرے ہنسو، نہیں تو کوئی پسلی ٹوٹ جائے گا۔''

''ایک بات پوچھوں، ہیرے؟''

''دس پوچھو، پر ہنس ہنس کر مجھے ڈراؤ مت۔''

''ذرا سوچو، جوانی میں ہم کتنا جھوٹ بولا کرتے تھے۔''

''کیسا جھوٹ؟''

''جھوٹ کیسا ہوتا ہے؟۔ بس جھوٹ۔ بڑا میٹھا، پر جھوٹ ہی جھوٹ!''

''تو کیا ہوا؟ میٹھا تو تھا۔''

''جھوٹ بولنے کی مکھنی خواہش سے میرا منہ بھر جاتا تھا اور پھر تمھارا ہاتھ پکڑ کر، لہجے میں بھیس پیدا کر کے...''

''جوانی میں پتہ ہی نہیں چلتا، رانجھے، کہ ہم خوش ہیں یا ناخوش۔''

www.taemeernews.com

''نوکتی کیوں ہو؟۔ تمھارا ہاتھ پکڑ کر میں بول اٹھتا تھا، میں ہی تمھاری ہیر ہوں، ہیرے۔ بہ بہ ہا ہہ!۔ اور تم مجھے اسی بھرے بھرے لہجے میں جواب دیتی تھیں، اور میں تمھارا رانجھا، رانجھے۔ سر نہ پیر۔ آپ ہی ہیر اور آپ ہی رانجھا۔ ہہ ہا ہہ۔ بہ!۔ نری پری بکواس!۔''

''ہڑیا، بکواس کیوں کہتے ہو؟ روح کی دُکھن میں ہر کوئی اپنا آپ ہی لگتا ہے۔''

''بہ بہ ہا۔ کھ کھاؤں کھاؤں۔ کھ!''۔

''میں نہ کہتی تھی اتنا مت ہنسو؟''

''اخ تھو!۔'' بلغم تھوک کر رانجھے کو پھر قرار آ گیا۔

''ہائے۔ ہائے!''

''اب کیا ہوا؟''

''تمھیں کیا؟ کبھی اپنی پسلیوں کو بھولو تو میرے جوڑوں کی بھی سوچو۔''

''لڑتی کیوں ہو؟ صبر سے کام لو۔''

''صبر سے کیسے کام لوں؟''

''یہی تو تمھیں بتانے جا رہا تھا کہ...''

''میں سب جانتی ہوں تم کیا بتانے جا رہے تھے۔''

''کھ کھ۔ کھاؤ!۔'' رانجھے کے گلے میں بلغم کا ایک اور گچھا آن پھنسا تھا۔ ''درد تو تبھی جان پڑتا ہے جب اپنے ہی بدن میں دُکھن ہو۔''

''اتنے سیانے بنے پھرتے ہو رانجھے، کوئی اُپائے کیوں نہیں نکالتے، جس سے اب ہماری چھٹی ہو جائے۔''

''اس کا تو صرف ایک ہی اُپائے ہے۔''

''جلدی بتاؤ، کیا؟ جیسے بھی ہو اب اس مرمر کے جینے سے چھٹکارہ ہو۔ ہائے۔ ئے!''

''خدا کے لیے پہلے اپنی یہ ہائے ہائے بند کرو۔''

غصے میں رانجھے کو پھر کھانسی چھڑ گئی۔

www.taemeernews.com

''تم بھی خدا کے لیے پھر سے ہنسنا شروع نہ کر دینا، نہیں تو کھانسی تھمنے میں ناں آئے گی۔''

''کھ۔کھاؤں۔کھ!۔'' رانجھے کے گلے میں پھنسا ہوا بلغم کا گچھا یکبارگی اس کے منہ کے سامنے آ گرا، اور وہ چین سے مسکرانے لگا۔''ہاں، میں کیا کہنا چاہ رہا تھا۔''

''میں کیا جانوں؟''

''ہاں، یہ، کہ جینے سے چھٹکارہ پانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔''

ہیر خوشی سے اپنے جوڑوں کا درد بھی بھول گئی۔''بات کو ہمیشہ بے وجہ لمبا کیے جاتے ہو۔جھٹ سے بتاؤ، کیا؟''

''یہ، کہ کسی طرح اپنی کتھا سے باہر آ بسو، پھر دیکھو کیسے چنکیوں میں جان نکلتی ہے۔''

''تو پھر آؤ، اپنی کتھا سے باہر نکل آتے ہیں۔انتظار کاہے کا؟ آؤ!۔''

''مورکھ کی مورکھ ہو۔'' رانجھا اپنی بڑھیا کو جی بھر کے دیکھنے کے لیے ذرا رُک گیا۔

''امر کہانیوں کے جادوئی تانے بانے سے نکلنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔''

◆◆◆

www.taemeernews.com

کرن کرن

''ارے، جواب کیوں نہیں دیتے، چاند؟''

''بولو!''

''میری طرف ٹکر ٹکر کیا دیکھنے لگے ہو؟۔کرن اپنی بات کہنا بھول گئی تھی''۔

''تمھیں!''

''نہیں، تم مجھے وہ نہیں سمجھتے جو میں ہوں''۔اپنی ہی کوئی کلپنا سمجھتے ہو''۔

''میری کلپنا؟ کلپنا تو تمھاری بہن ہے''۔

''ہاں ہاں بابا، بہن ہے میری وہ کلپنا، لیکن میں تمھاری کہانی کی کلپنا کی بات کر رہی ہوں، جو تم سے جی بھر کے باتیں بھی کرنے نہیں دیتی''۔

''لو اب جی بھر کے باتیں کرو'' چاند نے کاغذ کے اوراق ایک طرف ڈال دیے، لیکن قلم اسی طرح اس کے ہاتھ میں تھا۔

جب سے چاند کی شادی ہوئی تھی، اسے کہانی پھیکی معلوم ہونے لگی تھی۔

''میں کئی بار سوچتی ہوں چاند! رائٹر انسان نہیں ہوتا۔بس رائٹر ہوتا ہے''۔

چاند نے محسوس کیا اس کی بیوی نے کہا ہے''بس جانور ہوتا ہے...جانور''۔

''ہاں اور کیا؟ تمھارے ساتھ کہیں جا رہی ہوتی ہوں تو یہی لگتا ہے، کسی بن مانس کے ساتھ چل رہی ہوں...دیکھو لوگو! میرا یہ کہانی کار، آدمی کے لباس میں بالکل آدمی معلوم ہوتا ہے، آدمیوں کی طرح باتیں بھی کر لیتا ہے، بلکہ آدمیوں سے بھی اچھی باتیں کرتا ہے...''

کرن سے اپنی قسمت جوڑ کر چاند کو معلوم ہوا کہ وہ بہت خوش قسمت ہے۔ جینے کی فطری خواہش کے مقابلے میں سب دوسری خواہشیں ادنیٰ ہیں۔جن کے جسم سالم ہوتے

www.taemeernews.com

ہیں وہ جی جی کر جیتے ہیں۔ اور جو اپاہج ہوتے ہیں وہ لکھ لکھ کر، یارو روکر!... بابا تمھاری کہانی پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں... یہ لو چار آنے!

چاند کے ساتھ یہ معجزہ ہوا کہ کرن سے شادی کر کے اس کے ٹوٹے پھوٹے ہاتھ پیر ازسرِ نو پنپنے لگے اور جینے کی خواہش اس کے وجود میں نئے خون کی طرح بھرنے لگی، اب وہ بہت کم لکھتا تھا۔ اور جب لکھتا تھا، موٹی موٹی باتیں لکھتا تھا اور موٹی باتیں لکھ لکھ کر اسے پہلی بار پتہ چلا تھا کہ موٹی باتیں کتنی گہری ہوتی ہیں۔

''کرن! میں تم سے محبت کرتا ہوں... اور پھر...'' میں تم سے محبت کرتا ہوں کرن!... اور پھر... بہت محبت کرتا ہوں کرن!''

جیسے محبت کی کوئی گنجلک تعریف کر کے وہ محبت کے معنیٰ میں خلل پیدا کر دے گا۔ محبت کا سارا معنیٰ اسی ایک لفظ محبت سے ہی تو ادا ہو جاتا ہے۔

چاند کو اپنی بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس کی پالتو بلی لیڈی کو دیکھ کر بھی اس کا جی چاہتا کہ اسے گلے لگا لے۔

''او لیڈی!... او مائی لیڈیز لیڈی!... مائی سویٹ...'' اور لیڈی بے حد محبوبانہ آواز میں جواب دیتی، میا...وں!...ں!

میاؤں!

ایک لیڈی سے ہی نہیں، چاند کو کرن کی بہن کلپنا سے بھی محبت تھی۔ کیوں کہ کرن کلپنا کو بے حد چاہتی تھی۔

''آج پھر میکے چلی گئیں کرن''۔ کرن کے ماں باپ اسی شہر میں چند گلیاں پرے رہتے تھے۔

''ہاں کیا کروں چاند؟ اپنے کلو کے بغیر اداس ہو جاتی ہوں''۔

''ہاں کرن، تمھاری بہن میں نہ جانے کیا جادو ہے۔ میں بھی اس سے ملتا ہوں تو...'' چاند نے سوچا کرن اور کلپنا، سندرتا اور سوچ یک قالب ہوتیں تو...تو...

''کلو ہماری بہت پیاری ہے چاند... ہے نا؟''

''ہاں، تمھاری اتنی پیاری بہن ہے تو میری بھی...'' مگر اسے کلپنا کو بہن کہنا اچھا نہ

www.taemeernews.com

معلوم ہو رہا تھا۔

''ہاں، ہاں کہو، کلپنا تمھاری کیا ہوتی ہے؟''

''جو تم ہو!'' وہ گھبرا سا گیا، میرا مطلب ہے، بلی یا بہن، یا جو کچھ بھی...''

کرن ہنسنے لگی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' کرشن کنہیا بھی تو...'' نہ جانے اپنے آپ کو کیا بتانے کے لیے اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''تم سب کچھ کر لیتے ہو میرے کرشن کنہیا، پر ایک مرلی بجانا نہیں جانتے''۔

''تم اور تمھاری بلی اور... تمھاری بہن میری مرلی سے رام ہو جائیں تو میں کرشن سے بھی اچھی مرلی بجالوں، لیکن سچ بتاؤ، تمھیں بلے کی خرخر زیادہ مدھر معلوم ہوتی ہے یا مرلی کی تان؟''

کرن اپنے کاکاج سے ذرا رسوئی میں چلی گئی تھی، پلٹ کر آئی تو چاند کو پھر اپنی کہانی پر جھکا پایا۔

سب کچھ تج کر تم اپنی جھوٹی سچی کہانیوں پر جھکے رہتے ہو۔ میں چاہتی ہوں، میں بھی کہانی بن جاؤں اور تمھارے قلم کی نوک سے حرف حرف بہتی رہوں''۔

''تو پھر کیا ہوگا؟''

''پھر تمھاری ہر کہانی سچی ہوگی۔ سچی کہانیوں کے ایک ایک لفظ میں لکھنے والے کا محبوب چھپا ہوتا ہے۔ اس کے قلم کی نوک جیسے کرن کے بدن سے چبھ چبھ کر گزر جاتی ہو''۔

''نا بابا، سچ بول کر میں تمھیں اذیت کیوں پہنچاؤں؟... اچھا، آج تم کلپنا کے گھر سے اتنی دیر سے کیوں لوٹی؟'' چاند سسرال کو کلپنا کا گھر ہی کہا کرتا تھا۔

''کیوں کہ کلپنا کے گھر والے کلپنا کو گھر سے اٹھانے کی سوچ رہے ہیں... ٹھہرو! میں چائے لے کے آتی ہوں، پھر باتیں کریں گے''۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

کرن کی پشت پر نظر جما کر چاند کو اپنی بیوی پر کلپنا کا دھوکہ ہونے لگتا ہے... دونوں بہنوں کی عقبی ساخت یکساں ہے! سفید گردن سے پھسل پھسل کر بالائی پشت اور کمر سے نیچے ہی نیچے جاتی ہوئی موٹی موٹی کالی چوٹی گھٹنوں پر پہنچ کر زمین پر گرنے سے بچنے کے

www.taemeernews.com

لیے پھر اوپر کو دوڑ آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے بدحواسی میں بندھی بندھی کھل رہی ہے۔

ایک بار چاند نے اپنی بیوی سے کہا تھا ''تم میری طرف پیٹھ موڑ لیتی ہو تو بالکل کلپنا ہی معلوم ہوتی ہو''۔

''تو میں تمھاری طرف منہ ہی کر کے آگے پیچھے چلا کروں گی''۔ اس کی بیوی نے ہنس کر جواب دیا تھا۔

''ہاں کرن، مجھے یقین ہے تم میری طرف سے کبھی منہ نہ موڑو گی''۔

چاند کرن کا منہ دیکھ کر، بے قابو ہو کر اسے گلے لگا لینا چاہتا، مگر وہ ذرا اپنی پیٹھ اسی طرف موڑ لیتی تو اس کے ذہن میں کلپنا آ سماتی۔

''اری...ی...کلو!...کلو!

''لو، میں چائے لے آئی''۔ کمرے میں داخل ہوتی ہوئی کرن کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ چاند بے قراری سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھ آیا۔

''باؤلے کیوں ہو رہے ہو چاند؟...ار...ر...! چائے کا ٹرے الٹ جائے گا۔ چلو بیٹھو''۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ کرن خالی پیالیوں کو گرم اور سرخ قہوے سے بھرنے لگی۔

''جانتے ہو؟ آج میں نے کلپنا سے پوچھا، بتاؤ کلو، تمھارے لیے کیسا پتی ڈھونڈیں؟'' چاند نے گرم گرم سرخی کی افراط سے سیاہ ہوتے ہوئے قہوے سے نظر ہٹا کر اپنی بیوی کی بات سننے کے لیے کان کھڑے کر لیے۔

''کلو نے جواب دیا، چاند جیجا جی جیسا!''

''مجھ جیسا؟'' وہ کرن کی پشت پر نظر باندھے ہوئے تھا۔ ''ہاں، ماں جی نے تین چار لڑکوں کی تصویریں دکھائیں مگر اسے کوئی پسند نہ آیا...اور جانتے ہو؟...میں کلو سے وعدہ کر آئی ہوں، اس کے لیے تم جیسا ور ڈھونڈ کر ہی دم لوں گی''۔

''مگر کرن...'' چاند رک گیا، پھر بھی اس کے منہ سے نکل ہی گیا۔ ''اپنے جیسا تو صرف میں ہی ہوں''۔

''اسی لیے تو میں نے بلا جھجک تم سے شادی کر لی''۔ اس نے چائے پینے کے لیے

www.taemeernews.com

چاند کا جھوٹا کپ اٹھالیا۔

''تمھارے سوا تم جیسا اور کون ہوسکتا ہے، ڈارلنگ؟''

چاند بھی کلپنا کے لیے کوئی مناسب لڑکا تلاش کرنے لگا۔'' چاند جیجا جی جیسا!''

''تو کیا کلپنا کے لیے میں اپنی ہی تلاش میں سرگرداں ہوں؟ وہ... بالائی پشت سے کلو کی، نہیں کرن... یا شاید کلو ہی کی چوٹی پھسل پھسل کر نیچے ہی نیچے چلی آرہی ہے۔ بدحواس ہوہو کے بندھی بندھی کھلی جارہی ہے۔

''میں نے کہا...کلو...!''

''ہاں؟''

''تم کرن؟ مجھے لگا، کلو ہے!''

''میں کلو ہی ہوں!''

''اوہ!...مجھے لگا کرن ہے!...اری مجھ میں کیا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے جو تمھیں میرے جیسا ہی پتی چاہیے، یا شاید تم میری بجائے میری جھوٹ موٹ کی کہانیوں پر ریجھ گئی ہو''۔

''جھوٹ موٹ کی کہانیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، چاند جیجا جی''۔

''یہ میری طرف پاگلوں کی طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو چاند؟...چا...ند...؟''

''ک...کون؟...کرن!...تمھیں دیکھتے ہوئے تمھارا چہرہ میری آنکھوں سے کیوں اوجھل ہوجاتا ہے؟''

''پگلا!...وہ دیکھو...وہ کون آرہی ہے؟...کلپنا...آؤ کلو!''

کرن اور کلپنا کی بے چین باہیں ایک دوسرے کو جکڑ لینے کے لیے ہوا میں کوند پڑیں...یہ کس کی پیٹھ ہے؟ کس کا چہرہ ہے؟

چاند ہر رات حسب معمول نکلتا رہا اور کرن کرن سینے سے لگائے اپنی خوابیدہ وارفتگی سے چمکاتا رہا۔ لیکن پچھلی اماوس کو، اس کالی کلوٹی رات کو وہ ساری کائنات سے لاپتہ تھا۔ شاید اپنی ذات کی تلاش میں کہیں بھٹک رہا تھا کہ صدی کلپنا کے لیے اپنے جیسا کوئی پتی ڈھونڈ نکالے۔

www.taemeernews.com

کرن کو اچانک شدید ہیضے نے آلیا تھا اور صرف کلپنا اس کی تیمارداری میں جاگ رہی تھی اور تارے گن رہی تھی۔ ان گنت، بے چین، چھوٹے چھوٹے، جن کی کرن اتنی مدھم اور شکستہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا اب گئی... اب گئی۔

''پانی...ی!'' کرن نے قے کرنے کے انداز میں بمشکل کہا۔

''یہ لو!'' کلپنا نے پانی کا بھرا ہوا گلاس کرن کے منہ سے لگا دیا... ''تھوڑا پیو، کرن''۔

غٹ...غٹ...غ...!

کرن پانی میں ڈوب ڈوب کر بھی خشک تھی ''اور...اور...!''

''ہاں!...تو!'' کلپنا کی ایک آنکھ میں گھٹا اتری ہوئی تھی اور ایک میں چاند نکلا ہوا تھا، وہ سوچ رہی تھی، میری بہن مرگئی تو کیا ہوگا...؟ اس نے ایک بار پھر کرن سے کہا۔

''تھوڑا پیو کرن۔ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر رکھا ہے''۔ لیکن کرن بے تابی کے عالم میں بڑے بڑے گھونٹ بھر رہی تھی اور گویا اپنے پیٹ میں ڈوبتے ہوئے بے بسی سے ہاتھ پیر مارے جا رہی تھی۔ اور کلپنا کی ایک آنکھ میں گھٹا اور کالی ہوتی گئی اور دوسری میں چاند اور چمکیلا۔ وہ اتنی غمگین تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چل پا رہا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔

چاند تارے ملتے ہی سب کچھ چھوڑ کر بھاگ آیا۔

''یہ کیسے ہوگیا؟ تم نے کرن کو کیوں مرنے دیا کلو؟''

''ہاں میں نے ہی اسے مرنے دیا۔ میں چاہتی تھی کہ... کہ...نہیں! میں یہ تو نہیں چاہتی تھی۔ کلپنا گم صم پڑی سوچتی رہی کہ وہ کیا چاہتی تھی۔

کرن کی موت کے تین چار ماہ بعد کلپنا کی ماں نے اس سے کہا۔ ''بیٹی! ہم تمھاری شادی چاند سے کرنا چاہتے ہیں''۔

''نہیں!...نہ...نہ ماں!'' کلپنا نے گھبرا کر جواب دیا۔ اس کی ماں اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ ''کیوں؟''

''بس کہہ جو دیا نہیں!''

(چاند جیجا جی جیسا)

www.taemeernews.com

''چاند میں کیا کمی ہے بیٹی کلو، تم ہاں کہہ دوگی تو ہمارا چاند اپنا بنا رہے گا''۔ ماں ٹوٹے ہوئے دھاگے کو ایک طرف پھینک کر دوسرے دھاگے کو سوئی میں ڈالنے لگی۔

''نہیں ماں مجھے ساری زندگی شادی نہیں کرنا ہے... میں... میں''

چاند بے کرن ہو جائے تو کلپنائیں کنواری رہ جاتی ہیں۔

جب چاند کو معلوم ہوا کہ کلپنا نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے اسے بہت غصہ آیا اور اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے من کے چور کو باہر دھکیل کر خوب پیٹے... چور... کمینے...! ڈھونگی...! اور اس کے من کا چور اس کا ارادہ بھانپ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

چاند کے سر میں کرن کا شہر چھوڑ دینے کی اتنی دُھن سما گئی کہ نوکری کے تبادلے کی کوشش میں اپنا غم بھی بھول سا گیا۔ آخر اس کے تبادلے کے آرڈر آ گئے۔ اسے دور دکن میں جانا تھا۔ نہ جانے وہ جگہ کیسی ہوگی، وہاں کیوں کر گزر ہوگی، کس سے واسطہ پڑے گا۔ لیکن جب آدمی مرنے پر تل ہی جائے تو اسے اسی خیال سے راحت ہوتی ہے کہ اس دنیا سے اُٹھ جاؤں گا۔

چاند کی گاڑی ریلوے اسٹیشن سے جانے والی تھی۔ سب لوگ اسے چھوڑنے آئے تھے۔ کرن اور کلپنا کے والدین بھی، لیکن کلپنا وہاں نہ تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ چاند ابھی مرا نہیں۔ سدا کے لیے تو مردوں کو چھوڑنے جاتے ہیں یا شاید اس لیے کہ اب چاند مر ہی چکا ہے۔ تو اس کا چاند سے کیا واسطہ؟

گاڑی نے وہسل دیا، چاند کے کانوں میں مرتے مرتے اپنے عزیزوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ گاڑی حرکت کرنے لگی۔ کاش ان رونے والوں میں کلپنا بھی ہوتی! مرنے والے کے دل میں آخری خواہش پیدا ہوئی۔ سفر شروع ہو گیا۔ ابھی ابھی وہ یہیں تھا، اب کہاں ہے؟ چلو جو مر گیا سو مر گیا۔ بھگوان اس کی آتما کو شانتی دے۔ مصیبت تو ان لوگوں کی ہوتی ہے جو پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مصیبت تو کلپنا کے لیے تھی، وہ اپنی کنواری رہنے کی قسم پر اڑی رہی۔ اس طرح کہ اس نے اپنے آپ کو بھی کبھی نہیں چھوا!

کلپنا نے ماہ و سال کے اتنے بڑے ڈھیرے کی ڈھیلی سے گٹھڑی کا بوجھ سر پر لا دلیا۔

www.taemeernews.com

ماہ و سال اس گٹھڑی سے گر گر کر اس کا بوجھ ہلکا کرتے رہے۔ لیکن اسے اپنے بوجھ کا احساس ویسے ہی رہا۔ کم نہ ہوا۔

یادیں... یادیں... ابھوت ہوں یا نہ ہوں، لیکن جس شخص کا آج اس کے بیتے دنوں سے آزاد ہو، وہ بھوت ہی ہوتا ہے۔ صاف نظر بھی آتا ہے اور غائب بھی ہوتا ہے۔ کلپنا کی طرف دیکھ کر بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ سامنے ہے یا اوجھل۔

اور پھر ایک دن ادھیڑ عمر آدمی وارد ہو گیا۔

گجر دم کلپنا نے دروازے پر... یا شاید دل پر... کھٹکا سا سنا۔ اٹھی جیسے کوئی نیند میں چلنے لگا ہو۔ اس نے برآمدے میں بتی جلائے بغیر دروازہ کھول دیا۔

''تم؟''

چاند گویا آج ہی صبح گھر گیا ہو۔ اور دن بھر کے کام دھندے کے بعد لوٹنے میں اسے اتنی دیر ہو گئی ہو۔ کرن سے گلے ملنے کے لئے وہ اس کی طرف بے اختیار بڑھتا چلا گیا اور جب وہ ملے تو کرن پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کی چھاتی پیٹنے لگی،

''اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟''

آنگن سے اپنے بوڑھے باپ کی ہلکی سی کھانسی کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں تیزی سے الگ ہو گئے۔

''بیٹی، کون آیا ہے؟''

کلپنا چاند کا سوٹ کیس پکڑ کر آنگن کے دروازے کی طرف ہولی ''وہ آ گئے ہیں بابا... آ گئے ہیں''

کلپنا کی پیٹھ پر نگاہ جما کر چاند نے لمبی سفید گردن سے پھسل کر کمر سے نیچے ہی نیچے جاتی ہوئی وہی کالی چوٹی دیکھی۔

پیٹھ کرن کی ہے... اور...

''آؤ نا'' کلپنا اس کی طرف مڑ کر مسکرانے لگی۔

اور چہرہ کلو کا۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

اٹھارہ ادھیائے

پہلا ادھیائے

پنڈت جی نے گیتا کا شلوک لہرا لہرا کر گاتے ہوئے پورا کیا اور پھر ذرا رُک کر اس کا ارتھ بیان کرنے کے لیے گائیکی سے گدیہ[1] کی طرف آ گئے:

''بھگوان کرشن نے ارجن کا دھیرج بندھاتے ہوئے کہا۔ اے ارجن، جب جب پاپ کا گھڑا بھر جاتا ہے، تب تب میں سنسار میں پرویش[2] کے لیے جنم لیتا ہوں''۔

''مگر پنڈت جی۔''

پنڈت جی کو بولتے ہوئے ٹک جانا کھلا، مگر یہ سوچ کر کہ پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں کوئی بات مشکل سے ہی آ پاتی ہے، وہ اپنا ویاکھیان[3] روک کر ٹوکنے والے کی اور دیکھنے لگے۔

''بولو بندھو!''

''میں پوچھنا چاہتا ہوں پنڈت جی، گھڑے میں کوئی جگہ بچی رہ گئی ہے جو کرشن بھگوان نے ابھی تک جنم نہیں لیا؟''

اسے کوئی سیدھا سا جواب دینے کی بجائے پنڈت جی سنسکرت کا ایک اور شلوک الاپنے لگے، جس پر پربھو پریمیوں کو سر دھنتے پا کر سوال کرنے والے نے بدک کر چپ سادھ لی اور پنڈت جی اپنی کتھا آگے بڑھانے کے لیے پستک کے اگلے پنّے پر آنکھیں دوڑانے لگے۔

---

(۱) نثر (۲) داخلہ (۳) تقریر

www.taemeernews.com

دوسرا ادھیائے

کرشن بھگوان بے چارہ کیا کرتا؟ وہ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے ایک نیک جنمی کی کوکھ میں آلگا تھا، مگر اسی دوران جنمی کے پتی نے فیصلہ کرلیا کہ جب تک سروس میں اس کی ترقی کا طے نہیں ہو جاتا، وہ اپنے بچے کی پرورش نہیں کر سکے گا، اس لیے اس نے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کرشن کنہیا کو اپنی پتنی کی کوکھ میں ہی ضائع کروادیا۔

مگر بھگوان کو تو پیدا ہونا ہی تھا۔ اس نے اسی گھر میں اس کی کنواری بہن کی کوکھ میں جا پناہ لی، جو اپنے دفتر کے ایک بابو کے پریم جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ بابو کو جب پتہ چلا کہ اس کی پریمیکا پیٹ سے ہوگئی ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

''اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟'' پریمیکا کہنے لگی۔ ''آؤ، جھٹ پٹ بیاہ کر لیتے ہیں''۔

''مگر میں تو اپنے چچیرے بھائی کے پاس رہتا ہوں''۔ اس نے ہتھیلیاں ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''بیاہ کر کے رہیں گے کہاں؟''

''ساری دنیا جو ہے''۔

''مگر''۔ مگر اچانک اپنی سوچ پر وہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ ''آج ہی کوئی گولی وولی کھالو۔ جھنجھٹ ختم!''

ادھر کرشن بھگوان نے بھی پکا ارادہ کر رکھا تھا کہ جیسے بھی ہو، پیدا تو اسے ہونا ہی ہے۔ اب کے اس نے دیش کے ایک ادھیڑ عمر راجیہ منتری کا گھر ڈھونڈ نکالا۔ منتری کے کوئی اولاد نہ تھی اور ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل بھی نہ رہا تھا، مگر منتری کی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو، منترانی کی کوکھ بھر جائے، سو جب بھی وہ اپنے نئے پرائیویٹ سکریٹری کو منترانی کے بیڈروم سے دبے پاؤں نکلتے دیکھ لیتا، منہ دوسری طرف پھیر لیتا۔ قصہ مختصر آخر منترانی کے حمل ٹھہر گیا اور اس طرح وقت آنے پر جنم اشٹمی کے شُبھ موقع پر کرشن بھگوان نے سنسار میں پرویش کیا۔

تیسرا ادھیائے

گھٹنا بالکل ویسے ہی گھٹی، جیسے دواپر یُگ میں پہلی بار۔ بھگوان نے ایک بار اپنے

www.taemeernews.com

بالک روپ میں یہ دکھانے کے لیے اپنی منترانی میا کے سامنے منہ کھولا کہ وہ مٹی نہیں کھا رہا ہے۔ منترانی میا کو بالک کے منہ میں ساری سرشٹی[1] دکھ آئی اور اسے پورا وشواس ہو گیا کہ اس کا سپتر بھگوان کا اوتار ہے۔ میا نے ممتا سے بے کل ہو کر اپنے کرشن گوپال کو بانہوں میں سمیٹ لینا چاہا مگر بھگوان ایک اس کی بانہوں میں سمٹ آتا تو سرشٹی کا اُپکار[2] کیسے ہو پاتا؟ وہ دیکھتی رہ گئی اور ننھا منا کرشن گوپال اس کی بانہوں سے پھسل کر اپنی مدھر ہنسی کی گھنٹیاں بجاتے ہوئے یہ جا وہ جا!

کرشن گوپال پیدا ہوا تو ہو لیا، پرنتو جب تک ننھا منا بالک بڑا نہ ہو جاتا، وہ پرتھوی[3] کا اُدھار کیسے کر پاتا؟ بھگوان کو بھی اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے بنائے ہوئے نیم کے انوسار ماس ماس اور ورش ورش بڑا ہو۔ پاپ کا گھڑا؟ بھگوان بڑا ہوتا رہا اور پاپ مایا روپی جادوئی گھڑے سے چھلک چھلک کر بستیوں میں چاروں اور ندیوں نالوں کی طرح بہہ نکلا۔ لوگ...، لوگ باگ کیا کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ میلی ندیوں میں ہی نہا نہا کر اپنے اپنے اجلے پن کا بھرم بنائے رکھیں۔ دور کیوں جائیں، کرشن گوپال کے پتا مہودیہ منتری، شری بھاگیہ وان جی کا دیش بھر میں بڑا نام تھا۔ لوگ ان کی نیک نامی کی قسمیں کھایا کرتے تھے اور وہ اپنے آپ کو سہج بدھی کی آڑ میں سمجھایا کرتے تھے، بھاگیہ وان، ساری نیک نامی کس سے ہے؟ نام ہی سے نا؟ اس لیے بھاگیہ وان، نیک بنو یا نہ بنو، نام بنائے رکھو، اور نام بنائے رکھنے کے لیے کیا چاہیے؟ پیسہ! نہیں، بھاگیہ وان، پیسے کے بغیر تم بھی کس کام کے؟ پیسہ ہوگا تو غریب جنتا کی مدد بھی کر پاؤ گے؟ نہیں، بھاگیہ وان جنتا کو کھا کھا کے رجھتے رہو اور رجھ رجھ کے جنتا کی بھوک مٹانے کا اُپائے کرو۔ اور... اور یہ بھی تو ہے کچھ کرو گے نہیں تو تمھارے اکلوتے کرشن گوپال کا کیا بنے گا؟ زمانہ اتنا برا ہے۔ اپنے کرشن گوپال کو کیا بھوکوں مارو گے؟

سو بھگوان کرشن کی پال پوس، سِکشا[4] اور سُرکشت[5] جیون کے لیے منتری مہودیہ نے اپنے بیٹے کے نام دنیا بھر کے بنکوں میں اتنی راشی جمع کر لی کہ بھگوان بار بار جنم لے کر بھی اسے کھاتا اڑاتا رہتا تو راشی ختم نہ ہوتی۔

---

(۱) کائنات (۲) بھلا (۳) زمین (۴) تعلیم (۵) محفوظ

www.taemeernews.com

چوتھا ادھیائے

منتری مہودیہ شری بھاگیہ دان نے کرشن گوپال کو پرائمری اسکول تک تو اپنے ساتھ ہی رکھا اور آگے کی تعلیم کے لیے اسے امریکہ بھیج دیا۔ ان دنوں منتری مہودیہ خود آپ ایجوکیشن کا پورٹ فولیو سنبھالے ہوئے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ ہماری سکشا یوجناؤں کو منترالیہ سے باہر پاٹھ شالاؤں کے راستے تجھائی دینے میں نہیں آرہے۔ دوسرے، ان کا وِچار تھا کہ اپنی شدھ بھاشا کس کام کی، نہرو اور جناح جیسے مہاپرشوں کے سامنے اسی لیے تو کوئی دم نہیں مار سکتا تھا کہ وہ انگریزوں سے بھی کڑک انگریزی بول لیتے تھے۔ ہمارا کرشن گوپال بھی اگر بالک اوَستھا میں وہاں جا پہنچا تو واپسی پر اچھے اچھوں کو لوہے کے چنے چبوائے گا۔ منتری مہودیہ سوچنے لگے کہ اس محاورے کو انگریزی میں کیسے کہا جا سکتا ہے، اور کچھ سمجھ نہ آنے پر وہ مایوسی سے سر ہلا ہلا کر خوش ہونے لگے کہ میرے کرشن گوپال کو کم سے کم اس کٹھنائی کا سامنا تو نہ ہوگا۔

کرشن گوپال اپنی اس بالی عمر میں ودیش پہنچ کر شروع شروع میں تو بہت رویا دھویا۔ امریکیوں کو کیا پتہ، کہ بالک روپی بھگوان اپنی لیلا رچائے ہوئے ہے۔ وہ اسے سدھارن بالک سمجھ کر اس کا دل لگانے کا پورا پربندھ کرتے رہے اور ہوتے ہوتے کرشن گوپال کا دل وہاں اتنا لگ گیا کہ معلوم ہوتا تھا، پیدا ہی وہیں کہیں ہوا ہے۔ کہاں؟ کیا پتہ، کہاں؟... اس کے ماں باپ کون تھے؟... کیا پتہ، کون؟... امریکیوں میں ہیومن رائٹس کی جو لہر اٹھی ہوئی ہے، اس کے مطابق ماں باپ اپنی جگہ اور ان کی نابالغ سنتان اپنی جگہ۔ سنتان کا یہ ادھیکار بنا رہنا چاہیے کہ انھیں صرف انہی کے ناموں سے جانا جائے۔ ان کی اپنی پہچان سے ان کے ماتا پتا کا کیا سمبندھ۔

کرشن گوپال بھی جب وہاں کئی برس کے نواس کے بعد اپنی قانون کی ڈگری حاصل کرنے میں سپھل ہو گیا تو ماتا اور پتا اس کے لیے بس دو شبد تھے، جنھیں وہ پستکوں یا اپنے ماں باپ کے خطوں میں پڑھ لیتا تھا۔ ان شبدوں سے اس کے دل میں کوئی چتر نہ کھنچ پاتا تھا۔

نہیں، ان سارے سالوں میں امریکہ میں منش کی کایا میں اونچا ہو کر کرشن گوپال

www.taemeernews.com

کے دل و دماغ سے اڑ ہی چکا تھا کہ وہ ساکشات کرشن بھگوان ہے، یا پھر دوسرے امریکیوں کی طرح اسے بھی لگتا ہوگا کہ وہ کسی بھگوان سے کیا کم ہے۔ شروع میں؟ شروع شروع میں تو اسے سب کچھ یاد ہوگا، مگر انہی دنوں اس کے امریکی ٹیچر کو جب کھٹکا سا ہوا کہ سانپ سپیروں کے دیش کا یہ لڑکا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے تو پہلے تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا مگر پھر سنجیدہ ہو کر کئی مہینے اس کے چت میں ڈیوائن رائٹس کے ناش کے آپریشن میں جٹا رہا۔

کرشن گوپال نے اپنے ہائی اسکول کے آخری دنوں میں ایک زوردار عشق کیا اور اس میں ناکام ہو کر جب خودکشی پر اتر آیا تو یہاں بھی اس کے ٹیچر نے بڑی مشکل سے اسے پھر سے اپنے پیروں پر کھڑا کیا۔ اس کے بعد کالج کے دنوں میں کرشن گوپال نے ایک امریکی لڑکی سے عشق کر کے خود آپ ہی اسے چھوڑ دیا اور چوں کہ اس بے چاری کو خودکشی سے بچانے والا کوئی نہ تھا اس لیے اس نے نراش ہو کر جان دے دی۔ اپنا آخری عشق کرشن گوپال نے لاء کی ڈگری لینے کے بعد کیا اور اپنی ہندوستان کو واپسی اس وقت تک روکے رکھی جب تک کیتھی سے باقاعدہ شادی نہ کر لی۔

کیتھی بڑی بے دھڑک طبیعت کی مالک تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو بتایا، تم کیا اور کوئی اور کیا، میں نے تم سے صرف اس لیے شادی کی ہے کہ کسی طرح ہندوستان دیکھ لوں۔

''کیوں، ہندوستان میں ایسا کیا ہے؟''

''میرا دادا وہاں برٹش آرمی میں کرنل تھا اور بچپن میں اتنی کہانیاں سنایا کرتا تھا کہ میرے کانوں میں ابھی تک ہندوستانی سپیروں کی بین بجتی رہتی ہے''۔

کرشن گوپال نے بھی کیتھی سے صرف کیتھی کے لیے شادی نہ کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ سارے امریکہ کو ہندوستان اٹھا لے جائے، کیتھی کے ساتھ اسے وہاں بھی لگے گا کہ وہ امریکہ میں ہی رہے جا رہا ہے۔

پانچواں ادھیائے

اندرا گاندھی ایئرپورٹ پر اپنے جہاز سے نکلتے ہوئے کرشن گوپال کے چنتن میں اپنے ماں باپ کا کوئی حلیہ نہیں ٹھہر پا رہا تھا۔

''او۔ ڈیم!'' کیتھی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے سوچا کہ اس کے والدین کا

www.taemeernews.com

فوٹو تو سوٹ کیس میں بند ہے۔

ریسپشن میں جب اس کے باپ کا وہی پرانا پرسنل سکریٹری... اس کا باپ بے اختیار اس کی طرف بڑھ آیا تو کرشن گوپال نے اپنے لہجے میں نمائشی سا تپاک پیدا کر کے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''ہاؤ ڈو یو ڈو، ڈیڈ؟''

منتری مہودیہ نے آگے آ کر اس کے باپ کو پرے دھکیل دیا اور اسے بتانے لگے۔

''تمھارا ڈیڈ میں ہوں بیٹے''۔

اس نے اپنا ہاتھ فوراً اس کی طرف بڑھا دیا۔ آئی ایم ساری ڈیڈ''

گھر پہنچنے پر تھوڑی دیر میں ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا وزیر باپ کروڑوں کے گھوٹالے کے الزام میں ایک عدالتی مقدمے میں پھنسا ہوا ہے اور اگر اسے پیشگی ضمانت نہ مل چکی ہوتی تو اب تک وہ حوالات میں بند ہوتا، اور کہ اس کی ماں ہائی بلڈ پریشر سے کسی اسپتال کے شدید احتیاط کے گوشے میں بے ہوش پڑی ہے۔

''آئی ایم ساری ڈیڈ''

''نہیں، بیٹے، کشٹ کی کوئی بات نہیں۔'' باپ بیٹے کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ ''تم آ گئے ہو تو مجھے کیا فکر؟ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا''۔

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کے آنے پر سب کچھ کیوں کر ٹھیک ہو جائے گا، مگر اسی دوران کیتھی سے آنکھیں چار ہونے پر وہ سب کچھ بھول کر مسکرانے لگا۔

چھٹا ادھیائے

یشودھامیا دوسرے ہی روز اسپتال سے گھر لوٹ آئی اور اپنے بیٹے کرشن گوپال سے گلے ملتے ہوئے اتنے زور سے بھینچا کہ کرشن گوپال کو اچنبھا ہونے لگا، بیمار بڑھیا میں اتنی شکتی کہاں سے آ گئی ہے۔ اس کا بلڈ پریشر کہیں پھر سے تو ایک دم اونچا نہیں چلا گیا۔

''آہستہ، مام!''

''آہستہ کیوں، گوپالا؟ مورے گھر تو بھگوان بھی لوٹ آیا اور بیٹا بھی''۔

''میں تو لوٹ آیا ہوں، مام'' وہ اپنی ماں سے پوچھنے لگا ''مگر تمھارا بھگوان کہاں

www.taemeernews.com

ہے؟''

مگر اس سے پہلے کہ میا اسے کوئی جواب دے پاتی، خوشی سے ہانپ ہانپ کر اس کا بلڈ پریشر پھر اتنا اونچا ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گئی اور اسے پھر ان ٹینسو کیئر یونٹ میں بھیج دیا گیا۔

ساتویں ادھیائے سے سولھواں ادھیائے

وغیرہ وغیرہ۔

سترھواں ادھیائے

حالاں کہ ڈاکٹروں نے یشودھا کو دوسری بار اس تنبیہ کے ساتھ اسپتال سے ڈسچارج کیا تھا کہ وہ اپنی بھاونا ؤں کو قابو میں رکھے گی مگر اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی وہ لبالب بھرے گلاس کی طرح چھلک چھلک جاتی۔

''ذرا میرے پاس آؤ، گوپالا''۔

اور گوپالا اس کے قریب جاتا تو میا باؤلی ہو کر اسے اپنے بازوؤں سے سینے پر باندھ لیتی۔

''اتنے سال میری نظروں سے اوجھل رہے ہو گوپالا۔ میری موت سے پہلے کم سے کم اتنے گھنٹے تو میرے ساتھ بتاؤ نا''۔

چند روز تو میا کی بہو کیتھی اپنے پتی سے ہلکی پھلکی شکایت میں بات ٹالتی رہی، مگر پھر اسے محسوس ہونے لگا کہ پانی سر سے اوپر اٹھ آیا ہے اور وہ اپنے پتی کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''تمھاری ماں تمھاری بیوی ہے گوپالا، یا تمھاری بیوی؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، ہنی؟''

''پوچھنے کی ہی بات ہے ڈارلنگ'' کیتھی کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ ''اسی لیے پوچھ رہی ہوں''۔

''کیا پوچھ رہی ہو؟... کہ پاگل اولڈ وومن مجھ پر قبضہ کیوں جمائے بیٹھی ہے؟''

کرشن گوپال اپنی بیوی کو آرام سے سمجھانا چاہتا تھا۔ ''مجھے خود اس کا پاگل پن ایک

www.taemeernews.com

آنکھ نہیں بھاتا''۔

''تو پھر دوسری آنکھ سے بھاتا ہوگا گوپالا''۔ کیتھی کے سر پر مایا بھوت کی طرح چڑھ آئی تھی۔

''شیل آئی اسپیک داٹروتھ؟ تمھاری ماں اصل میں سیکسچوئیل پرورٹ ہے اور تمھیں اپنے ہزبینڈ کی طرح برتنا چاہتی ہے''۔

''نان سنس!''

''تم کچھ بھی کہو، مگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو صرف میرے ساتھ رہو''۔

''ٹھیک ہے ہنی۔ یہ بات ہے تو چند دن ہم یہاں گھوم پھر لیتے ہیں، اس کے بعد واپس اسٹیٹس چلے جائیں گے''۔

''ہاں، ان سارے دنوں ہم آگرہ، اجنٹا کیوز اور موہن جوداڑو دیکھیں گے۔ اور کیا نام ہے اس شہر کا، ہاں، میرے دادا کا میرٹھ بھی دیکھنے جائیں گے...''

''شوَر، ہنی!''

''میرٹھ میں صرف فوج، سانپ اور سپیرے ہی رہتے ہیں؟''

''ایسا کیسے، ہنی؟''

''مگر میرا دادا تو بتایا کرتا تھا کہ...''

اسی اثنا میں کیتھی کو یشودھامایا دور سے اپنے گوپالا کی طرف بازو پھیلائے لپک کر آتی دکھائی دی۔ ''چلو گوپالا، اٹھو، یہاں سے نکل جائیں۔ وہ آرہی ہے''۔ وہ اسے باہر لے جانے کے لیے اپنی آگے دھکیلنے لگی۔ ''جیسے تمھیں دبوچ کر اپنی کوکھ میں ٹھونس لینا چاہتی ہو''۔

اٹھارواں ادھیائے

یشودھامایا کی آنکھوں میں آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے اور منتری مہودیہ بھاگیہ وان اتنے گمبھیر اس وقت بھی نہ دِکھے تھے جب عدالت نے انھیں کروڑوں کے گھوٹالے کا ملزم ٹھہرایا تھا۔

کل کرشن گوپال اور کیتھی واپس اسٹیٹس جارہے تھے اور آج شام کو منتری مہودیہ نے

www.taemeernews.com

اپنے یہاں گیتا کا پاٹھ استھاپن کر رکھا تھا اور وشیش (خاص) جتن کر کے ایک ایسا پنڈت ڈھونڈ نکالا تھا جو اس کے بیٹے اور بہو کے گیان دھیان کے لیے گیتا کے شلوکوں کا شدھ انگریزی میں انوواد (ترجمہ) کر سکے۔ اس شبھ موقع پر اس نے اپنے بیسیوں متروں کو کنبے سمیت بلا رکھا تھا۔

ہے ارجن! وَین اَیور داپاٹ برمز وِدھ سن، آئی میک مائی اپرنس اِن داورلڈ...

پنڈت کو بڑے دھیان سے سنتے ہوئے بھی گوپال کرشن کو یاد نہ آیا کہ خود اسی نے تو کروکشیتر کے میدان میں ارجن کو مخاطب کیا تھا۔ اس نے چائے کی پیالی سے منہ ہٹا کر اپنی بیوی سے کہا ''اِنٹرسٹنگ، ہنی، اینٹ اِٹ؟'' پھر وہ اچانک اپنی سوچ پر ہنس پڑا ''یو نو، واٹ؟... ان لوگوں میں سے ہر کوئی جنم سے پہلے خود آپ ہی کرشن بھگوان تھا اور جنم لے کر بھول گیا، وہ کیا تھا اور کیوں پیدا ہوا...''

◆◆◆

www.taemeernews.com

پناہ گاہ

سب چلے گئے تو فتو اور ویرو بھی میلے جانے والے راستے پر دکھائی دیے، وہ دونوں اچھل اچھل کر اتنی تیزی سے چل رہے تھے جیسے راستے سے بھی پہلے میلے کے میدان میں جا پہنچنا چاہتے ہوں۔

مرزا انھیں حکیم سلطان شاہ کے چبوترے سے دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگا اور چہرے کی دونوں طرف داڑھی پر انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے گویا ہوا ''چلنا تو صرف جوانی کا ہی ہوتا ہے''۔

''وہ تو ہے مرزے۔ حکیم نے اپنے حقے پر چلم سیدھی کرتے ہوئے اپنے دوست کو جواب دیا، مگر جوانی کہیں ٹکتی بھی تو نہیں''۔

''یہی تو مصیبت ہے میرے یار، بوڑھے راستے اپنی دھول پھانکنے کے لیے وہیں کے وہیں پڑے رہتے ہیں اور جوان لوگ تیز تیز گزر کر نامعلوم کہاں گم ہو جاتے ہیں''۔

حکیم سلطان شاہ نے حقے کی نَے کو منہ سے پرے ہٹا دیا ''جوانی کے میلے تو چار ہی دن کے ہوتے ہیں، بوڑھے راستے وہیں کے وہیں نہ ٹھہرے رہیں تو جوانوں کا گھر لوٹنا کیسے ہو؟''

''واہ! کیا پتے کی بات کہی ہے'' مرزا نے خوش ہو کر حقے کی نَے اپنی طرف کھینچ لی۔

''بخار کی پڑیوں کے ساتھ ساتھ ان باتوں کی پڑیاں بھی بنا بنا کر بیچا کرو۔ ہم زمیندار تو زمین کو پولا کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں''۔

''اب پولا کرنے کے قابل بھی کہاں رہ گئے ہو مرزے؟''

مرزا نے پھر اپنی نظر اٹھا کر فتو اور ویرو پر جمائی ''جی چاہتا ہے آنکھوں میں بھر کر ان

www.taemeernews.com

کی شبیہیں سدا کے لیے سنبھال لوں''۔

حکیم نے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے منہ کھولا تو مرزا کو اس کی آواز پر حقہ گڑگڑانے کا سا گمان ہوا۔ ''اپنی شادی سے پہلے جب وہ چوری چوری ملا کرتے تھے تو انھیں کہیں بھی اتنا گھنا اور اونچا گنے کا کھیت نہ ملتا تھا جو ان کے پیار کو اوٹ میں لے لیتا''۔

''ہاں، شاہ'' مرزا کو شاید حقے کے کش سے نشہ آ گیا تھا یا فتو اور ویرو کے پیار کے تصور سے'' پیار کرنے والوں کا قد اتنا اونچا ہو تو گنے میٹھے ہو ہو کر ان کے سروں کے نیچے ننھوں تک آ جاتے تھے''۔

اب حکیم کی باری تھی کہ حقے کے کش کا مزہ لے'' واہ، میرے یار! واقعی زمین کو بڑا پولا کر کے بیج ڈالتے ہو۔ تمھارے بول سن کر زندگی بھر چوسے ہوئے گنوں کا مزہ منہ میں بھر آیا'' حقے کا کش لے کر وہ دھوئیں کا ایک گھونٹ گلے سے کلیجے میں اتار رہا تھا'' اپنا دوسرا نکاح تو میں نے صرف امت کی پرورش کے لیے پڑھوایا تھا۔ میری ہڈیوں میں ابھی تک میری پہلی مرحوم بیوی ہی کھنکتی رہتی ہے۔ اسے میں سینکڑوں بھالوں کے عین درمیان سے نکال لایا تھا— نہیں ٹھہرو، ابھی ایک کش اور لوں گا''۔

مرزا نے پھر اس کچے راستے کی طرف نگاہ اٹھائی جو ڈیڑھ دو کوس پر میلے کے میدان میں جا کھلتا تھا۔ ''اتنے میں ہی شاید وہ میلے کے آس پاس جا پہنچے ہوں گے''۔

''جوانی آپ ہی میلہ ہوتی ہے مرزے، تمھاری دھندلائی آنکھوں میں کیسے تھمے؟ یہ لو حلق کو گیلا کر لو''۔ اس نے حقہ اس کی طرف بڑھا دیا'' اور اللہ اللہ کرو''۔

''میری ساری زمینداری لے لو سلطان شاہ، پر ایک ایسا کشتہ تیار کر دو کہ سال چھ ماہ کے لیے بدن میں پھر سے جان پڑ جائے''۔

''میں نے کہا ہے نا، اب اللہ اللہ کرو۔ اس عمر میں جان پڑ گئی تو بدن اور ٹوٹے گا''۔

اسی اثنا میں کلو میراثی کراہتے ہوئے حکیم کے چبوترے پر چڑھ آیا'' داڑھ میں بہت درد ہو رہا ہے حکیم جی''۔

''اور اپنی میراثن کا گڑ کھایا کرو''۔

''سلطان بھی آپ ہو حکیم جی اور شاہ بھی، آپ ہی نے تو اس بھلی لوک کو بولیا تھا اپنے

www.taemeernews.com

میراثی کو باداموں والا گڑ کھلایا کرو''۔

ارے مورکھ، میں نے یہ کب کہا تھا کہ گڑ کھا کھا کر منہ میں کھوڑیں بنالو— یہ لو دوائی دانتوں پر مل کر سو جانا''۔

''اب اور مجھے کرنا ہی کیا ہے حکیم جی، میراثن تو میلے پر گئی ہوئی ہے''۔

میراثی ان دونوں نے سلاماں لیکم کہہ کر چبوترے سے نیچے اترا تو مرزا اپنے دوست سے پوچھنے لگا۔

''کیا یہ سچ ہے سلطان شاہ کہ جب فتو اور ویرو پہاڑی کے پار نکل جاتے تھے تو میراثن اس پار پہرہ دیا کرتی تھی؟''

حکیم سلطان شاہ کو حقے کی آواز سے محسوس ہوا کہ آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ اس نے مرزا کو کوئی جواب دینے کی بجائے وہ لوہے کا ایک تار لے کر چلم کے کوئلوں کو اوپر نیچے کرنے لگا۔ ''چلم میں دم دینے کا تو تم میں دم نہیں، پھر مرزائن بے چاری کیوں نہ بجھتی جائے''۔

''اچھا کیا، مجھے یاد دلا دیا۔ میرے جانے سے پہلے مرزائن کے لیے پڑیاں باندھ دینا''۔

''ہاں، ہاں، لے جانا''۔

حکیم گتے کا ایک ٹکڑا لے کر بجھتی ہوئی آگ پر پنکھا کرنے لگا جس سے کوئلے سلگ سلگ کر گویا اس کی آنکھوں میں چنگارنے لگے ''اب دم میں دم آیا ہے''۔

''کیا یہ سچ ہے—''

حکیم نے مرزا کی بات کو پھر نظر انداز کر دیا اور منہ سے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

''تمباکو جب پانی سے نتھر کر منہ میں آتی ہے تو تمھیں کیا لگتا ہے؟''

''مجھے لگتا ہے کہ گاڑی کی طرح چھک چھک چلنے لگا ہوں''۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔ دراصل قوت کا شائستہ استعمال بھی یہی ہے کہ گاڑیاں چھک چھک چلتی رہیں''۔

یہ تو ہے ہی یار میرے، پر میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ کیا یہ سچ ہے

www.taemeernews.com

کر ــــ''

''ہاں، سچ ہے''۔ پھر اس نے پشت کے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا'' ارے بھئی سنتی ہو؟ مرزا آیا ہے اور کہتا ہے کہ چائے پیے بغیر نہیں جاؤں گا''۔

'' السلام علیکم، بھابی۔ میں دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھاؤں گا''۔

دونوں ہنسنے لگے اور ان کی ہنسی کی آواز سن کر ایک چوہا اپنے بل سے نکل کر ان کے قریب ہی چبوترے پر ناچنے لگا۔

حکیم سلطان شاہ ایک دم سنجیدہ صورت بنا کر مرزا کو بتانے لگا۔ میراثن کو فتو بڑا عزیز ہے۔ وہ اس سے کہا کرتی ہے، اپنی عمر سے میں اگر بارہ ایک برس بڑی ہوتی تو تو میری کوکھ سے ہی جنم لیتا فتو ــــ فتو سے وہ صرف تین چار سال بڑی ہے مگر اپنے بچے کی طرح اس پر نظر رکھتی ہے''۔

''ہاں پہلے پہل تو لوگ لے اڑے تھے کہ وہ فتو پر عاشق ہے''۔

''ہاں، کھلی کھلی میراثن ہے، عاشق نہ سہی، بیٹا سہی ــــ پہلے تو وہ ڈر گئی کہ فتو سید مسلمان اور ویرو پکی ہندو، پر پھر اس نے دیکھا کہ انھیں ایک دوسرے کے لیے جینے سے روکا گیا تو وہ جئیں گے ہی نہیں ــــ گاؤں میں بات کھل گئی تو وہ مجھے بتانے لگی۔ آپ ہی سوچو حکیم جی، ہماری دنیا میں اتنی کھراب بیماریوں والے لوگ سانس لیتے ہیں پھر بھی اللہ پاک کی ہوا ساپھ کی ساپھ ہے، اور پھتو اور ویرو کے سانس تو اتنے ساپھ ہیں کہ مُردوں میں بھی جان پڑ جائے۔ ہندو اور مسلمان کھامکھا آپس میں بگڑ رہے ہیں۔ موجت کرنے والوں کو چپ چاپ جینے دیں ــــ'' حقے کا کش لیتے ہوئے حکیم کو رکاوٹ محسوس ہونے لگی تو بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ نلی میں پھونکیں مارنے لگا۔

'' جب معاملہ عشق کا ہو ــــ سلطان شاہ، تو بات دین کی نہیں، ایمان کی ہوتی ہے''۔

''ہاں، اسی لیے میراثن ڈونگے پانی پر کائی بن کے پڑی رہی کہ کسی کی آنکھ تہہ پر نہ جا پہنچے۔ ہاں، اب حقہ فوارے کی طرح چلنے لگا ہے ــــ تو میں بتا رہا تھا کہ میراثن نے ہر تد بیر لڑائی مگر بادو باراں میں کائی کہاں ٹھہرتی ہے۔ بات کھلی اور کھلتے ہی پھیل گئی ــــ لو، تمھاری بھابی چائے لے آئی ہے''۔

www.taemeernews.com

حکیم کی بیوی نے ان کے سامنے دو گلاس رکھ کے چائے سے لبالب بھر دیے اور مرزا کی طرف منہ کر کے گویا ہوئی ''آپ اکیلے ہی آجاتے ہیں، ہماری بہن کو ساتھ کیوں نہیں لاتے؟''

''لے تو آؤں بھابی مگر پتہ نہیں، تمھارے میاں کو کس نے حکیم بنا دیا ہے، دوائی کھا کھا کر اس کی صحت اور بگڑتی جا رہی ہے''۔

''تو پھر ان سے کہیے، مجھے ہی کبھی وہاں لے جائیں''۔

''آئے دن وہیں ہوتی ہو، میں کیا منع کرتا ہوں؟— میں تو کہتا ہوں تم دونوں وہاں رہو اور میں اور مرزا یہاں۔ ہمیں اب تم لوگوں سے کیا لینا دینا ہے؟''

''لینے دینے کا حساب تو اوپر والے کے پاس پہنچ کر چُک ہی جائے گا''۔

''تو بھلی لوگ، کھاتے میں ہمارا ایک اور حقہ پرو سنا بھی لکھ لو۔ تمھاری مہربانی ہو جائے تو چائے کے بعد تازہ حقہ پی کے مزہ آجائے گا''۔

حکیم کی بیوی حقہ اٹھا کر لوٹ گئی تو مرزا نے ایک بار پھر میلے کے راستے پر آنکھیں ٹکا لیں ''راستہ ایسے دم بخود سا لگ رہا ہے یار، جیسے ذرا سنبھلتے ہی بھاگ نکلے گا''۔

''دعا کرو مرزا، کہ بوڑھے اور راستے ہمیشہ ٹھہرے رہیں تا کہ نوجوان گمراہ نہ ہوں''۔

''ہاں، وہ تو تم بتا چکے ہو''۔

وہ دونوں اپنے اپنے گلاس پر نظر جمائے سوچ رہے تھے کہ چائے ابھی بہت گرم ہوگی، جوش ذرا ماند پڑے تو اٹھائیں۔ اسی دوران گاؤں کے سرپنچ کنس راؤ کا بھتیجا ان کے سروں پر آ کھڑا ہوا ''رام رام حکیم چاچا— رام رام مرزا چاچا''۔

''خوش رہو، دُرگے، کیسے آئے؟''

''تاؤ نے سونف کا عرق منگوایا ہے حکیم چاچا۔ رانو کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے''۔

''کیسا درد ہے؟''

''جیسا پیٹ میں ہوتا ہے چاچا، اور کیسا؟''

''تو یہ لو، سونف کا عرق— دو پڑیاں دوائی کی بھی لے جاؤ''۔

دُرگے کے جانے کے بعد مرزا نے کہا ''سلطان شاہ، ابھی تک تو تم ایک لاکھ سے

www.taemeernews.com

بھی زیادہ پڑیاں گاؤں کے لوگوں کو دے چکے ہو گے؟''

''ہاں مرزے، ایک لاکھ سے بھی اوپر ہوگئی ہوں گی۔ ہر پڑی پر کلمہ پڑھ کر اسے بند کرتا ہوں''۔

''اسی لیے میری مرزائن کہتی ہے کہ مر جائے گی مگر دوائی تمھاری ہی کھائے گی۔ شہر کے ڈاکٹر تو زہر گھول کر دے دیتے ہیں''۔

''پتھری سے کنس راؤ کی جان نکل رہی تھی مرزا— چائے اٹھاؤ، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اس کا بڑا بیٹا اسے شہر میں آپریشن کے لیے لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے کنس راؤ سے کہا کہ پہلے کلمہ کی تیر پرکھ لو۔ خدا نے میرا ساتھ نہ دیا تو پھر چیر پھاڑ کروا لینا''۔

''ہاں، اللہ کے فضل سے اب تو منڈو کے گھوڑے کی طرح اپنے پیچھے سارے گاؤں کی گاڑی باندھے دوڑتا پھرتا ہے— بھابی نے چائے تو بہت جی جان سے بنائی ہے''۔

''ہمارا سرپنچ بڑا نیک آدمی ہے۔ فتو اور ویرو کی خفیہ ملاقاتوں کی خبر جب اس کے کانوں تک پہنچی تو اسی وقت سارے کام چھوڑ کر وہ یہاں میرے پاس آیا اور بولا، کسی بات کی چنتا مت کرو سلطان شاہ، فتو اکیلے رکھے تیلی کا بیٹا نہیں، ہماری ساجھی دولت ہے۔ پورے سو کوس کے گھیرے میں کوئی ایک تو بہو جو اس سے سر نکالتا ہو''۔

''ہاں، اسے دیکھ کر طبیعت سیر ہو جاتی ہے''۔

''کنس راؤ نے ویرو کے باپ کو بھی یہی سمجھایا تھا کہ بات ہندو مسلمان کی نہیں، بات ہے کہ فتو اور ویرو کی جوڑی کتنی سجل ہے۔ سو ہزار برس بیتتے ہیں تو کہیں اتفاق سے ایسی جوڑی بنتی ہے''۔

''ہاں، بھائی، جوڑی تو ایسی ہے کہ انھیں اکٹھا دیکھ کر میرے کھیتوں میں دُگنے دانے پھوٹ آتے ہیں''۔

''ان کی شادی تو انجام پا گئی مگر پنڈت کا لونڈا ابھی تک فرقہ واریت کا زہر پھیلا رہا ہے''۔

''خدا بچائے، نرا فتنہ ہے وہ لونڈا۔ ویرو کو اصل میں وہ اپنے لیے اڑا لینا چاہتا تھا مگر لونڈیا نے گھاس نہ ڈالی تو اس نے ہندو مسلم کا سوال کھڑا کر دیا۔ لڑکے لڑکی والے دونوں

www.taemeernews.com

اسی لیے بد کے ہوئے تھے۔ بے چارے سر جوڑ جوڑ کر مشورہ کرتے رہتے تھے کہ انھیں اپنے ارادے سے باز کیسے رکھا جائے۔

مرزا کی بھاری بھاری سفید مونچھوں میں چائے کی بھوری جھلی سی پھنس گئی تھی جسے دیکھ کر حکیم ہنسنے لگا۔ ''ہونٹوں پر اتنے بڑے بڑے سفید جھاڑو کیا اپنی جھرّیاں صاف رکھنے کے لیے باندھے رکھتے ہو، اتنی پھبی ہوئی داڑھی کیا کم ہے؟''

مرزا نے اپنے کندھے پر سے لٹکتے ہوئے تولیے سے مونچھیں صاف کیں اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''تم تو جانتے ہی ہو سلطان شاہ عورتیں مجھے دیکھتے ہوئے گھبراتی تھیں کہ عاشق نہ ہو جائیں''۔

''ہاں یار، تم بھی اپنے فتو سے کیا کم تھے — ارے بھئی'' وہ اپنا سر موڑ کر بیوی کو پکارنے لگا ''ابھی تک حقہ نہیں ہوا ہے؟''

''نہیں، سلطان شاہ فتو اور ویرو کے عشق کا تو جواب نہیں۔ اتنا بڑا فساد ہوتے ہوتے رہ گیا مگر کیا مجال مستوں کے کانوں پر جوں بھی رینگی ہو''۔

''محبت کرنے والوں کے سروں میں اپنی دھن ہوتی ہے، جوئیں نہیں''۔ اپنی بیوی کو حقہ لیے دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''دیکھو تمھاری بھابی حقہ پروس لائی ہے'' اس نے ہاتھ بڑھا کر بیوی سے حقہ تھام لیا۔

''مرزا، میری ساری حکمت تو تمھاری بھابی کے دم سے ہے''۔

''بیٹھیے، خوشامد مت کیجیے'' حکیم کی بیوی نے اندر لوٹنے سے پہلے اپنے میاں کو پیار سے دیکھا تو حکیم کا تازہ دم حقہ بے اختیار گڑگڑانے لگا۔

''ہزار آفریں... ہے اپنے کنس راؤ پر'' حکیم نے مرزا کی جانب جھول کر کہا ''جو دونوں کی شادی امن سے انجام پا گئی ورنہ خدانخواستہ گڑبڑ ہو جاتی تو مسلمان تو آٹے میں نمک کے برابر تھے''۔

''مگر آٹے میں نمک رچ بس جاتا ہے سلطان شاہ، تو آٹا نمک سے الگ ہوتا ہے نہ نمک آٹے سے''۔

www.taemeernews.com

''ہاں، آپس میں رچنا بسنا ہو جائے تو سبھی کا ذائقہ ایک ہی ہو جاتا ہے— لو، اپنی بھابی کا حقہ پی کے دیکھو، دو ہی گھونٹ میں مسیحائی نصیب ہو جائے گی''۔

مرزا نے حقہ اپنی طرف کھینچ کر منہ سے لگالیا۔ واہ— ہ— !ذہن میں روشنی ہی روشنی ہو گئی ہے سلطان شاہ!— کاغذ اور قلم دوات لاؤ تا کہ تمھاری حیاتِ جاوداں کا نسخہ لکھ دوں'' اس نے ایک اور لمبا گھونٹ بھرا۔

''وا— واہ'' اسی ترنگ میں اس نے اور دو تین بڑے لمبے گھونٹ اندر کھینچ لیے اور ہلکے سے توقف کے بعد پھر گویا ہوا'' میری آنکھوں سے پردے اٹھ رہے ہیں شاہ''۔ اپنے سامنے دیکھتے ہوئے اس کی نظر اچانک میلے کے راستے پر رُک گئی— ''ارے!— وہ راستہ کوئی بری خبر پا کر میلے کی طرف سے سرپٹ بھاگ رہا ہے''۔

حکیم ذرا سا گھبرا کر مرزا کی طرف دیکھنے لگا۔

''شاید تمبا کو تمھارے کلیجے سے جا لگا ہے— ارے بھئی سنتی ہو؟۔ اس نے پھر عقب کے دروازے کی طرف منہ کر کے اپنی بیوی کو پکارا'' مرزا کے لیے پانی کا ایک گلاس لاؤ'' اس نے چلم کو حقے کے منہ سے اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا اور لوہے کے تار سے انگاروں میں دبے ہوئے تمبا کو کو ٹٹولنے لگا۔

(۲)

راستے میں درخت، جھاڑیاں، کھیت— جو بھی آیا، فتو اور ویرو کو آوازیں دے دے کر پکارتا رہا، مگر وہ آپس میں اتنے مگن تھے کہ ان کا کسی کی طرف دھیان ہی نہ گیا، مانو دونوں دُھن میں پچھلے جنم سے اگلے جنم کی طرف جا رہے ہوں اور زمانۂ حال صرف اس لیے ہو کہ ان کے سفر کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔

''ویرو'' فتو اپنی دلہن کے کانوں میں گنگنا رہا تھا۔'' کل رات تم سو رہی تھیں اور میں تمھیں آنکھوں میں سمیٹے محسوس کر رہا تھا کہ تم پکی مٹی کا کورا چراغ ہو اور سرسوں کے تیل سے لبالب بھری ہوئی ہو اور تمھارا پورا چہرہ ٹھنڈی لاٹ بن کر جل رہا ہے اور...''

''لاٹ ٹھنڈی بھی ہو تیلی کے بیٹے، پر ہوتی تو لاٹ ہی ہے، پھر ہمارا بستر کیوں نہ جل اٹھا؟''

www.taemeernews.com

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ابھی ان کی ہنسی ہوا میں بج رہی تھی کہ ان کے اوپر سے رنگ برنگے پرندوں کا ایک جھنڈ گزر گیا اور نئے نویلے جوڑے نے کھلے عام ایک دوسرے کو بازوؤں میں لے لیا۔ اسی دوران ان کے پیروں کے قریب سے ایک کالا ناگ گزر گیا مگر انھیں پتہ ہی نہ چلا۔

تھوڑی دیر میں وہ راستے کی بائیں لکیر پر مڑتے ہوئے ایک جنگل میں گھس رہے تھے جسے پار کر کے اسی لکیر پر انھیں ایک پہاڑی پر جا چڑھنا تھا اور وہاں سے میلے میں کود جانا تھا۔

یہ میلہ کوئی تجارتی میلہ نہ تھا بلکہ یہاں حضرت درویش کے مزار پر اردگرد کے دیہات سے ہر مذہب کے نوعمر مرد و زن کھانے پینے، ہنسنے اور موج اُڑانے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت درویش مرحوم اپنی آخری عمر میں اپنے نوعمر مریدوں سے گھرے رہتے اور انھیں ہنستے رہنے کی تلقین کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک نوجوانی ہی میں تو بے وجہ ہنسنا بے محل معلوم نہیں ہوتا — ورنہ بڑھاپے میں تو سوچ سوچ کر ہنسنا پڑتا ہے۔ ایک حکایت مشہور ہے کہ حضرت نے ساری جوانی غور و فکر میں بتا دی اور اس طویل ریاضت کے بعد انھیں ہنسنے کی خواہش بے تاب کرنے لگی، مگر ان کے چہرے کے اعضاء سالہا سال کے مسلسل غور و فکر سے کچھ ایسے سانچے میں ڈھل گئے کہ ذرا سے ہنسنے سے بھی اپنی جگہ سے اُدھڑنے لگتے اور ان کی چیخیں نکل جاتیں، سو انھوں نے یہ راہ نکالی کہ نوعمروں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر ہی اپنی خواہش پوری کر لیا کریں۔ ان کے مزار پر مایوس نوجوان گھنٹوں ہنستے رہتے تاکہ وہ خوش ہو کر ان کی مرادیں پوری کر دیں۔

جنگل میں داخل ہوتے ہوئے فتو نے ویرو سے پوچھا کہ وہ حضرت درویش سے کیا منت مانگے گی۔

''تم مل گئے ہو تو مجھے اور کیا مانگنا ہے''۔

''پھر بھی؟''

''پھر بھی کیا؟ میں تو خوش ہوں ہی، ہنس ہنس کر حضرت کو بھی خوش کر دوں گی''۔

اپنے گرد و پیش جنگل کے بکھراؤ کو دیکھتے ہوئے فتو کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے

www.taemeernews.com

ذہن میں جھانک رہا ہے۔ اس نے ویرو کی کمر کو بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ جوڑ لیا اور گویا اپنے آپ کو بتانے کے لیے بڑبڑایا ''دیکھ لوں گا اسے''۔

''کسے—؟ کون—؟'' وہ تیزی سے اس کے بازو سے نکل کر اس کے سامنے کھڑی ہوگئی اور بدحواسی میں اس کے منہ سے منہ جوڑ لیا، جیسے اس کے جواب کو اندر سے باہر آنے سے پہلے ہی اپنے اندر ڈال لینا چاہتی ہو۔

راستہ ایک طرف مڑ گیا اور یہ چھوٹا سا جنگل لامتناہی معلوم ہونے لگا۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں'' فتو نے کہا ''اپنے حکیم چاچا کا لڑکا یوسف ہے نا، اس نے ایک افواہ سنی تھی کہ وہ پنڈت کا چھوکرا بھرو سے میلے میں اِدھر اُدھر سے کئی غنڈوں کو لا رہا ہے''۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

وہ ویرو کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''بتاؤ کیا بتاتا؟— یہ کہ مجھے اس مینڈک سے ڈر لگ رہا ہے؟''

ویرو کو اپنا آپ اپنے مرد کی آنکھوں میں ایک کادو نظر آنے لگا اور وہ اپنا بھے بھول کر مسکراتے ہوئے اپنے انگوٹھے کے ناخن سے اس کے نئے کرتے کا کاج ٹھیک کرنے لگی۔

''ابھی تک میں اس کا دماغ ٹھکانے پر لگا چکا ہوتا، مگر سرپنچ کو وچن دے چکا ہوں کہ لڑائی جھگڑے سے بچا رہوں گا''۔

''بچنا ہی ٹھیک ہے''۔

''کیا ٹھیک ہے؟ جان بوجھ کر ہندو مسلمان کا ہوا کھڑا کر کے ڈراتا رہتا ہے— تم گھبراؤ نہیں۔ اگر وہ گڑبڑ پر تل گیا ہے تو اسے دیکھ لوں گا''۔

''دیکھ تو میں اسے آپ ہی لوں گی— کل میں بھائیے کے گھر سے آرہی تھی تو تالاب کے پاس مل گیا اور اکیلی پا کر بکواس کرنے لگا مگر میں نے اسے خوب سنائیں۔ میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اس سے پہلے ہی اس کی طرف چار قدم بڑھا کر کہا۔

''ہمت ہے تو چھو کے دکھاؤ''۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

www.taemeernews.com

''کیا بتاتی ؟— کہ اس مینڈک سے ڈر لگتا ہے''۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور قہقہانے لگے اور قریب ہی کہیں جھاڑیوں میں بیٹھا ہوا بندروں کا ایک غول ان کی شادماں غراہٹیں سن کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ذرا سے میں ہی وہ جنگل کے اس آخری کونے کے پاس آ پہنچے۔

''میں سوچتی ہوں فتو...''

''سوچ سوچ کر کیوں اپنا تیل نکالتی رہتی ہو؟''

''تمھیں تو تیل کے بغیر کچھ سوجھتی ہی نہیں— نہیں— نہیں، پہلے میری بات سن لو— لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جوڑی بہت سندر ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ ہم بے حد بدصورت ہوتے اور ہم ایک دوسرے کو ساری دُنیا سے خوبصورت لگتے''۔

وہ جنگل سے باہر نکلے تو سارا جنگل جیسے ان کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے ان کے عقب میں پھیل کر انھیں دیکھتا رہ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے ہوئے پہاڑی کی چوٹی پر آ گئے اور جونہی آئے توں ہی میلہ ان کے دل و دماغ سے لڑھک کر یہاں پہاڑی کی اِس جانب جالگا۔

(۳)

میلے کے منہ پر ہی ایک کوہ قاف جھولا تھا جس کی گولائی میں دو سیٹوں والے پنگوڑے برق رفتاری سے اوپر نیچے گھومتے ہوئے ایک مہا چکر کا منظر پیش کر رہے تھے۔

فتو اور ویرو تھوڑی دیر پہلے اسی چکر میں اوجھل ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے وجود سے کس کر محسوس کر رہے تھے کہ وہ آپ ہی آپ بیک قالب اپنی گولائیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ان کی مسرت آگیں چیخیں انھیں چاروں طرف سے پکڑ کر گرنے سے بچائے ہوئے تھیں۔ مگر وہ چاہ رہے تھے کہ چیخیں انھیں چھوڑ دیں اور وہ مسرت سے چکنا چور ہو جائیں اور بیک روح آسمان کی سیر کو نکل جائیں۔

جھولے سے اتر کر وہ دونوں ابھی تک گویا جھولے میں ہی گھوم رہے تھے کہ انھیں اپنی میراثن نظر آ گئی جو برف کا لال گولا چوس رہی تھی۔

''بھابی!''

www.taemeernews.com

انھیں دیکھ کر میراثن کی باچھیں کھل گئیں ــ ''او ــ یہاں آؤ!''

وہ انھیں بلاتے ہوئے ان کے قریب آ گئی اور انھیں بھی برف والے کے پاس لے آئی۔ ''لاؤ بھائی، ان کے لیے بھی دو دے۔ چار چار آنے کے حساب سے دو۔ ہجرت درویش کا میلہ ہے۔ بر پھ کو بھی آگ لگا کر بیچو گے تو تمھارا بھلا کیسے ہوگا؟ لو، پورے بارہ آنے ہیں، گن لو''۔

''بھابی''۔

میراثن چڑی ہوئی شکل بنا کے فتو کی طرف دیکھنے لگی۔''ماں کو بھابی کہتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ میں نے تو اپنا بیٹا نہیں جنا کہ تو جو ہے''۔ میراثن نے زمین سے ذرا سی دھول اٹھا کر ویرو کے گال پر لگا دی ''بہوا تنی اچھی دِکھ رہی ہے، میری موئی نجر نہ لگ جائے''۔

''بھابی ــ نہیں، ماں ــ نہیں، مجھ سے تم دو ایک سال بڑی ہوگی یا شاید چھوٹی ہی ہو۔ میں تمھیں ماں کیسے کہوں؟''

''کہہ دو گے تو تمھارے بڈھے باپ کے تیل سے اپنا سر تو نہ لتھڑ لوں گی میرا سارا لینا دینا تو تم سے ہے''۔

''ہمارے بڑے بھائی کو اکیلا ہی چھوڑ آئی ہو؟''

''ہاں، میراثی کو کھا بھائی بناؤ، کھا بیٹا، پر میں تمھاری ماں ہوں''۔

''پر اُسے اکیلا کیوں چھوڑ آئی ہو؟''

''اکیلا کہاں چھوڑ آئی ہوں؟ اس کا ڈاڑھ کا درد جو اس کے ساتھ ہے۔ اسی کا نام لے لے کر مر رہا تھا، سو میں نے کہا، میرا کیا ہے، مرو ــ اور اپنے بیٹے کی چھب دیکھنے یہاں چلی آئی''۔

برف والے نے فتو اور ویرو کو گولے تھما دیے تو میراثن ان سے کہنے لگی۔

''آؤ تمھیں اب کسمت والی چڑیا دکھاؤں۔ ویرو کی کسمت مالوم کریں گے ــ آؤ میرا تو سارا حال اس نے کھول کر بتا دیا ہے۔ اس تراں پنجے جما جما کر پنجرے سے نکلتی ہے جیسے سوچ سوچ کر آنے والوں وکھتوں میں داکھل ہو رہی ہو اور سیدھی اسی کاگت پر جا کھڑی ہوتی ہے، جس پر کسمت لکھی ہو ــ آؤ ــ یہ ہے ــ یہ لو چونی، بھائی۔ اپنی چڑیا

www.taemeernews.com

سے کہو کہ ہماری بہو کی کسمت بتائے''۔

پنجرہ کھلتے ہی رنگدار چڑیا دھیرے دھیرے باہر آئی اِدھر اُدھر دیکھا اور چوں چوں کرتی ہوئی ایک کاغذ پر ویرو کے نوشتہ پر آ کھڑی ہوئی۔

چڑیا والا کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگا۔

''چار شبد ہی لکھے ہیں بی بی، پر چار تولے سونے سے کم نہیں۔ سن کر چڑیا کو ایک چونی اور دے دو گی— لکھا ہے' اپنے پیاروں کا پیارا'۔

فتو بڑے پیار سے اپنی دلہن کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر اسی اثنا میں کسی نے چڑیا والے کی طرف ایک چونی پھینک کر کہا' یہ لو، دوسری چونی ہم سے لے لو'۔

فتو نے آنکھیں گھما کر دیکھا کہ پنڈت کا بیٹا بھروسے ماتھے پر تلک جمائے اپنے مشٹنڈے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا کھی کھی کر رہا ہے۔ وہ میان میں سے برآمد ہوتی ہوئی شمشیر کی طرح تند اور تابناک ہوا تھا۔

''اپنی چونی اٹھا کے سب کے سامنے معافی مانگو بھروسے، ورنہ''۔

''ورنہ کیا مُسلّے ؟— ہماری چیج پر کبجا کر کے ہم ہی کو دِیدے دکھاتے ہو''۔

''تمھاری چیز پر—''فتو نے بے قابو ہو کر پاس ہی سے نہ جانے کس کی لاٹھی کو جھپٹ کر لے لیا اور جب ان کی طرف لپکا تو قسمت والی رنگدار چڑیا پنجرے کا دروازہ کھلا پا کر پھر سے اُڑ گئی۔

(۴)

وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔

فتو اور ویرو کے دم توڑتے ہی یوسف اور اس کے چند ساتھی بھی آ پہنچے اور بھروسے اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے، اور جب بھروسے دم توڑ رہا تھا تو ہندوؤں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کو آلیا— اور جو ہندو اور مسلمان اس دنگے کو ختم کروانا چاہتے تھے۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور سمجھنے لگے کہ دوسرے فرقے کے لوگ انہی پر حملہ کرنے کے لیے دوڑے آ رہے ہیں اور اس طرح وہ بھی ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ میلے کا میدان دیکھتے ہی دیکھتے خون میں لَت پَت ہو گیا— ہندو اور مسلمان تو لڑتے رہے،

www.taemeernews.com
مگران کے خون کی لکیریں زمین پر بہہ بہہ کر یکجا ہوتی رہیں۔

اور جانور جوان کی بیل گاڑیوں اور یکّوں کو کھینچ کھینچ کر انھیں یہاں لائے تھے، اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو جھپکے بغیر چپ چاپ انسان کی بربریت کا تماشہ کرتے رہے اور شاید حیران ہوتے رہے کہ بھوک مٹانے کے لیے مارنا ضروری ہی ہے تو جسے مارتے ہیں اسے تو کھالیں، یہ تو مارتے ہی چلے جارہے ہیں اور کوئی کسی کو کھاتا بھی نہیں؟

اور — اور کئی عورتیں — میراثن بھی۔ حضرت درویش مرحوم کے مزار سے لپٹ لپٹ کر پاگلوں کی طرح ہنسے جارہی تھیں۔

(۵)

افواہوں کے پر ہوتے ہیں نہ پیر، پھر بھی کہاں کہاں نہیں جا پہنچتیں؟ بات کرنے والے کا کوئی پتہ ہی نہ چلتا تھا، بس یہ سمجھ لیجیے کہ باتیں آپ ہی اپنے آپ کو پھیلائے جارہی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ حضرت درویش سبھی مسلمانوں کے خواب میں آکے انھیں چوڑیاں پیش کررہے ہیں۔ ایک اور یہ کہ مسجدوں میں مسلمانوں سے قسمیں لی جارہی ہیں کہ ہر ایک کم سے کم دس کا صفایا کرے۔ اور کئی اور تھیں جو آسیبوں کے مانند بے پر انسانی لاشوں پر پھڑ پھڑا کر ہیبت کا سماں باندھ رہی تھیں۔

سرکار نے حضرت درویش کے مزار کے آس پاس سبھی دیہاتوں میں بڑا سخت کرفیو نافذ کررکھا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر بار بار اعلان کیا گیا کہ کرفیو میں جو بھی گھر سے باہر نظر آئے گا اسے گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ شرپسندوں نے پھر بھی جو کرنا تھا اپنے بچاؤ کی تدبیر کرکے برابر کرتے رہے۔ مگر بھولے بھالے لوگ خواہ مخواہ آوازیں دے دے کر موت کو بلاتے رہے۔ کنس راؤ کی سالگرہ کا دن تو تھا، لیکن اپنی موت کے دن کسی کے پیدا ہونے کے دن کا خیال کیسے آتا؟ لیکن میراثی نے ہنس کر کہا 'کرپھیو کا میں نے کیا بگاڑا ہے جو میرا راستہ روک کر کھڑا ہوجائے گا۔ لالہ سے اپنا انعام وصول کرکے ابھی لوٹ آؤں گا''۔

''جانا ہے تو جاؤ، میری جان کیوں کھا رہے ہو؟'' فتو اور ویرو کے قتل کے بعد سے میراثن کے ہوش ٹھکانے نہ رہے تھے۔ ورنہ وہ جو کام اپنے مرد کے لیے ٹھیک نہ سمجھتی تھی مار پیٹ کر بھی وہ اسے اس کام سے روک لیتی تھی۔

www.taemeernews.com

جنھوں نے گولیوں کی آواز سنی تھی ان کا کہنا تھا کہ فوجی نے پہلی بار ہالٹ کہا تو میراثی تیز تیز چلنے لگا، دوسری بار کہا تو اس نے دوڑنا شروع کر دیا اور تیسری بار فوجی کی ہالٹ سن کر اتنی تیزی سے دوڑنے لگا کہ فوجی نے گولیوں کی بوچھار کر دی۔ کسی کو اس کی ہائے کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ میراثن کو یہ خبر سنائی گئی تو پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، پھر شاید آیا، یا شاید نہ آیا اور اس نے سر جھکا کر چپ سادھ لی۔ ایک بار اسے بتانے کی کوشش کی گئی تو وہ چلا کر کہنے لگی۔

''ہاں، ہاں، سن لیا ہے، اتنی بڑی بیماری پھوٹ پڑی ہو تو سبھی کو باری باری مرنا ہی ہوتا ہے''۔

مگر اسی شام وہ پڑوس میں جا کے رونے لگی ''میں اپنے اس موئے میراثی کو کہاں سے ڈھونڈوں؟ سویرے کا گیا ہوا ہے، ابھی تک نہیں لوٹا''۔

اس سارے علاقے میں سفید کبوتر بہت تھے، غنڈے من مانی کر کے صاف بچ نکلتے تو فوجی اپنی بندوقوں کو آسمان کی طرف گھما کر ان سفید کبوتروں کو ہی گرانے میں لگ جاتے اور کبوتر پھڑ پھڑاتے ہوئے ان کے قدموں میں آ گرتے پھر وہ فتح یاب مستعدی سے مارچ کرتے ہوئے انھیں روند کر جلے ہوئے کچے مکانوں کے ملبوں کی طرف آگے بڑھ جاتے۔

جب فسادات کی روک تھام کے دوسرے طریقے کارگر نہ ہوئے تو حکومت نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے لیے تیس پینتیس میل کے فاصلے پر راجدھانی کے قریب ایک گاؤں میں کیمپ کھول دیا جائے۔

تارا پور گاؤں سے قافلے کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی کہ کنس راؤ سرپنچ اور گاؤں کے چند دوسرے ہندو بزرگ انھیں وداع کرنے آئے۔ پہلے تو فریقین ایک دوسرے کو پھٹی نظروں سے دیکھتے رہے اور پھر گلے مل مل کر رونے لگے۔

''میں بہت شرمندہ ہوں سلطان شاہ'' کنس راؤ نے کہا ''مجھ سے کچھ بھی بن نہ پڑا''۔

''ہر شریف آدمی شرمندہ ہے لالہ'' حکیم سلطان شاہ نے فقیروں کے سے عجز سے کہا اور کنس راؤ کا سہارا لینے کے لیے اس کے کندھے پر اپنا بوڑھا ہاتھ ٹکا دیا۔ ''غیر شریفوں کا

www.taemeernews.com

کیا شریف ہی بھگتتے آئے ہیں'' پھر اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے اپنی شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا'' لالہ! رتن لال کی بیماری لمبی ہے۔ یہ تیس پڑیاں بنالایا تھا کہ کوئی مل گیا تو اس کے لیے دے دوں گا۔ اس سے کہنا ویسے ہی مکھن کے ساتھ ایک پڑیا ہر روز کھاتا رہے''۔

سرپنچ نے پڑیاں اپنی جیب میں رکھ لیں''۔ مجھے تو لگ رہا ہے شاہ کہ ہمارے باپ دادا— سبھی مرے ہوئے بزرگ آپ لوگوں کے ساتھ ہی گاؤں سے جارہے ہیں''۔

رکھے تیلی کے بوڑھے باپ کے پوپلے منہ سے بے اختیار نکل گیا'' مگر لالہ، اپنے بچے تو ہم یہیں قبرستان میں چھوڑے جارہے ہیں، ان کا خیال رکھنا''۔

کنس راؤ نے بوڑھے تیلی کا دکھ محسوس کر کے جواب دیا'' میرا تو جی چاہتا ہے بھائیا، اپنے ہی پیٹ میں چھرا گھونپ کر ہندوؤں سے تمھارا بدلہ چکادوں''۔

اسی اثنا میں فوجی بگل نے قافلے کی روانگی کا اعلان کیا اور عین اسی وقت قافلے میں عورتوں کی ٹکڑی سے میراثن کی سراسیمہ آواز آئی۔

'' ہائے میں اپنی گائے تو کھونٹے پر ہی بھول آئی ہوں''۔

'' گائے ہی تو ہے'' مرزائن اسے سمجھانے لگی'' یہ وقت اپنی جان بچانے کا ہے''۔

'' نہیں، یہ لوگ اس بے جبان کو بھی ختم کردیں گے''۔

میراثن ابھی مُڑ مُڑ کے دیکھ ہی رہی تھی کہ دوسرے فوجی بگل کے ساتھ ہی قافلہ روانہ ہوگیا۔

'' لکھی— ی— ی!'' میراثن نے چیخ کر اپنی گائے کو پکارا اور قافلے سے نکل کر اُلٹے پاؤں بے سدھ بھاگنے لگی۔

(۶)

میراثن کی چیخ ابھی تک ان کے کانوں میں گونج رہی تھی اور زمین پر ان کے پاؤں اتنے ہلکے پڑ رہے تھے گویا وہ اپنے اپنے وجود کی بجائے خیال ہی خیال میں جی رہے ہوں۔ سارے قافلے میں زندگی اور حرکت کا احساس صرف فوجی جوتوں کی ٹھپ ٹھپ سے ہو رہا تھا۔

حکیم سلطان شاہ کے قریب آکر مرزا اس کے کان میں کہنے لگا۔'' راستے بھی ہمارے

www.taemeernews.com

ساتھ بھاگ رہے ہیں سلطان شاہ''۔

''کیا؟'' حکیم کی بھری ہوئی آنکھوں میں اپنے بیٹے یوسف کی لاش ڈوبی ہوئی تھی۔

''میں نے کہا، ٹھہرے ہوئے راستے بھی ہمارے ساتھ چلتے آرہے ہیں''۔

حکیم نے ایک بڑی لمبی ٹھنڈی سانس لی۔

''جب بڈھوں کا ہی ٹھہرنا نہ ہو مرزے تو بستیوں کے راستے بھی کیوں ٹھہرے رہیں؟''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ انھیں سنبھال کر ساتھ ساتھ رکھو، ورنہ واپس کیسے آئیں گے؟''

حکیم نے ہاری ہاری ہنسی ہنس کر کہا'' سنبھال کے؟ سچ پوچھو مرزے تو یوسف کے جانے کے بعد اب کچھ بھی سنبھال کے رکھنا عبث معلوم ہوتا ہے''۔

''حوصلہ رکھو، اللہ سب سے بڑا ہے''۔

''ہاں مرزے، اللہ سب سے بڑا ہے''۔

وہ کافی دیر خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور پھر ایک دم مرزا نے اپنی گردن حکیم صاحب کی طرف بڑھا کر کہا'' سلطان شاہ، ایک راز کی بات بتاؤں''۔

حکیم نے اپنے کان کھڑے کر لیے۔

''ابھی ابھی حضرت درویش مرحوم میرے ساتھ ہی چل رہے تھے اور مجھے بتا رہے تھے کہ میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنا مقام چھوڑ کر تمھارے ساتھ ہی ہولوں۔ ہر چہ باداباد!''۔

(۷)

پورے ایک ہفتے کی تلاش کے بعد کنس راؤ میراثن کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے آدمیوں نے شام کے وقت اسے میراثی اور فتو کے قبروں کے پاس گھٹنوں میں سر دیے اپنے وجود کی قبر میں زندہ پڑے ہوئے دیکھ لیا۔

''اری او میراثن!— میراثن!''

میراثن نے گھٹنوں سے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

www.taemeernews.com

''بہت ہوگیا بھائیو، اب میری جان چھوڑ دو''۔

''چلو، ہمارے ساتھ چلو''

''نہیں، دونوں نہیں، صرف ایک!'' اس کی نظر میں گڑگڑاہٹ تھی ''کلمہ پڑھ کے کوئی ایک مُوجھے لے جاؤ، پھر آدھے گھنٹے کے بعد تلاک دے دینا''۔

''کیسی باتیں کررہی ہو؟ چلو، تمھیں سرپنچ نے بلایا ہے''۔

سرپنچ سے مل کر پہلے تو میراثن کی روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ پھر غبار ہلکا ہوا تو بتانے لگی ''بڑے بدمعاش لوگ تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے لکھی کے پاس لے جائیں گے، پر تمھیں کیا بتاؤں، جُلمیوں نے میری اِجّت کی بہت لوٹ مچائی۔ میراثی بے چارہ میری پھکر کرکر کے کبر میں اپنا ڈاڑھ کا درد بھول گیا ہوگا''۔

سرپنچ کا دل اتنا بھاری ہورہا تھا کہ اسے اپنی ہلکی سی مسکراہٹ کا احساس بھی نہ ہوا۔

''لالہ، میں نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر منت کی، موجھے میرے لوگوں کے پاس پہنچادو۔ پاپیوں نے ہنس کر جواب دیا۔ تمھارے لوگوں کو تو پاکستان بھیج چکے ہیں، اتنے سال سے پاکستان بھی سنبھالے بیٹھے تھے اور ہماری چھاتی پر بھی مونگ دل رہے تھے۔ پاکستان کون سا گاؤں ہے لالہ؟ کیا تم مُوجھے ان کے پاس پہنچادو گے؟''

سرپنچ نے اُسے دلاسہ دیا ''ہاں، پہنچادوں گا، اب تم سوجاؤ''۔

''میرا فتو کہا کرتا تھا تم دل کے پکّے مومن ہو۔ میری لکھو کو بھی ڈھونڈ نکالو''۔

''ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ اب تم سوجاؤ''۔

میراثن کو سات دن میں پہلی بار کھلا کھلا آزادی کا سونا ملا تو سوتے سوتے اسے ساری رات محسوس ہوتا رہا کہ دوزخ کی آگ سے نکل کر بارش میں بھیگ رہی ہے۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو غنڈوں کی ہوس ناک پھنکاریں اس کے بدن سے بخار کے ذریعے خارج ہورہی تھیں۔ سرپنچ نے سوچا کہ ضرورت ہوئی تو کیمپ میں ہی علاج کروالے گی اور اسے سرکاری جیپ میں اپنے ساتھ بٹھا کر ڈرائیور کو چلنے کی ہدایت کی۔

(۸)

میراثن بارہ گھنٹے کیمپ کے اسپتال میں پڑی رہی، اور تھوڑا ہوش میں آتے ہی اس

www.taemeernews.com

نے پانی مانگا۔ ڈاکٹر اسی دم اس کی طرف متوجہ ہوگیا اور گلاس بھر کر اسے نہایت محبت سے پانی پلانے لگا۔

''چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرو، ماں''۔

میراثن کا پھنکا ہوا کلیجہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتے ہوئے ٹھنڈا ہونے لگا اور اس نے اپنی ملائم سی نظر بجلی کی دھیمی روشنی میں نوجوان ڈاکٹر کے چہرے پر ٹکالی۔

''تمھارا کیا نام ہے؟''

''میں یہاں ڈاکٹر ہوں، ماں''۔

''میرا فتو بھی بالکل تمھاری تراں اونچا لمبا تھا— تمھارا نام کیا ہے؟''

''نند کشور، ماں''۔

ڈاکٹر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا بخار محسوس کرنے لگا۔

ہمارے حکیم ساب کو کھبر کر دو بیٹا، میں بھی پاکستان آ پہنچی ہوں''۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

سانس سمندر

نہیں، بلو، میری عمر تو ایک اسی دن پر اٹک کر رہ گئی جب میں یہاں سے نکل پڑا۔ اس کے بعد جینا ہی کہاں ملا؟

تو پھر اتنے بڈھے اور بھیانک کیسے نکل آئے ہو، بھالو کے بچے؟

دیکھو مجھے کچھ بھی کہہ لو، مگر بھالو کہو گے تو سر پھوڑ دوں گا (ہنس کر کرسی اس کے قریب سرکا لیتا ہے)

ابھی تک ویسے ہی اپنے اصل نام پر چڑ جاتے ہو شیخ محمد اکرام۔ ہہ ہاہہ!... بوڑھے ہو گئے ہو پر بڑے نہیں ہو پائے۔

ہاں یار، یہی تو کہہ رہا ہوں کہ میں ابھی تک وہیں کا وہیں اٹکا ہوا ہوں۔ ذرا بھی بڑا نہیں ہو پایا۔ (وقفہ) بڑے تو ہم گھر کے اندر ہی ہو پاتے ہیں۔ بے گھروں کو بھی کبھی بڑا ہوتے دیکھا ہے؟

گھر کیا ہوتا ہے بھالو؟ جس چھت تلے بیوی بچوں کے ساتھ رہ رہے ہوں، وہی گھر!...

نہیں، بلوا، تمھیں کیا پتہ؟ گھر وہاں ہوتا ہے جہاں پاس پڑوس میں ہی باپ دادا کی قبریں ہوں اور ان کا فاتحہ پڑھنے کے لیے انہی کی رفاقت میں پہلے ہم کشاں کشاں اپنی گلی کے نکڑ پر جا پہنچیں اور پھر نکڑ سے ایک آدھ فرلانگ کے کچے راستے پر ہی قبرستان میں... (وقفہ)

رونے کیوں لگے ہو؟ سوائے تمھارے میں نے کبھی کسی بھالو کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہندوؤں کو ہی مار پیٹ کر پاکستان بھیج دیا جاتا۔ تم اپنے بڑوں کو

www.taemeernews.com

جلا پھونک دیتے ہو، سو جہاں چاہو ہولو، ہم اپنے مرحوم باپ دادا کو سوتے میں چھوڑ کر کیوں نکل پڑے؟

فکر مت کرو۔ تمھارے بزرگ ابھی تک ویسے ہی بڑے چین سے سوئے پڑے ہیں۔

جھوٹ مت بولو، بلوا۔ بھابی تو کل بتا رہی تھیں کہ قبرستان کے بیچوں بیچ ایک سنیما کھڑا کرلیا گیا ہے۔

تو کیا ہوا بھالو۔ تنہائی میں دادا جان کا جی گھبرا اٹھتا ہوگا اور وہ گیٹ کیپر کو دِکھے بغیر بڑی شان سے ڈی لکس کلاس میں مفت آ بیٹھتے ہوں گے۔

میں کئی بار سوچتا ہوں، اچھا ہی ہوا، تم کافروں سے نجات تو ملی (ڈھیلا ہوکر سامنے میز پر چائے کی پیالی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے) گناہوں کی لت پڑ جائے تو آدمی مُڑ مُڑ کے دوزخ کی طرف ہی دیکھتا ہے۔

تمھاری پیالی خالی ہے۔ ٹھہرو، میں اور چائے انڈیلتا ہوں۔ (اس کی پیالی بھرتے ہوئے) جی بھر کے پیو۔ پاکستان میں تمھیں اتنی اچھی چائے کہاں ملتی ہوگی... سنو، باہر بے موسم بادل گرج رہے ہیں۔

یاد ہے بلو؟ ایک دفعہ جب ہم کالج ٹک شاپ کی دو ماہ کی چائے کا بل ادا نہ کر پائے تو ٹھیکیدار نے پرنسپل سے شکایت کردی...

ہاں، بخوبی یاد ہے... پرنسپل نے ہمیں تیس تیس روپے جرمانہ کردیا۔ تم فریاد کرنے لگے، سر ہمارے پاس جرمانے کے پیسے ہوتے تو ہم چائے کا بل ہی کیوں نہ ادا کردیتے؟ ہہ ہاہہ... ارے سموسہ بھی کھاؤ۔ کتنی دیر سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہہ رہا ہے، مجھے منہ میں ٹھونس لو (پلیٹ سے ایک سموسہ اٹھا کر اپنے منہ کی طرف لے جاتا ہے)

کھانے کو مجھ سے کہہ رہے ہو بھیڑیے، اور منہ اپنا کھول رکھا ہے۔

تو کیا ہوا؟ ایک تم بھی اٹھالو۔ اسے تمھارے منہ سے کھالوں گا.. لو، کھاؤ...! تم لوگ تو گوشت کے سوا کچھ کھاتے ہی نہیں... اچھا، تو پھر یوں کرتے ہیں، جتنے دن یہاں ہو، کھانے کے اوقات میں فلائی کر کے اپنے پاکستان ہو آیا کرو۔

نہیں، میں...

www.taemeernews.com

میں میں کیا؟ بکرے کھا کھا کے بکرا ہی بن گئے ہو۔

نہیں، بابا، میں پکا ویجیٹیرین بن چکا ہوں۔

پکا ویجیٹیرین!... ہہ ہا!... پکے فراڈ ہو، میری بہن شیلی بھی یہی کہا کرتی تھی کہ تم پکے ویجیٹیرین ہو گئے ہو۔ تم دونوں کا افیئر شروع ہونے کے بعد میں اسے رحمت بی کہہ کے پکارنے لگا تھا... کہاں ہے وہ؟ اس مانند پوچھ رہے ہو جیسے اچانک خیال آنے پر... شیلی آج کل ممبئی میں رہتی ہے... اور کس کے ساتھ؟ اپنے شوہر اور ڈھیر سارے بچوں کے ساتھ، جو اس سے بھی بڑے ہو چکے ہیں اور وہ خود آپ، اتنی موٹی جتنے تم بوڑھے...

کیا بک رہے ہو؟

دنیا جو سن رہے ہو۔ کوئی بوڑھا ہو کے بوڑھا ہو جاتا ہے اور کوئی بوڑھا ہو کے موٹا۔ رحمت بی اتنی موٹی ہو گئی ہے کہ اس کے ساتھ لگ کے کھڑے ہو جاؤ گے تو کہیں نظر بھی نہ آؤ گے۔ تمھاری گھگیائی آواز سن کر وہ یہی سوچے گی کہ تم کہیں پاکستان میں بول رہے ہو اور ذرا سی خوش ہو کے سر جھٹک کر پھر اپنے کام میں لگ جائے گی...

شیلی موٹاپے کا کوئی علاج کیوں نہیں کرتی؟

تم اپنے بڑھاپے کا کوئی علاج کیوں نہیں کرتے؟ شکر کرو تمھارے پاس ممبئی کا ویزہ نہیں، وگرنہ اس کا شوہر (ہاتھوں کو لمبائی اور چوڑائی میں پھیلا کر) اتنا بگڑا اور تعصبی سکھ سردار ہے اور ابھی تک جنسی شدت سے نفرت کر پانے کا اہل۔

اچھا؟... مجھے شیلی کی فیملی کی ساری تفصیلات بتاؤ۔

چھوڑو یار، تم مسلمان عشق کرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ نامعلوم اپنا پاکستان کیسے چلا رہے ہو... باہر بادل کی گرج بڑھ گئی ہے۔ پانی برسے گا۔

تم جو ہندوستان چلانے کا اتنا جتن کر رہے ہو، بتاؤ کیا وہ پچاس پچپن کا ہو کے بھی چلنا سیکھ گیا ہے؟... تمھارا سموسہ واقعی بہت لذیذ ہے بلو۔

بنگو حلوائی کا ہے۔ بڑا پہنچا ہوا حلوائی ہے۔ تقسیم پر جیسے تم وہاں چلے گئے وہ بھٹک کر اپنی دیہ وہاں سے یہاں ترویٰ کے کنارے اٹھا لایا۔ کہتا ہے، پتہ نہیں بچے موت پر میرے پھول یہاں لاتے یا وہیں کسی نالے میں پھینک دیتے۔ سو اچھا ہے میں آپ ہی اپنے آپ

www.taemeernews.com

کو یہاں اٹھالایا ہوں... بنگو خالص پنجابڑا ہے مگر اس کے بچے یہاں اتنی شدھ ہندی میں سدھ گئے ہیں کہ بے چارہ انھیں بالکل سمجھ نہیں پاتا... تمھارے بچے کیا تمھاری زبان سمجھ لیتے ہیں بھالو؟

میرا ایک لڑکا ڈاکٹر اشرف میرے ساتھ رہتا ہے، ایک امریکہ میں مقیم ہے اور ایک لڑکی انگلینڈ میں۔ تینوں میری زبان نہیں سمجھتے۔ ان سے میں ہمیشہ اپنی زبان کے انگریزی ترجمے میں بات کرتا ہوں۔

مگر تمھاری انگریزی تو نہایت کمزور تھی... ہہ ہاہہ!... بوندا باندی شروع ہوگئی ہے... پتہ ہے بھالو، کیا؟... اپنے بچوں سے بات کرتے ہوئے میں بھی اپنی اردو ہندی میں بولنے لگتا ہوں، حالاں کہ ہندی سے نابلد ہوں۔

اور کیا اردو سے نہیں؟

ہہ ہاہہ... کچھ بھی کہہ لو، یارم، بات تمھاری غلط نہیں۔ یہاں سیاسی پارٹیاں اردو کے حق میں یا خلاف کچھ ایسے بیان دیتی رہتی ہیں مانو یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہو۔ اب تو یہ صورتِ حال ہے کہ دل کی کوئی چھوٹی سی بات کرتے ہوئے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسلام کی تبلیغ کر رہا ہوں۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اسی طرح شاید کبھی راہِ راست قبول کرلو۔

اور راہ راست پر چل کر سیدھا پاکستان آ پہنچوں۔

کبھی بھول کر بھی آ پہنچو تو کیا کہنے؟ ادھر میں ہی تمھاری جانب آنکھیں باندھے رکھتا ہوں۔ اپنا آس پاس مجھے دِکھتا ہی نہیں ایک اپنا یہ الہٰ آباد ہی آنکھوں میں بسا رہتا ہے۔

بڑے خوش قسمت ہو بھالو، کہ کچھ تو آنکھوں میں بسائے ہوئے ہو۔ میں تو صرف وہی دیکھ پاتا ہوں جو عین اس وقت دِکھ رہا ہو... بارش بڑھ رہی ہے... تم واقعی خوش قسمت ہو، ورنہ الہٰ آباد کی جن گندی گلیوں میں میں بدک بدک کر چلتا ہوں، اپنے ذہن میں انھی میں چلتے ہوئے تمھاری ناک میں خوشبوؤں کی پوٹلی کیوں کھل جاتی ہے؟... ارے، پھر سے رونی صورت بنالی ہے!...

تم کافروں نے ہمیں بیٹھے بٹھائے اپنی جنت سے نکال دیا۔ میں رہتا وہاں ہوں بلو،

www.taemeernews.com

مگر جیتا یہاں الہ آباد میں ہوں۔

نہیں، تم وہیں رہتے ہو اور وہیں جیتے ہو۔ روؤ مت! ہر کھیل میں اپنا چھوٹا سا رونا مار کر بازی مار لیا کرتے تھے۔

میں تو اپنی ہر بازی ہار چکا ہوں بلوا۔

ہار بھی چکے ہو تو کیا ہوا؟ کم سے کم ہر بازی کھیل تو لی۔

کھیلی بھی کہاں؟ میری زندگی تو وہیں اٹک کر رہ گئی جہاں کوئی بازی ابھی شروع بھی نہ ہوئی تھی۔

نہیں، جیسے بھی کھیلا کیے زندگی کی بازی تو ناگزیر طور پر اپنے انجام پر آ پہنچی (وقفہ) (سگریٹ سلگا کر) لو، بھالو، تم بھی پیو...نہیں؟...کیوں، تم تو خواب میں بھی منہ سے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے رہتے تھے؟

ڈاکٹر کہتا ہے، جان بچائے رکھنا ہے تو سگریٹ چھوؤ بھی نہیں۔

مت چھوؤ...(سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر) زندگی کی سب سے بڑی ترغیب یہی ہے کہ جان کو بہر حال بچا لیا جائے...خواہ مخواہ سگریٹ پینے سے خود کو روک کر، اور خواہ فسادات میں گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں پناہ لے کر۔ (ایک اور لمبا کش لیتا ہے) دیکھو، باہر موسلا دھار بارش ہونے لگی ہے۔

وہ دن تمھیں یاد ہیں بلو؟ الہ آباد میں فسادات ابھی شروع نہ ہوئے تھے مگر ایک کھٹکا سا لگا رہتا تھا اور پھر اس روز ہم اسی گھر کے پچھواڑے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ میں نے بال کو اتنے زور سے ہٹ کیا تھا کہ تمھارے ہاتھ کیچ کا پیالہ بنائے رہ گئے اور بال اوجھل ہو کر جانے کہاں جا گرا۔ اسی اثنا میں میرے بھائی جان دوڑتے ہوئے وارد ہوئے...چلو!...چلو!...

چھوڑو، یہ قصہ تم کئی بار اپنے خطوں میں دوہرا چکے ہو...تمھارے بھائی جان تمھیں بازو سے کھینچ کر گھر سے باہر گلی کے کنارے لے آئے جہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی...چلو!...گاڑی میں قدم رکھتے ہی تم نے کیا دیکھا کہ بھابی تمھاری ہچکیاں لے لے کر ننھے پپو کو گود میں چپ کروا رہی ہے اور پپو کا بڑا بھائی جمی بھی بھابی کے پہلو میں سہم کر بیٹھا ہوا ہے۔

ہاں، میں نے چیخ کر پوچھا، کیا ہوا ہے؟...بلوائیوں نے ہمارے گھر کو آگ لگا دی

www.taemeernews.com

ہے!...آگ بجھی نہیں؟...اب کیا بجھے گی؟...ہماری گاڑی ہوا میں اُڑ رہی تھی بلو اور میرے ابو، امی، دادا جان، دادی اماں۔ سب کے سب اپنی قبروں سے برآمد ہوکر بے پر ہماری گاڑی کے پیچھے پیچھے...او ظالمو! او ہمیں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو؟...او ہمیں بھی اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤ!...

رولو...رولو! (اس کا ہاتھ بڑی ملائمت سے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے) سکھوں میں دُکھ یاد کر کے آدمی اجلا نکل آتا ہے۔

نہیں، یار! تم کہتے ہو جان بچا لینا ہی زندگی کی سب سے بڑی ترغیب ہے، مگر جان بچا کر جینا بھی تو ملے۔

ملا، اسی لیے تو سانس لے رہے ہو، اسی لیے نیا گھر بار بنا لیا ہے، بچے پیدا کر لیے ہیں اور جینا بھوگ بھوگ کر بوڑھے ہو لیے ہو... ہاں، میرے بھائی، مرتے دم تک ہر سانس پر بے اختیار سانس لیے بغیر بن نہیں پڑتی (ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے) ہیلو! ہیلو!... بھابی!... ہاں، اکرام میرے پاس ہی بیٹھا ہے۔ ہاں، ابھی آ رہا ہے...لو، بھابی کراچی سے بلا رہی ہیں۔

ہیلو، فاطمہ!...کیا؟!...او۔نو!...اشرف کی زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟....اسپتال میں ہے! گھبراؤ نہیں، میں آج ہی شام کی فلائٹ سے پہنچ رہا ہوں، نہیں، میں یہاں کیا کروں گا؟ اللہ حافظ!...

کیوں، کیا ہوا؟

اشرف کی ڈسپنسری کے باہر بم پھٹا ہے۔ اشرف بھی زخمی ہو گیا ہے۔

باؤ سیڈ! (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے دباتا ہے)

میں آج ہی واپس جانا چاہتا ہوں بلو، ہو سکے تو اسی وقت۔

ہاں، ضرور!...

(او ظالما، ہم سے ملے بغیر ہی جا رہا ہے؟)

...ضرور!

(باہر مطلع یک بہ یک صاف ہو گیا ہے مگر بارش بدستور ہو رہی ہے) ◆◆◆

www.taemeernews.com

جیتے جی

بات اتنی موٹی ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، اس کی پوری کی پوری کہانی کیسے بنالوں۔

جمنا بائی میلے رنگ کی ایک چھوٹی سی عورت ہے، اتنی کمزور کہ اس کے چہرے کی سیاہی پھیکی پڑ پڑ کر سفید ہوتی جا رہی ہے۔ افریقہ میں میں نے بڑی پیاری سیاہ فام عورتیں دیکھی ہیں۔ ان کی تندرستی اور کشش کی علامت ان کا چمکتا ہوا کالا کالا بدن ہے، جیسے کسی جوان اور بے لگام گھوڑی کی جلد کی تابندہ سیاہی، جسے دیکھ کر آدمی کا جی چاہے کہ اچھل کر اس پر چڑھ جائے اور وہ بے قابو ہو ہو کر اسے نیچے پھینک دینا چاہے، مگر یہ تو جانور کی بات ہے جو غریب ہوتا ہے، نہ امیر، بس جانور ہوتا ہے، لیکن میری جمنا بائی بڑی غریب عورت ہے۔ بڑی پتی ورتا ہے، اسی لیے اپنے بیمار پتی کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر ساڑھے چھ سو روپے ماہوار پر تندہی سے میری سیوا میں جٹی رہتی ہے، تاکہ میں اس سے پرسن ہو کر کسی پراچین رشی منی کی طرح اس سے پوچھوں، بتاؤ دیوی تمھاری کیا اچھا ہے؟

میرا مرد بہت بیمار رہتا ہے...

سوری جمنا بائی، میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔ تمھارے پتی کے دوادارو کے لیے تمھاری تنخواہ کے پچیس روپے بڑھائے دیتا ہوں۔

ہر انسان کو خدا اُتنا ہی دیتا ہے جتنا لینے کی اُسے خواہش ہو۔ جمنا بائی کی یہی خواہش ہے کہ میری تنخواہ کے پچیس روپے بڑھ جائیں اور پھر ان پیسوں سے وہ اپنے شوہر کا علاج بھی کروا لے، اپنی اپاہج بیٹی روپا کے لیے بازار سے بیسا کھیاں بھی لے آئے، اپنی کھانسی کے لیے حکیم سے پڑیاں لایا کرے اور...اور...

www.taemeernews.com

مگر:

ماں...ماں...

ہاں، ہاں، سن لیا ہے روپا۔ آج تمھاری بیسا کھیاں کھرید لاؤں گی۔ (چلے بغیر چلو لڑکی... یا چلنا کیا ضروری ہے؟...اپنے باپ کے پیروں میں چپ چاپ جا بیٹھو۔)

روپا، پانی!

میں کیسے چلوں، بابا۔

اپنی ماں سے بولو، بیٹی۔

ماں ساب کے کام پر گئی ہے۔

تو تم ہی اٹھو بیٹی۔ میں پیاس سے مر رہا ہوں۔

(اگر بابا مر جائے تو اس کی دوائی کا پورا خرچ بچ جائے اور ماں مجھے جھٹ بیسا کھیاں لا دے اور میں اٹھ کر جھٹ بابا کے لیے پانی لے آؤں)۔ بابا، آپ جلدی جلدی ٹھیک ہو جائیں نا۔

ایا ہج سی خواہش!

اگر روپا اپاہج نہ ہوتی تو کیا واقعی چل سکتی؟...روپا کی ماں کیوں چلنے پھرنے سے قاصر ہے؟ اس کی تو دونوں ٹانگیں سلامت ہیں۔

معمولی سی بات ہے، مگر کہانی چوں کہ بے مطلب اور آوارہ ہے اس لیے منہ اٹھائے ہر طرف ہو لیتی ہے اور ہر ایرا غیرا بات سے آنکھیں لڑا۔ نے پر آمادہ ہو جاتی ہے، مگر سچ پوچھیے تو ایک آوارگی سے ہی دنیا بھر کا تمدن قائم ہے۔ آوارہ خواہشوں کے بغیر معمولی ناک نقشے کی عورتوں کی طرف کون متوجہ ہوگا؟ عین سامنے موجود ہونے کے باوجود ہماری نظروں سے غائب رہیں اور پھر ہر بیس مردوں کے آس پاس مشکل سے ایک آدھ عورت ہی نظر آئے...اور پھر؟...پھر وہی قدیم زمانے کی لے دے...بیس مرد اور ایک عورت، دنگا، فساد، قتل و غارت، جب ایک عورت کی خاطر ایک ایک کو بیس بار اپنا خون کروا کے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا تھا... ہاں اور کیا؟ معمولی عورتوں کی شناسائی سے بھی ہماری امن و آشتی کی خواہش قائم ہے۔

www.taemeernews.com

... ہاں، یہی تو... بے معنی کہانیوں کی بدولت ہی ہمارے سارے معانی محفوظ ہیں اور ہمیں برتر زندگی بسر کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔

مگر جمنا بائی کی کہانی تو اتنی بے معنی ہے کہ سرے سے کہانی ہی معلوم نہیں ہوتی۔ میرے ایک مہمان کہانی کار کو ایک غریب سے نسوانی کردار کی ٹوہ لگی ہوئی تھی۔ میں نے تجویز کیا، میری ملازمہ کے سفید سفید سیاہ چہرے کو ایک نظر دیکھ لو، شاید تمھیں اپنا کردار مل جائے۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

تمھاری ملازمہ کے چہرہ ہی کہاں ہے جو اسے دیکھوں؟

جواباً میں نے جمنا بائی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ہمارے سامنے میز پر چائے کا سامان رکھ رہی تھی۔ واقعی کوئی شکل وصورت نہ بنتی تھی۔

کیا ہم کہانی کا محض کوئی نام رکھ کے کہانی لکھ سکتے ہیں؟ جمنا بائی... لکھو، اس عنوان پر کیا لکھو گے؟

میرا دوست شاید بکواسی ہے... جمنا بائی کی بے ہیئتی کی وجہ سے ہی اس کی داخلی ہیئت ابھرتی ہے۔ جمنا بائی ماڈرن ایسٹریکٹ آرٹ کا ماڈل ہے۔ اس کا چہرہ اس کے پیٹ میں ہے۔ اپنی ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہی وہ اپنے پیٹ میں چلی آئی۔ جمنا بائی ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اس نے جب اپنے پیٹ سے باہر آنا چاہا تو اپنی بجائے اپنی اپاہج لڑکی کو، اپنے بیمار شوہر کی لنگڑی اور معذور خواہش کو جنم دے دیا۔

جس طرح روپا اپنا آپ ہونے کی بجائے اپنے باپ کی معذرت کا وجود ہے، اس طرح روپا کی ماں کی بے شکلی اس کے والدین کی محرومی کی شکل پیش کرتی ہے۔ ہمارے ڈھیروں لوگوں کی پہچان میں ان کی یہی بے شکل یکسانیت حائل ہے... جمنا بائی، آمنہ بی، محبوبی، کملا بائی... سب وہی ایک ہیں۔ کسی ایک کے بارے میں سوچیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے بارے میں بھی سوچ رہے ہیں۔

بابو جی، اپنا کھانا میں گھر لے جا رہی ہوں۔

یہیں کھالو، آمنہ بی۔

www.taemeernews.com
نئیں، بابو جی، میرے بیٹے کو پلاؤ بوہت اچھا لگتا ہے۔
اور تمھیں؟
مو جھے بھی اچھا لگتا ہے۔
(اور مو جھے بھی... مو جھے بھی... مو...)
اور:
تم اپنے بیٹے کو پگلا کیوں کہتی ہو آمنہ بی؟
کیوں کہ وہ ہے ہی پگلا، بابو جی۔
پیدائشی پگلا ہے؟
پیدائشی ہی سمجھ لیو بابو جی، کام پر آتے ہوئے تالا لگا آتی ہوں۔
اسے اندر بند کر آتی ہو؟
اور کا کروں بابو جی؟
بڑے ظالم لوگ ہو۔
بھوکھوں مارنے سے تو جے جلم اچھا ہے بابو جی۔ گھر جاتے ہوئے بھوکھ لگی ہوتی ہے تو مانو، اسی کی بھوکھ ماسوس کر کر کے جان گلے میں پھنسی ہوتی ہے۔ اپنے بچے کسے پیارے نئیں ہوتے بابو جی؟
ہاں، یہ تو ہے آمنہ بی۔ تمھارا بیٹا پاگل کیسے ہو گیا۔
کیا پتہ، اپنے آپ سے باتیں کر کر کے۔ اپنے آپ سے باتیں کر کر کے اسے کسی اور سے باتیں کرنا نہیں آتا۔
بابو جی؟
کہو، محبوبی۔
میرا لال بڑا ہو گا تو آپ کا کرجا اتار دے گا۔ بس تین سو روپے دے دیجیے، نئیں تو میرا مردوا جیل بھیج دیا جائے گا۔
تین سو!
ہاں، بس تین سو۔ میرے بیٹے کو گروی رکھ لیجیے۔

www.taemeernews.com

یہ سب لوگ ایک سے ہیں، گروی کے لوگ۔ ان کے باپ دادا نے بھی اپنی نسلوں کو گروی رکھ چھوڑا تھا اور یہ نسل بعد نسل یوں ہی چلے آرہے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی مرضی، کوئی خواہش نہیں ہوتی اور اپنی کوئی خواہش ہی نہیں ہوتی تو ان کی اپنی کوئی شکل کیسے بنے؟ الگ الگ شکلیں تو الگ الگ خواہشوں سے ہی بنتی ہیں۔

میں محبوبی اور آمنہ بی اور دوسروں کو درمیان میں کیوں لے بیٹھا، مجھے تو صرف جمنا بائی کی کہانی بیان کرنی ہے۔

اگر کوئی جمنا بائی سے پوچھ لے، جمنا بائی، کیا تم اپنے آپ کو جانتی ہو، تو بے چاری گھبرا جائے، اتنی کہ اپنی سمجھ میں آئے، نہ ہماری۔

''بولتی کیوں نہیں، جمنا بائی؟... کیا تم اپنے آپ کو جانتی ہو؟''

''کیا بولوں؟ میں تو ایک اپنے گووند بھائی کو جانتی ہوں...''

''یہ گووند بھائی تمھارا بھائی ہے؟''

''نئیں، میرا بے مار کھاوند ہے جس کی سیوا میں جٹی رہتی ہوں اور پائی پائی کا حساب بروبر کررہی ہوں''۔

''یہ کون سا حساب ہے؟''

''پچھلے جنم کا!''

''اگر تم یہ حساب برابر نہ کرو...''

''تو اگلے جنم میں مرا کھاوند میرا روگی باپ بن کر آجائے گا۔ لین دین پورا کیے بگیر کس کی مکتی ہوتی ہے بابو جی؟

کیا تم نے کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا ہے جمنا بائی؟

نئیں، بابو جی، میں کون ہوں، جو اپنے بارے میں سوچتی رہوں۔ ایک تو میں اپنے گووند بھائی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں، ایک اپنی لولی لنگڑی روپا کے بارے میں، جو لولی لنگڑی نہ ہوتی تو اندھی بہری یا گونگی ہوتی...

کیوں؟

اس لیے بابو جی، کہ گریب کی اولاد اس کے بوجھ کی گٹھری ہوتی ہے۔ گریب اس

www.taemeernews.com

لیے جان سے لگائے رکھتا ہے کہ تھک ہار کر کبھی اسے پٹکھ نہ دے۔

مگر جمنا بائی، تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا... کیا تم اپنے آپ کو جانتی ہو؟

بابو جی، اپنے آپ کو جاننن کی کھاتر تو گیانی لوگوں کو بھی تیرتھ جاترا پر نکلنا پڑتا ہے... نہیں، موجھے تو اپنے ہونے کی کھبر بھی اسی وکھت ہوتی ہے جب میرے سامنے کوئی اور کھڑا ہو۔

جمنا بائی کا کہنا سچ ہے، وہ نہ ہے، نہ نہیں ہے، اپنے بھگوان کے مانند ہے، ہے، پر کہیں نہیں۔ میرے پاس کام پر آنے سے پہلے وہ اس لیے مندر جاتی ہے کہ اسے وشواس ہوتا ہے، بھگوان وہاں اسے نہیں ملے گا۔ بھگوان کی مورتی کے آگے ماتھا رگڑتے ہوئے اگر اسے بے جان مورتی پر ذی جان ہونے کا گمان ہونے لگے تو خوف کی شدت سے اس کا ایمان چیخ بن کر اس کے منہ سے آ گرے۔ شعوری طور پر وہ اپنے بھگوان کو اس لیے مانتی ہے کہ غیر شعوری طور پر اسے بھگوان کے نہ ہونے کا یقین ہے۔

جمنا بائی بلا ناغہ مندر جاتی ہے۔

جمنا بائی، تمھیں اتنا کام کرنا ہوتا ہے۔ اپنے فالتو کام چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟

پھالتو کام؟

ہاں، مندر نہ جاؤ تو کیا ہرج ہے؟

رام رام بولو مالک۔ میری تو سویرے آنکھ ہی اس لیے کھلتی ہے کہ بھگوان کے درشن ہوں گے۔

اگر تمھیں سچ مچ بھگوان کے درشن ہو جائیں جمنا بائی تو؟...

رام رام بولو مالک، مجھ پاپن کو بھگوان کیا درسن دیں گے۔

نیک لوگ شاید اس لیے گناہ سے ہاتھ نہیں کھینچتے کہ خدا کے ساتھ شیطان سے بھی تعلق بنا رہے۔ آڑے وقتوں پر وہ نہیں سنے گا تو وہ کام آ جائے گا، مگر اس بات کا اطلاق جمنا بائی پر کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ بے چاری تو نیک ہے، نہ بری... نیک بننا آج کل اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ اچھے خاصے لوگ اس خرچ کو بڑی احتیاط برت کر اپنے بجٹ سے خارج کر جاتے ہیں۔ اتنا مہنگا زمانہ ہے، کوئی نیکی پر خرچ کرے یا روٹی پر۔

www.taemeernews.com

مگر جس طرح جمنا بائی کو نیلی کی توفیق نہیں، ویسے ہی اسے بدی کا بھی حوصلہ نہیں۔ کبھی حوصلہ کر بھی لے تو کوئی الٹا سیدھا دھندا کرنے سے پہلے ہی پکڑی جائے۔

میں نے خواہ مخواہ جمنا بائی کی کہانی شروع کر دی ہے۔ کوئی کہانی ہو تو کہانی بھی بنے۔ کسی انسان کی تصویر ہو۔ اس کی ایک طرف یہ خدا بیٹھا ہو اور دوسری طرف یہ شیطان، پھر اپنے آپ فرسٹ کلاس کہانی بن جائے، یا یہ نہیں، تو کسی درمیانے، درجے کی کہانی کے لیے اس انسان کے ساتھ کم سے کم صرف خدا بیٹھا ہو، یا صرف شیطان، یا یہ بھی نہیں تو وہ انسان کم سے کم انسان تو ہو۔

ایک بار میں نے جمنا بائی سے پوچھا، جمنا بائی، تمھارے جیون میں ایسی کوئی بڑی بات ہوئی ہے جو تمھیں ابھی تک نہ بھولی ہو۔

ہاں۔

میں خوش ہو گیا کہ جمنا بائی بے کہانی نہیں... بتاؤ۔

جمنا بائی اپنا باطن بلا جھجک ننگا کر دیتی ہے، جیسے میری مرحوم بیوی میرے ذرا سے کہنے پر جھٹ اپنے کپڑے اتار دیتی تھی۔

بتاؤں کیسے، بابو جی؟ جے تو موجھے جاد ہے، کبھی کوئی ایسی بات ہوئی جرور تھی، پر جے یاد نئیں کے وہ بات کا تھی۔

لیجیے، بتایئے، جو عورت اپنی زندگی کو کھو کر جی رہی ہو اس کے بارے میں آپ کوئی اینٹی اسٹوری نہیں لکھیں گے تو کیا اسے کیمرے کے سامنے بٹھا کر کہیں گے اسمائیل پلیز!

میری مرحوم بیوی نے... اس کا چہرے بھی بے نشان تھا، دودھ کے مانند سفید اور بے لکیر... اپنی موت سے چند روز پہلے جمنا بائی سے کہا تھا، بابو جی کا خوب خیال رکھنا جمنا بائی۔

اور وہ واقعی میرا بڑا دھیان رکھ رہی ہے، اتنا کہ مجھے احساس سا ہونے لگتا ہے کہ میں ہی اس کا بیمار پتی ہوں۔ کبھی کبھی مجھے بڑا سخت قسم کا فلو ہو جاتا ہے اور میرے انگ انگ میں سارے جہان کا درد بھر جاتا ہے اور میری اس حالت میں جمنا بائی کے ہاتھ جب بڑی فطری تشویش و رضا سے میرے جسم کو داب رہے ہوتے ہیں تو اس داب سے میں اپنے درد میں راحت آگیں ارتعاش محسوس کرنے لگتا ہوں۔ وہ مجھے سچ مچ کی عورت معلوم ہونے لگی ہے،

www.taemeernews.com

میرے بدن کی ہمراز۔ میرے جسم کے مزاج کا سارا احساس اس کی انگلیوں پر چلا آتا ہے اور...اور...میں شاید خواب دیکھ رہا ہوں۔ 'شاید' اس لیے کہ ہوسکتا ہے یہ خواب نہ ہو...اور زور سے دابو بائی...اور... یہاں ... یہاں ...درد کے سمندر میں اس کے نابینا ہاتھوں نے میرے ڈوبتے ہوئے بدن کو ڈھونڈ لیا ہے اور اسے کنارے پر کھینچ رہی ہے اور کنارے پر لاکر یہاں ڈال دیا ہے اور آپ بھی بے دم پڑ گئی ہے اور اس کے بے سدھ پڑے پڑے میں نے اسے...کیا یہ قابل یقین ہوسکتا ہے کہ...

چند ایک بار مجھے بے خواہش سا خیال آیا ہے کہ جمنا بائی اگر میری بیوی ہوتی، تو ہو بہو بیوی ہوتی، ایسی ہی، جیسی ہے...میں نے اپنی بیوی سے کبھی محبت نہیں کی، میری بیوی نے سدا میری ہر آسائش کا خیال رکھا، نہایت وفاداری سے میری ہر خدمت انجام دی۔ میں اپنی بیوی سے بڑا خوش تھا۔ میں جمنا بائی سے بھی بڑا خوش ہوں...کیا جمنا بائی میری بیوی سے کم ہے؟...نہیں، خوشی خوشی فلو کا شکار ہونا کسے پسند ہے؟ مگر جوڑ جوڑ میں سارے جہان کا کیچڑ، درد بھر آئے تو...؟ تو کیا؟...یہی، جو ہو جاتا ہے...نہیں، وہ بدچلن نہیں۔ میرے پاؤں ہی داب رہی ہوتی ہے، باقی جو بھی ہوتا ہے وہ میں ہی کرتا ہوں...

رجھا ہوا آدمی دراصل آپ ہی اپنے آپ سے ہم بستری کرتا ہے اور اسی کے بطن سے بھوک جنم لیتی ہے۔ دنیا بھر کے غریب اور بھوکے لوگ انہی خود پسند ہیجڑوں کی غیر فطری اولاد ہیں جو اپنے ساتھ ہی محبت کر کر کے محبت کرنے کے نااہل ہو جاتے ہیں، لیکن جمنا بائی ہر کسی کو یقین دلاتی رہتی ہے کہ میرے بابو جی بڑے دیالو ہیں۔

اس بھگوان کو تو کبھی دیکھا نہیں ساب، ہمارے پالن ہار تو ہمارے بابو جی ہیں۔

جمنا بائی پر ترس کھانا میری سب سے پسندیدہ غذا ہے جسے اس سے بہترین کون تیار کرسکتا ہے۔

وہ آج کل بیمار رہنے لگی ہے اور کئی بار کام پر نہیں آپاتی۔ پچھلے چار پانچ روز سے وہ کام پر نہیں آرہی۔ مجھے اس کی غیر موجودگی کا احساس شدت سے ہو رہا ہے۔ خدا ساری دنیا کو رزق پہنچا سکتا ہے، مگر اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ایک چپاتی بھی نہیں بنا سکتا۔ جمنا بائی جب ڈیوٹی پر موجود ہوتی ہے اور میرے گھر کے سارے کام بڑی مستعدی سے سنبھالے

www.taemeernews.com

ہوتی ہے تو اس کی طرف میرا دھیان نہیں جاتا، عین سامنے موجود ہوتی ہے، مگر دِکھتی ہی نہیں۔ مجھے اپنی بے حسی پر بڑا غصہ آتا ہے اور اسی کی بنائی ہوئی مزیدار کافی پیتے ہوئے میں جی ہی جی میں اپنے آپ کو اس سے بھی مزید ڈانٹ پلانے لگتا ہوں... میں کتنا اچھا ہوں کہ مجھے اپنی کوتاہی پر فوراً غصہ آجاتا ہے۔ اپنی بے انصافی بھی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ وہ غریب بھی آخر میری طرح انسان ہے، اس کے بھی کوئی احساسات ہوں گے...

دراصل جمنا بائی کو ہمدردانہ فہم سے پڑھے بغیر ہی میں نے اسے بے کہانی سمجھ رکھا ہے۔

جمنا بائی چھوٹی سی تھی تو اپنے ماں باپ کی بیٹی تھی... میں نے اپنے شک کو دبا کر اپنے آپ کو ڈانٹ کر سمجھایا ہے کہ وہ واقعی اپنے ماں باپ کی بیٹی تھی... مگر... شٹ اپ!... میں جو کہہ رہا ہوں کہ وہ بیٹی تھی... میں اپنے آپ سے جھٹ ہی اتفاق کر لیتا ہوں، سو میں نے مان لیا ہے کہ جمنا بائی کا بیٹی ہونا عین ممکن ہے۔ پھر یہ ہوا کہ اس کے ماں باپ مر گئے... کیا یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ جب وہ زندہ تھے تو زندہ نہ تھے... شٹ اَپ... اچھا، بابا، لڑتے کیوں ہو؟... جب جمنا بائی کے ماں باپ مرے تو اصل میں وہ نہ مرے، بلکہ ان کی بیٹی مرگئی (ہاں، اب اسے بیٹی کون کہے گا) پھر جمنا بائی بھول گئی کہ وہ بیٹی ہے۔ وہ ابھی چھوٹی سی تھی کہ اس کی اتنی بڑی عمر کے شوہر نے اس سے شادی کر لی... مگر وہ اتنی بڑی تو ہوگئی ہوگی کہ اسے معلوم ہو، شادی کا کیا مطلب ہوتا ہے... نہیں اسے معلوم نہیں تھا، مگر اس کے شوہر نے کسی باپ کی طرح اشاروں اشاروں میں... یا اس کی سمجھ میں نہ آتا ہوگا تو سختی برت کر سیدھے سیدھے سمجھا دیا ہوگا کہ شادی کا کیا مطلب ہوتا ہے...

چند روز میں اس کا بوڑھا شوہر مر جائے گا تو دراصل اس کا شوہر نہیں مرے گا، پھر اسی کی موت واقع ہوگی (ہاں، اب اسے بیون کون کہے گا؟)... پھر؟... پھر کیا؟ اس کے شوہر کی موت کے بعد کیا اس بیمار بڈھے کی اپاہج خواہش زندہ رہے گی؟ روپا بھی بیساکھیوں کی چاہ جی میں لیے مرکھپ جائے گی تو وہ نہیں مرے گی، مرے گی اس کی ماں (ہاں، اب اسے ماں کون کہے گا؟)... اب باقی رہ ہی کون گیا ہے؟... جمنا بائی... جو بیٹی ہے، نہ بیوی، نہ ماں... اپنا نام ہی نام ہے۔ اسے دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ ہمیں اس کا خیال سا آگیا ہے۔

www.taemeernews.com

اپنی بیماریاں جھیل جھیل کر اسے کیوں کر اپنے سچ مچ کوئی ہونے کا یقین نہ ہوگا؟

اپنا علاج کرو جمنا بائی، نہیں تو مر جاؤ گی۔

اب تو جی مانگتا ہے بابو جی، مر ہی جاؤں۔

کہنے کو سب کہہ دیتے ہیں کہ مر جائیں، لیکن اس کی آنکھوں میں جھانک کر میں ٹھٹک جاتا ہوں۔ وہ واقعی مر جانا چاہتی ہے۔

پر جمنا بائی کو تو جینے کا تجربہ ہی نہیں، پھر اسے مرنے کی خواہش کیسے ہوگی؟... یا شاید مرے مرے ہی سہی، وہ جی ہی تو رہی ہے۔

چند ہی دن پہلے وہ کام پر آئی تو بخار سے اس کا بدن پھنک رہا تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا کہ اس حالت میں بھی وہ کام پر کیوں چلی آئی ہے۔

جاؤ جمنا بائی، گھر جا کر آرام کرو اور علاج کرواؤ۔

حکیم ساب نے ادھار پر پڑیاں دینے سے ناں بول دی ہے بابو جی۔

میں نے اسے پچیس روپے اس کی تنخواہ میں سے اور پچیس اوپر سے دے کر ہدایت کی، جاؤ علاج بھی کرواؤ، آرام بھی کرو اور... اور اچھی خوراک بھی کھاؤ اور...

میں اس کی تکلیف کو بھول کر اپنی حماقت پر کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

اور اپنے بیمار پتی کی سیوا اور علاج بھی کرو اور روپا کی بیساکھیوں کے لیے چند روپے بھی بچا کر رکھو اور...

اور میں نے آج ہی سنا ہے کہ جمنا بائی چل بسی ہے۔

مگر یہ دیکھیے، نامعلوم وہ کیوں کر اور کہاں سے کام پر بھی چلی آئی ہے... ہاں، وہی تو ہے۔

میں حیرت اور خوف سے ذرا پیچھے ہٹ گیا ہوں۔

میرا نام جمنا بائی ہے بابو جی۔ پتہ چلا ہے آپ کی کام کرنے والی مر گئی ہے۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے۔

ارے ہاں، آؤ!

◆◆◆

www.taemeernews.com

مقامات

نیند میں آدمی کی موت واقع نہ ہوچکی ہوتو وہ پو پھٹنے کے آگے پیچھے جاگ ہی پڑتا ہے، بہت دیر سے سہی، جمال نے بھی آنکھ کھول لی ہے، اس کا خواب ٹوٹ گیا ہے لیکن ابھی تک اس کی نظروں میں پیوند اُڑ رہا ہے۔

امی!... امی!... ی!... وہ ننھا سا ہے اور کھویا ہوا ہے اور رو رو کر اس کی گھگی بندھی ہوئی ہے... امی!... ہر طرف لوگ ہی لوگ ہیں۔ اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دے رہا اور اپنی ناک کی سیدھ میں چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے وہ اور کھوتا جا رہا ہے۔ کسی نے بھی اسے روک کر نہیں پوچھا ہے۔ ''کہاں جا رہے بالک؟'' مگر وہ بلک بلک کر بتا رہا ہے، امی! امی کے پاس!... اور پھر ایک دم دو بانہوں نے کہیں سے کوند کر اسے لپیٹ لیا ہے اور اپنی امی کو دیکھے بغیر اسے پتہ چل گیا ہے کہ وہ امی ہی ہے اور... امی کی پیشانی پر سے راستہ سیدھا ان کے گھر ہی کو جاتا ہے...

آؤ!...

جمال کے بچپن کے گالے پھر ایک دوسرے کی طرف کھنچ آئے ہیں۔ سپنا پھر گھنا اور گہرا ہونے لگا ہے اور اس کی آنکھیں مندگئی ہیں۔

''پڑھو! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پڑھو، بسم اللہ...''

''بسم اللہ''

''الرحمٰن الرحیم''

''الرحمٰن''

''الرحیم''

www.taemeernews.com

''الرحیم''

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

''مولوی صاحب! لوگوں کے دس دس ہوتے ہیں، پر میرا تو ایک ہی ہے۔ میرے جمال کو جلدی سے قرآن حفظ کرا دیجیے۔ میں پورے دس کا نذرانہ پیش کروں گی''۔

''پڑھو جمال''۔

''پڑھ تو رہا ہوں مولوی صاحب''۔

''نہیں، دل سے پڑھو! خدا کے الفاظ کو دل سے پڑھو گے تو تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی''۔

جمال نے آنکھیں کھول لی ہیں اور کھلی آنکھوں سے بھی اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے تو اسے یقین آ گیا ہے کہ وہ ابھی سویا ہوا ہے۔

''ابھی ابھی تو امی ہمارے ساتھ تھی خورشید۔ کہاں گئی؟''

جمال نے گھبرا کر اپنی بیوی سے پوچھا ہے۔

''امی!... جاؤ خورشید۔ دیکھو، امی کہاں رہ گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہے خورشید۔ جاؤ، ہاتھ پکڑ کر لے آؤ''۔

''امی نظر نہ آئے تو دوسرے بھی آپ کو دکھائی نہیں دیتے''۔

''جاؤ خورشید! امی بے چاری کہیں ٹھوکر کھا کر گر پڑے گی''۔

''مجھ بے چاری کی طرف بھی آپ کیوں دھیان نہیں دیتے؟ جب سے شادی ہوئی ہے ٹھوکریں کھائے جا رہی ہوں''۔

''جاؤ خورشید!''

''آپ کی بیوی بننے سے تو اچھا تھا میں آپ کی ماں ہی ہوتی''۔

''اچھا! تم یہیں ٹھہرو۔ میں خود''۔

''نہیں، میں گھر جا رہی ہوں''۔

''خورشید!''

''نہیں!''

www.taemeernews.com

نصف شب ہولی ہے اور ایک پاگل بڑھیا جمال کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی ہے۔

''نہیں، جمال بیٹے! دروازہ کھولو۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ جمال۔ جمال!''

''سوجاؤ امی!''

''نہیں، بیٹے، دروازہ کھولو اور میرے پاس آؤ۔ میرے پاس آ کر بیٹھو بیٹے''۔

''کھٹ کھٹ۔ ٹھ!''

جمال نے بڑی بے بس نظر سے بیوی کی طرف دیکھا۔ ''نیند کی ایک اور گولی دے آؤں خورشی؟''

''مرنا چاہتے ہیں تو دے آیئے۔ پہلی گولی دیے ابھی پورا گھنٹہ بھی نہیں ہوا''۔

کھٹ۔ ٹ۔ ٹھ ٹھ۔ کھٹ!

''سوجاؤ امی! کل سویرے آفاق بیٹے کا اسکول کا امتحان ہے۔ خدا کے لیے سوجاؤ''۔

''چپ چاپ لیٹے رہیے۔ زیادہ توجہ دیں گے تو امی کا پاگل پن بڑھ جائے گا''۔

''میں پاگل نہیں ہوں بہو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے بھی اپنے پاس بٹھالو جمال بیٹے۔ میں دم سادھ کر بیٹھی رہوں گی۔ کھولو''۔

کھٹ۔ ٹھ!۔

''اف فوہ! خدارا اپنی ماں کو پاگل خانے بھیج دیجیے، یا ہم سب کو۔ سنیے، آفاق بھی جاگ پڑا ہے۔ ابھی ابھی سویا تھا۔ اس کا امتحان''۔

''جمال!...جمال۔ ل!''...کھٹ کھٹ۔ ٹھ!

جمال نے دیوانہ وار اٹھ کر دروازہ کھولا ہے اور ماں کو تیزی سے کھینچ کر چارپائی پر پٹخ دیا ہے۔ وہ چیخنے لگی ہے اور...اور جمال کے کانپتے ہوئے ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہوئے اکڑنے لگے ہیں۔ اور وہ ایک دم سنبھل کر رُک گیا ہے۔

''نہیں...!''

جمال اپنی مرحومہ ماں کے خالی بیڈ روم میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں اپنی ماں کی صرف ناک، یا صرف ماتھا یا سر یا کوئی اور حصہ گھوم رہا ہے...اب ماں کی آنکھیں

www.taemeernews.com

جھپک رہی ہیں۔ اب ہونٹ ہل رہے ہیں۔ اب ٹھوڑی... جمال اس کے انگوں کو جوڑ جوڑ کر اس کی پوری شبیہ بنا لینا چاہتا ہے۔ یہ ماتھا۔ اور یہاں یہ آنکھیں اور... لیکن ماتھا آنکھوں کی جگہ پر سرک آتا ہے... نہیں، اب وہ کبھی اپنی ماں کی صورت نہیں دیکھ پائے گا۔ اپنی ماں کی صورت اس کے دل و دماغ میں ٹوٹ پھوٹ گئی ہے... نہیں!...

جمال کے خوابیدہ چہرے پر جنبش ہوئی ہے۔ جیسے کوئی مچھلی کانٹے میں اٹک کر تالاب کی ساکن سطح پر پھڑ پھڑائی ہو۔

''امی تو پاگل تھی خورشید۔ اسے کیا معلوم تھا، وہ کیا کر رہی تھی؟ اس کی کل کائنات ایک میں ہی تھا اور جب میں نے بھی اس سے منہ موڑ لیا تو باؤلی اور باؤلی کیوں نہ ہو جاتی؟... تمھیں معلوم ہے خورشید اوپر اوپر سے تو میں اس کا علاج کروا رہا تھا لیکن جی ہی جی میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ خدا اسے اٹھا لے۔ ہاں خورشی، اور کیا؟ میں ہی اسے موت کی طرف دھکیلتا رہا ہوں۔ مگر بے ذہن مار، کو کبھی اپنے بیٹے پر شبہ نہ گزرا۔ ذہن ہوتا تو گزرتا۔ مگر مرنے سے چند گھڑیاں پہلے... تم نے دیکھا؟... وہ ایسے ہوگئی جیسے کبھی پاگل تھی ہی نہیں... اس نے باری باری ہم سب سے پیار کیا۔ میں سب سے آگے تھا لیکن مجھ سے وہ سب کے بعد ملی۔ جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے خورشی، اس سے بچھڑنا ہم پل پل ٹالتے ہیں۔ ہے نا؟۔ وہ مجھے کس کر بھینچ لینا چاہتی تھی لیکن ہڈیوں کے گچھے میں اپنی باہیں اٹھانے کا دم نہ رہا تھا۔ میں اس کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا لیکن۔ لیکن''۔

بادل کے ٹکڑے آسمان میں یکجا ہو کر نیچے اترنے لگے اور اترتے ہوئے پانی پانی ہو کر بہہ کر نکلے ہیں اور جمال غوطے کھائے جانے کے باوجود ڈوب نہیں رہا ہے۔ وہ بھی بہتا جا رہا ہے اور ایک پل کے نیچے سے بہہ گیا ہے تو پھر وہی پل آ گیا ہے اور پھر بہہ گیا ہے تو پھر وہی پل... پھر وہی... پھر... اور اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو اس طلسمی عمل سے آزاد کرنا چاہا ہے۔

شاید وہ جاگ پڑا ہے؟۔ نہیں، ابھی نہیں۔

ایک بات سنو خورشید! سنو گی تو شاید ہنس دو گی... امی کو مرے ہوئے کتنے سال

www.taemeernews.com

ہو گئے ہیں؟ پانچ۔نہیں، چھ۔مگر مجھے لگتا ہے، امی مری نہیں، ہمیں یونہی وہم ہو گیا ہے وہ مر چکی ہے...ذرا سوچو۔ ماں مر جائے، ہماری زمین ہی مر جائے تو ہم کیوں کر اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکتے ہیں؟...نہیں خورشی۔ ماں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔کون سی ماں چاہے گی کہ اس کے لہلہاتے پودے کھڑے کھڑے سوکھ جائیں؟ قدرت معصوموں کے ساتھ بے انصافی نہیں برتتی، ماں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ ہمیشہ!

''آئی آفاق!'' بیٹے کی آواز سن کر ماں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی کی طرف بھاگی ہے۔

''لو بیٹے آ گئی۔!''بس یہاں سے یہیں بھاگتے ہوئے آفاق کی ماں کو کئی سال بیت گئے ہیں۔

''بھئی خورشید! بیچ میں ذرا رُک کے ہمیں بھی دیکھ لیا کرو''۔ جمال اپنی بیوی کا راستہ روک لینا چاہتا ہے اور اس پر ٹکٹکی باندھ کر ٹھٹھک جاتا ہے...وہی باؤلا سا چہرہ، دودھیلی ممتا میں ڈوبی ہوئی جھریاں، تشویش...

''اتنی رات ہو گئی ہے، آج بھی آفاق نہیں آیا۔آفاق کے ابا سن رہے ہو؟ آفاق ابھی تک کیوں نہیں آیا...؟''

اور آفاق کا ابا اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا ہے...خورشید!...

''جایئے، پتہ کیجیے، آفاق کے ابا!...ٹھہریے!۔ سنیے! نہیں، پہلے میری سنیے آفاق کے ابا۔آج میں آفاق کے لیے چاند کا ٹکڑا دیکھ کے آئی ہوں''۔

''آؤ آفاق بیٹا۔تم تو ہمارے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں بیٹھتے۔سنو۔ میں تمھارے لیے دلہن دیکھ کے آئی ہوں''۔

''نہیں۔شادی میری ہے، آپ لوگوں کی نہیں۔ دراصل میں۔سچائی یہ ہے کہ میری شادی ہو چکی ہے۔اگر آپ لوگوں نے چاہا تو میں اپنی بیوی کو یہاں لے آؤں گا، نہیں تو ہم دونوں الگ رہیں گے''۔

''الگ رہیں گے؟'' آفاق کے ابا! سن رہے ہو؟ ہمارا بیٹا ہم سے الگ رہے گا۔ مجھے چکر آ رہا ہے۔ مجھے تھام لو''۔

www.taemeernews.com

''آؤ بہو...آؤ بیٹی! تم تو میرے لاڈلے کی دلہن ہو۔ میں تم دونوں سے الگ کیسے رہ سکتی ہوں؟۔آؤ!...''

پھر وہی پل آ گیا ہے اور جمال غوطے کھا کھا کے اس کے نیچے سے بہہ گیا ہے۔ پھر ویسے ہی بار بار وہی پل۔ جمال نے اتنے زور سے سر جھٹکا ہے گویا وہ جاگ پڑا ہو۔

مگر وہ بدستور تارتار سویا پڑا ہے۔

''دیکھیے امی! اپنے بیٹے کی طرف کم توجہ برتا کیجیے''۔

''کیا کہہ رہی ہو بہو؟۔ میں نے تو اندھی باؤلی ہو کر اپنے آفاق کو اونچا کیا ہے''۔

''لیکن امی! اب تو میں اونچا ہو گیا ہوں نا!''

''لیکن مجھے تو اب بھی ویسے ہی منے سے لگتے ہو''۔

''میں اب منا سا نہیں رہا امی۔ آپ کے اس قدر پیار اور توجہ سے مجھے وحشت ہوتی ہے''۔

بادل دھرتی کو سوکھا چھوڑ کر آسمان کی طرف اٹھنے لگے ہیں۔ برس جاؤ، خدا کے لیے برس جاؤ۔

''آفاق کے ابا! آفاق کے...''

''ہاں بھئی خورشی، اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

''بہو نے میکے سے کہلوا بھیجا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں رہے گی۔ جب تک آفاق کوئی الگ بندوبست نہیں کر لیتا وہ میکے سے نہیں لوٹے گی...اب کیا ہوگا آفاق کے ابا...یہ کیا ہو رہا ہے خدایا؟...میرا خون پانی ہو رہا ہے لیکن تم کچھ بھی نہیں کر رہے ہو آفاق کے ابا!....''

''آفاق!... اِدھر آؤ بیٹا...نہیں، جلدی میں بھی ہو تو تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ... میں تمھارا زیادہ وقت نہیں لوں گا...کیا یہ سچ ہے بیٹا، تم ہمارے ساتھ رہنا نہیں چاہتے؟''

''اس میں حرج ہی کیا ہے ابا؟ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ ہمیں اپنی زندگی اپنی طرح جینا ہے''۔

''ہمیں کون، بیٹا؟...تم اور بہو نا...؟ مگر بیٹا، تمھاری ماں کی اور ہم سب کی خواہش

www.taemeernews.com

ہے کہ ہمیں بھی ہموں میں شامل کیے رکھو...نہیں بٹیا۔ پہلے میری بات ذرا آرام سے سن لو... ہماری محبت صرف ایک شخص کے لیے ہی کیوں نہ ہو، اس میں دراصل وہ ساری محبتیں بھی کام کر رہی ہوتی ہیں جو ہمیں اوروں سے بھی ہوں... ہاں بیٹا آفاق! ماں یا بہن سے پیار کیے بغیر کوئی اپنی محبوبہ سے پیار نہیں کر سکتا... ہاں بیٹا۔ جو سب سے پیار کرتا ہے وہی صرف ایک سے پیار کر سکتا ہے...اب جاؤ خدا تمھاری مدد کرے''۔

باہر کھٹکھٹاہٹ سی محسوس کر کے جمال کے ماتھے کے بھیتر دونوں کواڑ ذرا سے ہلے ہیں اور کوئی آواز کیے بغیر چوپٹ کھل گئے ہیں اور وہ ابھی کواڑوں کے اندر باہر ہی ہے کہ اسے پیر سال ممتا کی آواز گرتی پڑتی سنائی دیتی ہے:

''آفاق کے ابا!...آفاق کے...نہیں، آفاق، نہیں! میں پاگل نہیں ہوں...''

جمال نے بڑی گہری... تھمی ہوئی نظر سے بے تاب آواز کی پرچھائیں کو دیکھا ہے اور اسے اپنے بازوؤں میں بھر لینے کے لیے بے اختیار بڑھ آیا ہے...

''امی! میری پیاری امی!...''

◆◆◆

www.taemeernews.com

جاگیردار

وہ بارہ تیرہ سال کی بڑی معصوم شکل کی چھوکری تھی۔ دروازہ کھلتے ہی پہلے تو مجھے دیکھ کر اس نے اپنا ہاتھ جھٹ سے پیچھے کرلیا اور پھر جھجکتے ہوئے اسی ہاتھ کو آگے بڑھا کر بولی۔

''یہ چٹھی!—''

میں اس کے ہاتھ سے کاغذ کا پرزہ لے کر پڑھنے لگا۔

جناب عالی! میں آپ کے محلے میں ہی رہتا ہوں۔ کبھی بہت اچھے دن دیکھے تھے۔ آج بہت نازک صورتِ حال سے دوچار ہوں۔ اپنی بیٹی کو بھیج رہا ہوں، ممکن ہو تو کم سے کم پانچ روپے بھیج دیجیے تاکہ گھر میں ہانڈی پک سکے۔ آپ کے پیسے جلد ہی لوٹا دوں گا۔ شریف آدمی ہوں مگر...

میں نے آخری دو سطریں پڑھے بغیر چٹھی لکھنے والے کا نام دیکھنے کے لیے نظر نیچے سرکالی— جاگیردار— اور جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

مجھے یہاں رہائش اختیار کیے پورا ایک ماہ بھی نہ ہوا تھا اور اتنے بڑے محلے کے سبھی لوگوں سے تو کیا، اپنے فوری پڑوسیوں سے بھی ابھی تک ناواقف تھا— ہوگا کوئی غریب بے چارہ— میں دروازہ بند کر کے واپس اندر آ گیا۔

اس واقعے کو کوئی ڈیڑھ دو ماہ ہو لیے۔ میں ایک دن سنیما کے مسینی شو کے لیے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازے پر وہی لڑکی کھڑی تھی۔

مجھے خیال آ گیا کہ شاید پیسے لوٹانے آئی ہے۔

www.taemeernews.com

''یہ چٹھی!—''

اس کے باپ نے اسی عبارت کے ساتھ پھر پانچ روپے مانگ بھیجے تھے۔ میں نے جلدی سے جیب سے دو روپے نکالے اور لڑکی سے کہا'' یہی لے جاؤ''۔

لڑکی چلی گئی تو مجھے شرمندگی سی ہوئی— کوئی ایسی مجبوری ہی ہو تو سفید پوش اس طرح ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ مجھے پانچ ہی بھیج دینا چاہیے تھے۔

اس کے بعد وہ لڑکی مجھے تین چار ماہ تک نظر نہ آئی اور پھر ایک دن دروازے پر ویسی ہی کھٹکھٹاہٹ ہوئی۔

وہی لڑکی کھڑی تھی۔

''یہ چٹھی!—''

جاگیردار نے عین اسی عبارت میں اب کے دس روپوں کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے مسکرا کر لڑکی کے ہاتھ میں اس دفعہ بھی دو کا نوٹ تھما دیا اور یونہی سوچنے لگا کہ بھلا آدمی اسی طرح مانگ کر وقت کاٹنے کا عادی معلوم ہوتا ہے— چلو، میں نے دو ہی تو دیے ہیں۔ سر جھٹک کر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

گزشتہ سات آٹھ ماہ کے بیشتر ایام میں نے کاروبار کے سلسلہ میں گھر کے باہر بتائے۔ اس دوران وہ لڑکی کبھی آئی تو مجھے معلوم نہیں۔ آج صبح کے وقت میں دودھ والے کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی کی آواز سن کر میں برتن لے کر باہر آ گیا کہ دودھ ڈلوالوں۔ دروازے پر دودھ والے کی بجائے ایک ادھیڑ عمر شریف پوش شخص کھڑا تھا۔

''میرا نام جاگیردار ہے''۔

''آیئے''۔

''نہیں، مختصر سی بات کرنا ہے۔ یہیں کہے دیتا ہوں''۔

''کہیے''۔

اس بار لڑکی کو چٹھی دے کر نہیں بھیجا، آپ ہی حاضر ہو گیا ہوں— مجھے آپ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ—

www.taemeernews.com

میں نے اسے روپیہ دو روپے دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''نہیں، ٹھہریے، پہلے میری گزارش سن لیجیے— میں اپنی چٹھیوں میں جو رقم لکھوں، مہربانی کر کے آپ وہی بھیجا کریں''۔ میں اس کی طرف حیرت اور غصے سے دیکھنے لگا۔

''میری بیٹی اب پوری جوان ہو چکی ہے جناب، اب تو آپ کو پورے ہی پیسے چکانے ہوں گے!!''۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

مہاجر

میں فقیر حقیر تمھیں اپنے بول کیسے سمجھاؤں؟ میں تو سننے والوں کو صرف اس لیے سننے کی تلقین کرتا رہتا ہوں کہ وہی مجھے میرے بول سمجھا دیا کریں۔ ہاں، تمھارا اعتراض غیر معقول نہیں کہ کوئی اپنے ٹخنوں میں کیوں کر بود و باش اختیار کر سکتا ہے، مگر جو ہو گیا، ہوا تو وہی — ہاں، بھائی، مجھ کھوسٹ کو سنانا نہیں آتا پر تمھیں سننا تو آتا ہے۔ آگے سنو۔ میری جوانی کے دن میرے بائیں ٹخنے میں ایک گرد آلود بستی میں بسر ہوئے۔ نہیں، بہت بڑی بستی تھی اور بیسیوں میل کی بالائی مسافت میں میرے گھٹنوں کے آس پاس تک پھیلی ہوئی تھی اور اس ساری بستی میں ایک میں ہی میں آباد تھا۔ نہیں، ٹھہرو۔ میرے علاوہ میرے دادا میاں چوہدری سلامت اللہ خاں بھی تھے جن کی پاؤ پاؤ بھر سفید مونچھوں کا تاؤ دونوں جانب اتنا اٹھا ہوتا کہ ان کی آنکھیں چبھنے لگتیں۔ دادا میاں کو بھی کوئی اور نہ دِکھتا تھا — میں؟ — میری اور بات ہے۔ میں تو ہر لحظہ ان کے سامنے ہوتا۔ ہاں اس وقت بھی، جب سامنے نہ ہوتا وہ میری طرف اشارہ کر کے کہا کرتے، دیکھو، میں ابھی تک جوں کا توں جوان ہوں۔ ہاں، اسی لیے مجھے دادا میاں کی بجائے اپنا آپ ہی اپنا دادا معلوم ہوتا۔ ابا میاں؟ میرا مولا مجھے معاف کرے ابا میاں کا پدرانہ تحکم محسوس کر کر کے میرا خون کھولنے لگتا کہ کوئی فرماں بردار بیٹا بھلا اس مانند اپنے باپ سے پیش آتا ہے — سن رہے ہو؟ — اپنی جوانی میں ساری دنیا بس ایک میرے لیے تھی اور میں، ایک بس اپنے لیے، میرے نزدیک میرے اپنے سوا ہر کوئی ہیچ تھا۔

ارے، سو گئے؟ — اٹھو! نہیں سوتے رہو، جب تک سورج کی روشنی آنکھیں کھانے کو دوڑتی ہے، سوئے پڑے رہو۔ ہاں، صبح دم تو ہوا سولہ سنگار کر کے نکلی تھی مگر حکمراں اسے

www.taemeernews.com

اپنے محلوں میں اڑا لے جاتے ہیں اور دن بھر اس کی آبروریزی کرتے رہتے ہیں اور پھر شام ہوتے ہی اسے تاریکیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ ارے بھائی میرے، میں کوئی سنی سنائی نہیں سنا رہا، اپنے ہی کیے کا اعتراف کر رہا ہوں۔ میری ساری جوانی اسی طور تو بیتی ہے اپنے بائیں مُخنے کی بستی میں، میں جس لڑکی کو بھی چاہتا سبھوں کے سامنے دن دہاڑے اسے چٹکیوں میں غائب کر دیتا— قاعدہ قانون؟— قاعدہ قانون تو حکمرانوں کی سواری ہوتا ہے، جدھر وہ چاہتے ہیں ادھر ہی اس کی لگام موڑ کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ دادا میاں نے میری مہم جوئی پر خوش ہو کر میرے چچا چوہدری انعام اللہ خاں کی بیٹی مہرالنساء کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینے کا ٹھہرالیا۔ مہرالنساء واقعی بڑی خوبصورت نکلی تھی۔ محبت؟— جس کے نزدیک اپنے سوا کوئی بھی قابلِ اعتنا نہ ہو وہ محبت کیا کرے گا؟ نہیں میں شادی وادی کے چکر میں بھی نہیں پڑنا چاہتا تھا، مگر ہوا یہ کہ مہرالنساء نے مجھے قبول کرنے سے دوٹوک نا کہہ دی۔ اب میں اڑ گیا کہ ہماری شادی ہو کر رہے گی۔ پھر؟— پھر یہ ہوا کہ مہرالنساء نے چپکے سے ہمارے پڑوس کے مرزا قطب الدین کے لڑکے سے نکاح پڑھوالیا اور دونوں کہیں رفو چکر ہو گئے۔

سن رہے ہو؟— ارے بھائی، ہنکارا بھرتے بھرتے اچانک اونگھنے لگتے ہو— ہاں، بوڑھے تو ہو لیے ہو، پر اتنے ہی جتنا میں— ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تو جاگتے میں بھی سویا پڑا رہتا ہوں۔ کیوں؟ کیوں کہ میں کوئی کام اپنی مرضی سے ہاتھ میں نہیں لیتا ہوں، نہ اسے انجام دیتا ہوں، مانو اسے کوئی اور ہی انجام دے رہا ہو اور مجھ فقیر حقیر کا بس یہی کام ہے کہ میری نیک دعاؤں کے عوض میرا بھیک کا کاسہ خالی نہ رہے، بس میرا پیٹ بھرتا رہے، مگر پیٹ بھر جانے پر ذرا آنکھ لگ جاتی ہے تو اپنے خوابوں کی دنیا میں قدم دھرتے ہی میں خودمختار ہو جاتا ہوں— سن رہے ہو؟ کوئی مضائقہ نہیں، سوئے پڑے رہو۔ خوابوں میں داخل ہوئے بغیر احساس نہیں ہوتا کہ کائنات کتنی بڑی ہے اور ہم کتنے کارگر ہیں۔ باہر؟— باہر تو ہم صرف یہاں سے وہاں تک ہوتے ہیں، صرف وہیں، جہاں جا پائیں۔ اپنے بھیتر ہی بھیتر تو ہم چشم زدن میں کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں— اور کیا؟ میں اور کس لیے یہ دعویٰ کرتا پھرتا ہوں کہ کہاں ہے جہاں میں نہ گیا ہوں۔ یہی تو ہے... ہماری ساری مسافتیں

www.taemeernews.com

ہمارے اندر ہی واقع ہوتی ہیں۔

مہرالنساء؟ میں دانت پیستا رہ گیا اور مہرالنساء اپنے دولہا کے ساتھ فرار ہوگئی۔ دادا میاں؟— دادا میاں بھی آگ بگولہ ہوگئے اور حویلی کے آنگن میں نصب خاندانی توپ کا منہ مرزا قطب الدین کی دیوار کی طرف موڑ دیا، مگر توپ میں کچھ بارود بھی بچا کھچا رہ گیا ہوتا، تب نا، نوے سال سے بھی اوپر ہو لیے تھے۔ حویلی میں اپنی کوٹھری سے برآمد ہو رہے ہوتے تو مانو سیدھا عدم آباد کا رُخ کیے ہوتے۔ ایک دن غصے میں بڑبڑاتے ہوئے واقعی ادھر ہی نکل کھڑے ہوئے۔

'دادا میاں؟—''

''نہیں، مجھے روکو مت''۔

''پر جا کہاں رہے ہیں؟—''

''اور کہاں؟ مہرالنساء کی گوشمالی کے لیے''۔

''مگر—''

''نہیں، وہ مرکھپ چکی ہوگی، جو اپنے والدین کے گھر سے بھاگ نکلی اس میں اتنی شرافت کہاں، کہ وہ ابھی تک اپنے شوہر کے یہاں پڑی ہو''۔

دادا میاں کی روانگی کے بعد میں نے بھی رخت سفر باندھا اور اپنے بائیں ٹخنے کی گرد آلود بستی سے گھٹنوں کی سرحد پار کر کے یہاں پیٹ کے نیچے دونوں ٹانگوں کے بالائی درمیان آن پہنچا اور یہیں ڈیرہ ڈال لیا۔ ہاں، فرنگستان کا یہ نقشہ بغور دیکھ لو تا کہ بھولے سے بھی اُدھر کا رخ نہ کرو۔ میرا مولا مجھے بخشے، شیطان سے میری ملاقات یہیں ہوئی— دیکھنے میں وہ اتنا خوبرو اور باکمال تھا کہ کسے معلوم، مولا نے ہمیں اسی سے بچنے کی ہدایت کر رکھی ہے؟

جاگ رہے ہو؟ اس تاریک خطے میں مصنوعی روشنیوں کی یلغار کا عالم تھا۔ کہیں کوئی چھوٹا سا کونہ بھی نہ تھا، جہاں بھلے لوگ فطری اندھیرے کی خنک حدت میں چین سے لمبی تان لیں۔ نہیں، مجھے کیا پڑی ہے کہ غلط بیانی سے کام لوں؟ ہر شخص کھڑے کھڑے جوں کا توں آنکھوں پر عینک جمائے ہوئے ہوتا تھا گویا خوفزدہ ہو کر ایک بار آنکھیں مُند گئیں تو قبر

www.taemeernews.com

میں اتار دیا جائے گا، یعنی جو ذرا واقعی سو گیا وہ اسی دم مرا۔ ہاں، اور کیا؟ میری آنکھیں وہاں جاگ جاگ کر اتنی چوڑی ہوگئی ہیں کہ نظر دھندلا کر رہ گئی ہے۔ یہاں کا کوئی واقعہ سناؤں؟— وہیں کا یہ سانحہ تو سنا رہا ہوں۔ لوگ جب روشنیوں کی یلغار میں کھڑے کھڑے اپنی دانست میں سو رہے ہوتے تو ہر کسی کے یہاں دفعتاً کوئی جہنمی پری وارد ہوتی اور اس کی طلسمی خوشبوؤں سے اس شخص کی آنکھیں آپ ہی آپ مند جاتیں اور پھر وہ اس کی آبرو ریزی میں جٹ جاتی اور جب اس کا جی بھر جاتا تو اپنی راہ لیتی۔

مولا کی رحمت کا حساب نہیں کہ اسی زندگی میں میری سزا کی تدبیر ہوگئی، ورنہ قبر میں بے تاب ہو ہو کر پہلو بدلتا رہتا اور مر کے بھی مرنا نصیب نہ ہوتا— ہاں، بھائی، یہی بتانے تو جا رہا ہوں۔ مجھے سنانا نہیں آتا، پر تم تو سن پانے کے دعویدار ہو۔ سنو اور محسوس کرو کہ ستمگرانہ سابقوں میں بھی کیوں کر اللہ کی رحمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ اس جہنمی خطے کی ایک بے دل پری کو لگا کہ اس کے افسوں سے میرا دم نکل گیا ہے۔ اس نے مجھے بے پروائی سے میرے پیٹ کی بالائی سرحد پر گندے خون کی خلیج میں پھینک دیا۔ رضائے حق کا یہ کرشمہ تھا کہ میں بچ گیا اور بہتے بہتے دل کے جزیرے پر آ لگا۔ یہیں مہر النساء نے مجھے میرے دل کی بستی کے کناروں پر پڑا پایا۔ مجھے قبول کرنے سے انکار کر کے وہ دراصل میرے دل میں آ بسی تھی۔ اس نے میرے جسم اور روح کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیے اور یوں میری جان میں جان آئی۔

سن رہے ہو؟— میری جان میں جان تو آ گئی مگر جسے میں مہر النساء سمجھ رہا تھا وہ میرے سنبھلتے ہی نامعلوم کیوں کر یکبارگی معدوم ہوگئی۔ وہ نہایت غمگین تھی مگر اپنے غم میں بیکل ہونے کی بجائے دردمند متانت اور ٹھہراؤ سے میری تیمارداری میں مگن تھی۔ اس کا چہرہ کسی پاک دامن بیوہ کے چہرے کے مانند بے خواہش تھا اور میری صحت کے سوا اس پر اور کسی خواہش کا سراغ نہ ملتا تھا۔ ہاں، مجھے یہی خیال گزرا کہ اس کا شوہر انتقال کر چکا ہے اور اگرچہ وہ اپنی خواہش سے بے خبر ہے تاہم بہر حال میری خواہش مند ہے۔ اس سے پیشتر مجھے بھی کیا خبر تھی کہ وہ میرے ہی دل میں جاگزیں ہے؟ مگر جاگزیں تھی تو پھر اچانک غائب کہاں ہوگئی؟ ایسے غائب ہوئی مانو وہ وہاں تھی ہی نہیں۔

www.taemeernews.com

ہاں، یوں ہی ہوگا۔ وہ وہاں تھی ہی کہاں؟ دل کی بستی تو ہجر کی قیام گاہ ہوتی ہے۔ میں تو جی ہی جی میں اس سے یہاں سر جوڑے بیٹھا تھا اور وہ اس وقت بڑے مزے سے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ کہیں بسر کر رہی تھی۔ میں نے اپنی خواہش کو ہی اس کی خواہش پر محمول کر کے باور کر لیا کہ وہ بیوہ ہو کر میرے پاس لوٹ آئی ہے اور ہم دونوں نے فوراً شادی کر لی ہے اور — اور بتاؤں، کیا؟ مجھے کوئی خونخوار جنگلی جانور سمجھ لو جسے جو بھی شے یا جان دار نظر آتا ہے وہ اسے کھانے کی شے سمجھ کر جھٹ منہ میں ڈال لیتا ہے اور جب اس کی مادہ اس کے پاس آتی ہے تو وہ اپنی چاروں ٹانگیں اوپر کر کے اس کے سامنے لیٹ جاتا ہے اور اس کے دانتوں میں کٹ کٹ کرا سے بڑا مزہ آتا ہے — کھا جاؤ یا خوراک بن جاؤ — مجھے اپنی جانوریت سے گھن آنے لگی اور میں اپنے آپ کو سمجھانے لگا، خدا کا شکر ادا کرو کہ اس بائیں ٹخنے، گھٹنے اور ٹانگوں کے بالائی درمیان سے دل تک آن پہنچے ہو، اپنی بخشش کی دعا مانگو اور اپنی محبوبہ کو فی الحقیقت چاہتے ہو تو اس کی اور اس کے شوہر کی اور ان دونوں کے بچوں کی باہمی خوشحالی چاہو — میں سجدے میں گر گیا اور صدق دل سے دعا مانگنے لگا مگر میرا مولا مجھے معاف کرے، دعا مانگتے ہوئے بھی میں چاہ رہا تھا کہ میری مہر النساء لٹ پٹ جائے اور بیوگی سے تار تار ہو کر مجھے در بدر ڈھونڈتی پھرے — میں اپنے آپ پر لعنت بھیجتا رہا، اور آخر دل برداشتہ ہو کر میں نے کان کھدوا لیے اور سبز چوغا پہن کر گلے میں بڑے بڑے منکوں کی مالا لٹکا لی اور ہاتھ میں کاسہ لے لیا اور فقیر ہو گیا۔

ارے میں فقیر حقیر بولے جا رہا ہوں اور تم گہری نیند سو رہے ہو۔ اٹھو شام سر پر آ کھڑی ہوئی ہے — اچھا، ذرا اور سولو۔ ذرا اور سولو گے تو شاید ذرا اور بہتر انسان بن جاؤ گے اور پچھتاوے کے اہل ہو جاؤ گے — نہیں، بھائی، نیک جینا پچھتاوے کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا ان گناہوں پر بھی پچھتا لو جو ابھی تم سے سرزد نہیں ہوئے۔ کیوں؟ — کیسے بتاؤں، کیوں؟ یوں کہہ لو جو کچھ ابھی ہونا ہوتا ہے وہ ہم اپنے گمان میں کر چکے ہوتے ہیں۔ کیسے؟ کیسے بتاؤں کیسے؟ — یا پھر ایسے کہ جو کچھ ہو لیتا ہے، ہو لینے کے بعد وہ بھی گمان میں ہی ہوتے ہوئے محسوس ہو تو ہو، پھر؟ — پھر کیا؟ جو ہو گیا وہ بھی ہو گیا اور جسے ابھی ہونا ہے، وہ بھی — پھر؟ — پھر صرف یہ کہ کچھ کرنے سے پہلے ہی متاسف ہو لو — ہاں جیسے

www.taemeernews.com

کیے پر۔

سمجھ میں نہیں آ رہا؟— میری سمجھ میں بھی کہاں آ رہا ہے؟ مجھے خیالوں میں ہی اتنا کچھ پیش آ جاتا ہے کہ میں اپنے سننے والوں کا منہ تکتا رہ جاتا ہوں اور میرے سننے والے، میرا۔ لو تمھیں ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔ یہی دل کی بستی میں مجھ فقیر حقیر کا بھوک و پیاس سے دم خشک ہو رہا تھا۔ مولا پاک کا حکم ہے کہ خواہ مخواہ موت کو نہ روکنا گناہ کبیرہ ہے، پس میں نے ایک پھل فروش کی دکان سے خیال ہی خیال میں انگور کے گچھے اڑا کر بھوک و پیاس مٹالی اور پھر چوری کا پچھتاوا محسوس ہوتے ہی چپ چاپ پھل فروش کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا۔ اس نے مجھ سے انگور کے گچھوں کی قیمت طلب کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی سے مجھے پانچ کوڑوں کی سزا ملی۔ کوڑے کھا کے مجھے اذیت تو ہوئی پر اس سے بھی بڑھ کے اس وقت راحت ہوئی جب نیند میں مہرالنساء نیم گرم پانی کی پٹیوں سے تادیر میرے زخم ٹکورتی رہی۔

سنا؟ مہرالنساء میرے زخم ٹکورتی رہی— پچھتاوے کے کوڑے کھا کے بھی میں نے یہی کیا کہ ایک اور اعتراف کا حیلہ ہو جائے... نہیں، بھائی، دل کی بستی میں جو بھی کرلو اس پر بالآخر پچھتانا ہی پڑتا ہے۔ میں نے دل کی بستی سے بھی مہاجرت کا طے کرلیا اور موقع پاتے ہی سفر پر چڑھ نکلا— نہیں، بلندیوں میں قدم جمانے کی جگہ کہاں ہوتی ہے؟ پھر بھی میں نے ہمت کی اور کندھوں پر سوار ہو کر پاؤں لٹکا لیے— اپنے کندھوں پر سوار آدمی کتنا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے مگر لوگ باگ میری سواری کی سج دھج سے مرعوب ہو کر تالیاں پیٹنے لگے تو میں بھی جھٹ ان میں شامل ہو گیا اور ان ہی کے مانند اپنے گن گاتا رہا اور آگے کا سفر میرے ذہن سے محو ہو گیا— پھر؟— پھر لوگ جب گھروں کو لوٹ گئے تو مجھے پتہ چلا کہ میں نے تو راہ کی گرد میں ہی مقام رکھا ہے۔ وہاں سے اٹھ کر کسی طرح میں یہاں آنکھوں میں آ نکلا۔ زندگی کے اس آخری کنارے پر واقع اس شہر افسوس میں، جہاں سے ہم اپنے سارے ماضی کو پلکوں میں دیکھ اور پرکھ سکتے ہیں اور زندگی رائیگاں معلوم ہونے لگتی ہے، یعنی سب ڈھونگ تھا۔ مجھے جو بھی پیش آیا اس سے محض میری مصروفیت کا سامان ہو گیا۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ نفرت یا محبت جو بھی— ہاں، جیسے پیش آیا ویسے ہی

www.taemeernews.com

کرلیا۔ مہرالنساء؟— ہاں مجھے مہرالنساء پیش آگئی۔ ہاں، بھائی اور کیا؟ اگر وہ انکار نہ کرتی تو میں بڑی سرگرمی سے بچے اور مونچھیں پالنے میں مصروف رہتا۔

ارے، شام کتنی گہری ہولی ہے!۔ اٹھو اندھیرا ہوتے ہی ہمیں آسیب زدہ مقامات سے باہر نکل جانا ہے— نہیں، اٹھو، اس شہر افسوس میں اس طرح چت پڑے رہ گئے تو وہاں کیسے پہنچو گے؟ ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔ آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں، کہاں؟۔

سنو، ہمیں اپنی آنکھوں کے اوپر سیدھا اپنی پیشانی پر پہنچنا ہے جہاں ہم دیکھ نہیں پاتے، صرف نظر آتے ہیں اور جسے نظر آجائیں وہ ہمیں اپنی سانسوں میں بھر لیتا ہے۔ ہاں جسے بھی نظر آجائیں۔ یہ اور وہ اور تم۔ اور تم۔ اور تم۔ اور—

آؤ، ڈرتے کیوں ہو، اپنے ماتھے— اپنے مقدر تک رسائی حاصل نہ کروگے؟۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

مارکیٹ اِکانومی

یو۔ایس۔اے کا دیوقامت ہوائی جہاز دلّی ایئرپورٹ پر اترتے ہوئے کوئی بھیانک میزائل معلوم ہورہا تھا جو زمین کو چھوتے ہی پھٹ جائے گا اور پھٹتے ہی ساری دلّی کو زیروزبر کرکے رکھ دے گا، مگر ہوائی جواز کے ہزار پایہ کمپیوٹر نے اسے اتنے غیرمحسوس طور پر زمین پر لا اتارا کہ مسافر لینڈنگ کے بعد بھی اپنے گدوں پر بیٹھے بیٹھے بدستور ہوا میں اڑے جارہے تھے۔

''لیڈیز اینڈ جنٹلمین، دائمپریچر آؤٹ سائیڈ از ٹوئنٹی فائیو اسٹار سیلسیس''۔

''جسٹ دائمپریچر فار سٹے ہل گلوبل مارکیٹ''۔ ولیم ہِٹ مین اپنے پہلو میں بیٹھی تربیت یافتہ نیگرو سکریٹری بلیک برڈ کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔''میں نے سنا ہے برڈی، کہ ہندوستان میں موسم اچھا ہو تو کوئی نہ کوئی وبا پھوٹی ہوتی ہے''۔

''میں چیک کرچکی ہوں''۔ بلیک برڈ نے فخریہ جواب دیا۔''دہلی ٹھیک ٹھاک ہے۔ البتہ دہلی سے کوئی ساٹھ کلومیٹر دور ایک شہر میرٹھ میں کنجیک ٹیوائٹس کی وبا پھیلی ہوئی ہے''۔

''کنجیک ٹیوائٹس۔یعنی؟...''

''آنکھوں کی بیماری ہے جس سے...''

''نو مائی ڈیئر، ایکسپلین مت کرو۔ ہمیں یہاں کنجیک ٹوائٹس کی کوئی دوا ٹریڈ کرنا ہے؟'' وہ اپنی سیٹ سے اٹھنے کی تیاری کرنے لگا۔''آؤ، اب باہر نکلیں''۔

وہ دونوں اٹھ کر جہاز کے دروازے پر پہنچے تو ایک ہوسٹس نے جلدی میں ان کا پیچھا کرکے ہٹ مین کو اطلاع دی کہ میڈم اور لالہ سادھورام نے ٹیلی فون پر...ٹوکوٹ دیم... ڈھیروں گڈ وِشیز بھیجی ہیں...

www.taemeernews.com

''تھینک یو!'' ہٹ مین اسے ٹوک کر اپنی پرسنل سکریٹری کو مسکرا کر بتانے لگا۔
''ہمیشہ یاد رکھو برڈی، نیک خواہشات اور تحائف کی مارکیٹنگ ہمیشہ بڑے التزام سے سجا کر کی جاتی ہے، ڈھیر بنا کر نہیں''۔
جواباً اس کی سکریٹری کے علاوہ ہوسٹس بھی مسکرانے لگی اور اسے اپنی سکریٹری کی طرف متوجہ پا کر اسی کی طرف منہ کیے لالہ سادھورام کے پیغام کو جلدی جلدی پورا کر دیا۔
''اور کہا ہے کہ وہ دونوں لانج میں آپ کے منتظر ہیں''۔
''تھینک یو!'' ہٹ مین نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور اپنی سکریٹری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جہاز کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ ''مگر تم نے تو مجھے بتایا تھا برڈی، کہ لالہ سادھورام اور اس کی بیوی ایک دوسرے سے طلاق لے چکے ہیں''۔
بلیک برڈ نے سیڑھیوں پر ہی رک کر اپنے باس کو جواب دینا چاہا مگر اپنے پیچھے آتے ہوئے مسافروں کو دیکھ کر وہ ویسے ہی چلتی رہی اور اپنی کمر پر اس کی متحرک انگلیوں کا لمس محسوس کر کے یہ سوچ کر مسکرا دی کہ اس کا باس شاید بے دھیانی میں کورے چیک کی چکنی سطح پر کوئی ہندسہ لکھ رہا ہے۔
وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر آئے تو وہ ہٹ مین کو بتانے لگی۔ ''تم نے مجھے غلط سمجھا ولی''۔
''مگر میں نے کیا غلط سمجھا؟''
''یہی کہ، ہمارے لالہ اور اس کی بیوی نے ایک دوسرے کو چھوڑ رکھا ہے۔ وہ تو انھوں نے اپنے انکم ٹیکس صلاح کار کی رائے پر یونہی سی سرکاری طلاق لے رکھی ہے''۔
ولیم ہٹ مین ہنسنے لگا۔
''یہ یونہی سی سرکاری طلاق کیا ہوتی ہے مائی ڈیئر برڈی؟''
بلیک برڈ نے بڑی سنجیدہ ہو کر اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے اسے ٹوک دیا۔ ''نہیں، سمجھاؤ نہیں، مائی انوسینٹ برڈ۔ میں سب جانتا ہوں''۔ اس کا متحرک ہاتھ اپنی سکریٹری کی کمر پر ایک بڑا موٹا ہندسہ لکھنے کے لیے کمر کے آخری سرے تک صفروں میں اضافہ کیے جا رہا تھا۔ ''اگر میرا انکم ٹیکس وکیل مجھے مشورہ دے تو میں بھی جھٹ اپنی اولڈ گرل کو طلاق

www.taemeernews.com

دے دوں اور جانتی ہو، کیا؟...'' اس نے بلیک برڈ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر اپنی ایک آنکھ میچ لی۔ ''اور...''

''ہاں، ہاں، اور؟...''

''اور تم سے شادی کرلوں''۔

بلیک برڈ اپنی مسرت کے ڈرامائی اظہار کے لیے اس کے بازو سے باہر اچھل آئی۔ ''سچ؟ پھر تو ولی، میں تم سے شادی کرنے کے لیے آج سے ہی تمھارے وکیل سے عشق کرنا شروع کردوں گی''۔

''ہاؤ بیوٹی فلی مس چیوس!'' ہٹ مین اسے پُرتوصیف نظر سے دیکھتے ہوئے کالے حسن کے طلسم سے مسحور سا دکھائی دینے لگا۔

جب وہ ایئرپورٹ کے لانج میں پہنچے تو ایک مختصر سے گروپ کے آگے ہٹ مین اینڈ لالہ فنانس (انڈیا) کا کوچیئرمین لالہ سادھورام اور اس کی بیوی اپنی کمپنی کے چیئرمین کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھے۔ لالہ سادھورام اپنے مغربی سوٹ کے باوجود سر پر پگڑی باندھے ہٹ مین کو مشرقی کہانیوں کا کوئی تماشہ گر سا معلوم ہوا۔ ہٹ مین کا امریکی نمائندہ خاص برائے انڈیا جیکل نارمن بھی ان دونوں کے پہلو میں نشان فجائیہ سا بنے سیدھا کھڑا تھا اور انھیں دیکھتے ہی ان کی جانب دوڑ آیا تھا۔

''ہیلو! ڈیئر اولڈ راسکل''۔ ہٹ مین نے اس کے کندھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ ''ایوری تھنگ آل رائیٹ؟''

''نیور سو گڈ اِن ڈیڈ!''

اس سے الگ ہو کر ہٹ مین لالاؤں کی طرف بڑھا۔

لالہ سادھورام ابھی اسے پہچان بھر دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ رنگ دار ریشمی ساڑی میں لپٹے اور ماتھے کو سرخ ٹیکے سے خونریز کیے اس کی بیوی لپک کر ہٹ مین کی طرف آئی اور اتنی سرعت سے موٹے موٹے گٹوں کا ایک نہایت لمبا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا کہ اسے لگا وہ خود آپ ہی اس کے گلے میں جھول گئی ہے۔

''آئی ایم مسز لالہ۔ اوشا سادھورام''۔ اس نے ہٹ مین کے اندازے کی تصدیق

www.taemeernews.com

کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''ویلکم ٹو انڈیا!''

''تھینک یو، مسز لالہ''۔

''ہاؤ ڈو یو ڈو، مسٹر ہٹ مین؟'' لالہ سادھو رام نے بھی موقع پا کر ہاتھ بڑھا دیا۔

''امید ہے آپ کا سفر مزے سے کٹا ہوگا؟''

''ہاں، بہت مزے سے''۔ لالہ سادھو رام سے بڑے کاروباری تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے لالہ کو بلیک برڈ کی طرف دیکھتے پایا جس سے اس وقت جیکل بغل گیر ہو رہا تھا۔

''یہ میری پرسنل سکریٹری مس بلیک برڈ ہے''۔

بلیک برڈ فوراً جیکل سے علیٰحدہ ہو کر مسکرانے لگی۔

''برڈی۔ مسٹر اور مسز لالہ''۔

ہٹ مین پھر جیکل کی طرف مڑ گیا۔ ''اینڈ ہاؤ آر یو جیکل بوائے؟'' اس نے جیکل کا ہاتھ پکڑ کر لانج سے باہری دروازے کا رُخ کرنا چاہا کہ سادھو رام نے اس کے سامنے پانچ چھ آدمیوں کی قطار کھڑی کر دی۔

''یہ ہمارے ڈائرکٹر ہیں، مسٹر ہٹ مین''۔

''او، شوئر!''

وہ ان سے باری باری ملنے لگا۔

''ہاؤ ڈو یو ڈو؟''

''اینڈ، مسٹر ٹوپی والا''۔

''ہاؤ ڈو یو ڈو، مسٹر ٹوپی والا؟''

''اینڈ...''

پہلے دو ایک اشخاص سے مل کر ہی وہ بور ہونے لگا اور جی ہی جی میں ہنسنے لگا کہ وہ ان دور دراز کے اجنبیوں سے ان کا حال چال کیوں پوچھے جا رہا ہے... مجھے کیا غرض؟... ہاؤ ڈو یو ڈو؟... غرض تو ہے۔ ہماری یکساں بیوپاری دلچسپیاں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟... ہاؤ ڈو یو ڈو؟.. نوہوں کے بغیر کامیاب مارکیٹنگ کیسے انجام پائے؟ خبر تو

www.taemeernews.com

رکھنا ہی پڑتی ہے... جذبۂ خیر؟ نان سنس! یا چلو، جذبۂ خیر بھی سہی، مگر کھڑے کانوں، کھلی آنکھوں!... ہاؤ...؟۔ ایک عورت سے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے تعجب ہونے لگا کہ مسز لالہ دوبارہ ملنے کے لیے کیوں آ کھڑی ہوئی تو وہ اوہ! کہہ کر اس سے پوچھنے لگا'' کیا یہ خاتون آپ کی بہن ہیں؟''۔

'' سبھی اسے میری بہن سمجھتے ہیں''۔ مسز لالہ پھول کر کپا ہونے لگی تو واقعی گول مول سی لڑکی نظر آنے لگی۔'' یہ میری بیٹی کمو ہے''۔

'' ڈونٹ ٹیل می، اوشا جی!'' بلیک برڈ نے اسے راستے میں انڈیا ایکسپرٹ کی ہدایت کے مطابق، جی کہنے کی ریہرسل کروادی تھی، لہٰذا اس نے بلیک برڈ کی طرف دیکھ کر اپنی مارکیٹنگ کی داد چاہی.. سو اصل شے وہ شے بھی نہیں ہے۔ وہ خود کو بھی ویسے ہی حتمی انداز میں سمجھانے کا عادی تھا جیسے اپنے ماتحتوں کو... جس کی ہم مارکیٹنگ کرنا چاہتے ہیں۔ اصل شے مارکیٹنگ ہے، یعنی خواہ کچھ بھی نہ بیچو، مگر پورے دام وصول کرلو...'' ڈونٹ یو تھنک سو؟'' اس نے سوچتے سوچتے بہ آواز بلند جیکل سے پوچھ لیا۔ جیکل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا مگر اپنے باس کی عادت سے بخوبی واقف ہونے کے باعث اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا، مگر ہٹ مین اتنی دیر میں ایک اور ملنے والے سے ہاتھ ملا رہا تھا...

'' ہاؤ ڈو یو ڈو؟''... بہت اسمارٹ آدمی معلوم ہوتا ہے...'' کیا نام... مسٹر ڈی سوزا... ہماری کمپنی کا چیف آف پبلک ریلیشننگ... ویرگڈ!''... اے پرفیکٹ فگر!

'' ہم سب کام کرتے ہیں'' لالہ نے کہا۔'' مگر مسٹر ڈی سوزا، صرف باتیں''۔

'' نہیں مسٹر لالہ، کام کی باتیں کام سے بھی مہنگی ہوتی ہیں''۔ آئی ہوپ دی اولڈ بروٹ پیز ہم ویل۔'' جب ہم پھر ملیں گے مسٹر ڈی سوزا، تمھیں میں ان دنوں کی باتیں سناؤں گا جب میں بھی ایک جگہ پبلک ریلیشننگ کیا کرتا تھا۔ تم تو ہمارے چیف ہو۔ میں ایک معمولی پی۔ آر۔ او۔ تھا''۔

(۲)

پنڈت نہرو واقعتاً ہندوستان کا پہلا پرائم منسٹر تھا اور من موہن سنگھ حقیقتاً پہلا فنانس منسٹر۔ انگریزی راج کے بعد پنڈت جی نے ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ سٹائل میں پہلی بار ہماری

www.taemeernews.com

سیاسی آزادگی کا آئینی اقدام کیا تو نتیجتاً پوری نصف صدی کے اقتصادی جبس میں لوگ باگ روٹی کی بجائے روٹی کے نعرے کھا کھا کر پلتے رہے اور پھر وہاٹ ہاؤس کی گلوبل مارکیٹ اکانومی کا درس حفظ کر کے ہمارے سردار جی جب سرمایہ کاری کے کھنڈرات کو قابلِ ستائش بنانے کے درپے ہو گئے تو ہمارا جسم ہی چچا سیم کا سیاسی زندان بن گیا جسے بڑی آزادی سے جہاں چاہو لیے پھرو۔ ہندوستان میں ٹریڈ لبرلائزیشن کے آغاز میں ہی ہٹ مین نے اپنی بزنس ایمپائر کو بین الاقومی وسعت میں پھیلانے کی ٹھان لی اور اپنے نمائندۂ خاص جیکل نارمن کو تمام تر اختیارات عطا کر کے یہاں بھیج دیا اور اس کی سفارش پر بلا تامل ہٹ مین اینڈ لالہ فنانس (انڈیا) کی باقاعدہ تشکیل کی اجازت دے دی۔ پھر کوئی سال بھر میں ہی اس نے اپنے جیکل بوائے کی نہایت عمدہ کارگزاری سے خوش ہو کر اپنی انویسٹ منٹ کو دو چند کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اسے شاباش لکھی۔ بہت خوب جا رہے ہو، جیکل مائی ڈیئر۔ ہمارا فنانس کا دھندہ ایسے ہی چلتا ہے۔ ہم ڈالر لے کر ڈالر ہی بیچتے ہیں، یعنی لاؤ، دو ڈالر دو اور یہ لو ایک ڈالر لے لو، اور لینے والے کو لگے ہم کتنا سستے میں بیچ رہے ہیں۔ شاباش، جیکل بوائے، تمھاری سفارش کے مطابق اپنا سرمایہ دُگنا کر دینے میں مجھے کوئی عذر نہیں، اور بورڈ آف ڈائرکٹرز کی سالانہ میٹنگ میں اپنے اس فیصلے کا فارمل اعلان کرنے کے لیے میں ہندوستان آ رہا ہوں۔

لالہ سادھورام نے ہٹ مین اور اس کی سکریٹری کو اپنے ساتھ ہی چکور ولا کے گیسٹ ونگ میں ٹھہرانے کا طے کر رکھا تھا۔ جیکل نے اپنے باس کی ترجیحات کے خیال سے کہا بھی تھا کہ ہوٹل کی بکنگ ٹھیک رہے گی، مگر لالہ نے اسے ہوٹل کی بکنگ سے روک دیا تھا۔ ''اب ہم ایک ہی فیملی ہو گئے ہیں تو ہمارا گھر کیا مسٹر ہٹ مین کا بھی نہیں؟''

جیکل سمجھ نہ پایا کہ لالہ اور ہٹ مین کی فیملی ایک ہی کیسے ہو گئی۔

''مسٹر ہٹ مین تو نیویارک میں بھی ہوٹل میں ہی رہتا ہے''۔ اس نے لالہ کو بتایا۔

لالہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''کیوں، کیا اس کا کوئی گھر نہیں؟''

''کیوں، وہیں ہوٹل میں ہی مسٹر ہٹ مین نے اپنا گھر بنا رکھا ہے''۔ جیکل کو لالہ سادھورام کے تعجب پر تعجب ہونے لگا۔ ''بڑے آرام کا گھر ہے''۔

www.taemeernews.com

''ہاں ہاں، ساری بات تو آرام کی ہے، سو وہ جہاں بھی ملے''۔

لالہ سادھورام نے بھی دلّی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں اپنے لیے مستقل طور پر ایک لگژری اپارٹمنٹ بک کروا رکھا تھا، جس میں اس نے بھگوان کی مورتی ستھاپت کی ہوئی تھی اور جب بھی گھر اور پیشے کی الجھنوں سے اس کا جی گھبرانے لگتا وہ سب کچھ تیاگ کر، اپنے گھربار سے بے لاگ ہو کے کچھ اس مانند فائیو اسٹار ہوٹل کا رخ اختیار کر لیتا جیسے پراچین رشی منی جنگلوں کی اور ہو لیتے تھے۔

''جا تو رہے ہو''۔ اس کی بیوی اسے چھیڑا کرتی تھی۔ ''مگر بھگوان کو اکیلا وہاں چھوڑ رکھا ہے۔ کون جانے وہ بھی اپنی مورتی وہیں چھوڑ کے من لگانے کہیں نکلا ہوا ہو؟''

''ایسا کیسے؟ میں جب بھی جاتا ہوں بھگوان میری راہ دیکھ رہا ہوتا ہے''۔

''مجھے بھی ساتھ لے جاؤ تو جانوں''۔

''تم یہاں ساتھ ہو، اسی لیے تو گھر کے مندر کی مورتی پتھر کی پتھر ہے''۔

چکور وِلا دلّی کی آبادی سے پچیس تیس کلومیٹر کے فاصلے پر اپنے نام کی مطابقت سے چاروں طرف یکساں سراپا لیے زمین میں مضبوطی سے پاؤں گاڑ کر کھڑا تھا اور آس پاس کی کئی ایکڑ زمین پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ ہوائی اڈے سے وِلا پہنچ کر اوشا سادھورام انھیں گیسٹ وِنگ میں لے جانے سے پہلے گھر کے مندر میں لے گئی جو وِلا کے سائے میں ایک طرف نامعلوم گیتا کے کس ادھیائے کا پاٹھ کرتے ہوئے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

جب وہ مندر میں داخل ہوئے تو پجاری نے بھگوان کو بھول کر ہٹ مین کے چہرے پر اتنی شردھا اور بھگتی سے ٹکٹکی باندھ لی کہ بینکی کو خطرہ لاحق ہونے لگا کہ وہ کہیں پاگل نہ ہو۔

اوشا سادھو رام نے آگے بڑھ کر اسے ایک ہار تھما کر کہا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بھگوان کو ہار پہنائے، جو فرض ادا کرنے کے بعد ہٹ مین نے مورتی کو بغور دیکھتے ہوئے رائے دی۔ بڑی قیمتی مورتی ہے اوشا جی۔ نیویارک میں کم سے کم ایک سو ہزار ڈالر پر اٹھے''۔

''مورتیاں خود آپ نہیں اٹھتیں مسٹر ہٹ مین''۔ اوشا کی بیٹی کمو نے اسے ٹوکا۔ ''ہندوستان میں ہم ہی مورتیوں کے سامنے اٹھتے بیٹھتے ہیں''۔

www.taemeernews.com

ہٹ مین کمو کے اس تابناک مشاہدے پر چونک پڑا۔ گڑیا سی خوبصورت عورت ہے اور منا سا نام ہے کمو، مگر کتنی بڑی باتیں کرتی ہے۔ ''مس لالہ، کیا سبھی ہندوستانی عورتوں کے نام اتنے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کمو اور مسز لالہ کا نام۔ اوشا...؟''

''ہمارے ہندوستان میں لمبے چوڑے نام صرف مردوں کے ہوتے ہیں...''

''ہاں، جیسے مسٹر لالہ سادھورام...''

''نام تو تمھارا بولنے سے بھی منہ بھر جاتا ہے مسٹر ولیم ہٹ مین''۔

وہ مسکرانے لگا۔ ''مگر مجھے چھوٹا سا دِلی بہت پسند ہے۔ کاروباری میٹنگوں میں اپنا پورا نام سن کر مجھے اپنا آپ اپنے اولڈ ٹائم باپ دادا میں سے کوئی برٹش معلوم ہونے لگتا ہے''۔

کمو ہنس دی۔ ''امریکی مجھے اسی لیے اتنے اچھے لگتے ہیں۔ جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں اپنا نام چھوٹا کیے جاتے ہیں''۔

''ہاں مس لالہ، ہر وقت کسی لمبے چوڑے نام کا بوجھ سنبھالے رکھنے والا آدمی سدا ہانپتا رہتا ہے''۔

کمو کھلکھلا کر ہنس پڑی تو ہٹ مین کو بہت پیاری لگنے لگی۔ وہ اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔

''آؤ، مسٹر ہٹ مین، میں تمھیں گیسٹ ہاؤس چھوڑ آتی ہوں''۔

جب وہ مندر سے باہر نکل رہے تھے تو ان کی پشت پر نظر جمائے اوشا سادھورام کا پہلے سے ہی خوب پیڈ کیا ہوا سینہ فخر سے اور ابھر آیا۔ ہماری بیٹی کتنی بے دھڑک ہے، نری پری امریکی۔

چوکور والا کا گیسٹ ہاؤس والا کے عقب میں واقع تھا۔ راستے میں آگے پیچھے طویل و عریض رقبے میں بڑے اہتمام سے ہموار کی ہوئی رہگزاروں کے کناروں پر پھولوں کے انبوہ دھنک دھنکا کے عالم میں ایڑیوں پر کھڑے ہو کر انھیں دیکھ رہے تھے۔ ولیم ہٹ مین کو پھولوں کی یہ پوری بھیڑ بیک وقت اپنے ذہن میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور اسے بہت بھایا تھا۔ ''اتنے پھول میں نے زندگی بھر نہیں دیکھے۔ کیا مسٹر لالہ انھیں ایکسپورٹ کرتے

www.taemeernews.com

ہیں؟''

''میرے دماغ میں تو اتنی بھیڑ دیکھ کر دلّی کے ایک کروڑ لوگ گھس آتے ہیں اور وحشت ہوتی ہے، مگر پتاجی کہتے ہیں کہ...''

ہٹ مین اس کے منہ سے پتاجی سن کر بے اختیار اس لفظ کی صدائی سازش میں مبتلا ہوگیا۔ ''پتا؟۔ اس لفظ میں ایک شادماں چھلاوہ سا ہے''۔ وہ کمو سے پوچھنے لگا۔ ''کیا یہ تمھارے ڈیڈی کا گھریلو نام ہے؟''

''نہیں، غیر گھریلو!'' کمو بولی۔ ''گھر میں وہ ہوتے ہی کب ہیں۔ میرا مطلب ہے، گھر میں اپنا دفتر کھولے رہتے ہیں''۔

''بڑا اچھا لفظ ہے۔ پتاجی!۔ کیا مسٹر لالہ مجھے اجازت دے گا، میں بھی اسے پتاجی کہہ کر بلاؤں؟''

''میں کیا بتاؤں؟'' ہٹ مین کی خواہش پر وہ شاید یہ سوچ کر مسکرادی کہ کیا وہ اسے اپنے شوہر کے روپ میں قبول کرسکتی ہے۔ ''تم خود ہی پوچھ دیکھو''۔ پھولوں کی بھیڑ بھاڑ سے اسے پھر وحشت ہونے لگی۔ ''کیا تمھیں بھی بھیڑ سے گھبراہٹ نہیں ہونے لگتی۔ میں کبھی شہر میں جانکلتی ہوں تو ہجوم کے ہجوم سر پر چڑھے آتے ہیں''۔

ہٹ مین نے اسے ٹوک دیا۔ ''نہیں، مس لالہ آدمی تو قدرت کا سُپر کمپیوٹر ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان نے اسے ٹریڈ وردی بنانے کی طرف دھیان نہیں دیا۔ مال ساتھ ساتھ بکتا نہ رہے تو افراط قلت سے بھی خطرناک ثابت ہوتی ہے''۔

''سٹف! کیا آدمی بھی کوئی بکنے کی شے ہے؟''

''وائی ناٹ؟ نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہ ہو''۔ اپنے منہ کو اتنی باتوں سے بھراپا کر ہٹ مین کو خفیف سا خیال آیا کہ میں اسے دل تو نہیں دے بیٹھا؟... وہ اپنی ہنسی نہ روک سکا... تو پھر میں سانس کیوں کر لے رہا ہوں؟'' ہم جہاں جو بھی بیچتے ہیں مس لالہ، وہاں دراصل اپنا ہی بھاؤ تاؤ کرتے ہیں''۔

''تم تو میرے باپ کے بھی باپ معلوم ہوتے ہو، مسٹر ہٹ مین''۔

''اسی رعایت کی بدولت تو۔ کیا کہا تھا تم نے؟۔ وہ۔ پتاجی کی اتنی خوبصورت بیٹی کی

www.taemeernews.com

رہبری میں مزے سے گھوم پھر رہا ہوں''۔ اسے اپنے نیویارک کے بزنس کونسلر کی تنبیہ یاد آئی جو اس نے اسے جین آسٹن کا کوئی ناول پیش کرتے ہوئے کی تھی۔ یہ ناول پڑھ لو اور ہندوستانی عورتوں سے ملاقات پر ہمیشہ اتنی جگہ درمیان میں بنائے رکھو کہ ان کے والدین کھڑے ہوسکیں۔ وہ ناول ہٹ مین نے اسی دم اپنے کونسلر کو لوٹا دیا تھا۔ نو، اولڈ بوائے، اتنا لمبا ناول مجھے پڑھنا ہو تو تمھیں کس بات کی تنخواہ دیتا رہوں؟ تمھاری بات میری سمجھ میں آگئی ہے... مگر اس وقت اس کی سمجھ جواب دے رہی تھی۔ یہ حسینہ مجھے فاصلے پر ہی رکے تھے پاکر سوچے گی مجھے ٹھیک نمبر کے جوتے پہننے کی بھی تمیز نہیں۔ وہ ہنس پڑا۔ جس پر کمو نے کچھ کہنے کو منہ ابھی کھولا ہی تھا کہ وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ بلیک برڈ پہلے ہی یہاں پہنچ کر دروازے پر اپنے باس کا انتظار کر رہی تھی۔

''سولانگ، مسٹر ہٹ مین، ٹل وئی میٹ ایٹ ڈِنر''۔ لالہ سادھو رام نے آج شام کو اسے اور بلیک برڈ کو فیملی ڈنر پر مدعو کر رکھا تھا۔ ''اپنی بحث ہم وہیں پوری کریں گے''۔

''یس، مس لالہ، سولانگ!''

کمو منہ موڑتے ہوئے رک گئی۔ ''بھوک بچا کر رکھنا۔ ہمارا ویجیٹیرین فوڈ کھا کر تم جانداروں کو کھانا بھول جاؤ گے''۔

ہٹ مین اس کی پیٹھ پر آنکھیں ٹکائے اپنا خالی منہ ہلائے جا رہا تھا۔

(۳)

ہٹ مین اور بلیک برڈ دونوں اپنے سویٹ میں داخل ہوئے تو سکریٹری نے اپنے مالک کو حکم دیا، اب تم اچھے بچوں کی طرح تھوڑی دیر آرام سے سو جاؤ۔

''ہاں، برڈی، اپنے میزبانوں سے بھلی بھلی باتیں کر کے میرا منہ اکڑ گیا ہے''۔

''تو کیا ہوا۔ میرے ساتھ چند بری باتیں کر کے منہ ڈھیلا کر لو''۔

''لاؤ، پہلے میرے لیے ایک کراؤن وہسکی تیار کر کے لاؤ''۔ سویٹ کے پارلر میں ہٹ مین کی نظر سب سے پہلے بار کاؤنٹر پر پڑی تھی۔ ''معلوم ہوتا ہے لالہ راسکل اس لیے ٹی ٹوٹلر ہے کہ اوروں کو نشے میں دُھت کرتا رہے اور اس طرح اس کے دل میں اپنی وقعت اور بڑھ جائے''۔

www.taemeernews.com

جتنی دیر ہٹ مین کھڑے کھڑے سویٹ کا جائزہ لیتا رہا، بلیک برڈ دو گلاسوں میں وہسکی بھرلائی۔ ہٹ مین اس سے ایک گلاس پکڑ کر صوفے میں دھنس گیا اور ایک ہی ڈیک میں وہسکی کا اتنا بڑا پیگ خالی کر دیا۔ ''اور!''

''اس شرط پر، کہ کپڑے اتار کر ایک دم سو جاؤ گے''۔ وہ اس کے لیے ایک اور پیگ تیار کرنے کے لیے بار کاؤنٹر کی طرف مُڑ گئی۔ ''دائیں طرف ہمارے لیے دو نہایت کوزی بیڈ روم ہیں''۔

''ایک ہی کیوں نہیں؟ ہم کوئی میاں بیوی ہیں جو الگ الگ سوئیں؟'' ہٹ مین نے اس کی پیٹھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''آؤ، سو جائیں، دوسرا پیگ رہنے دو''۔

''نہیں، اب پی ہی لو''۔ بلیک برڈ نے سوچا کہ نشے میں غنودگی ذرا بڑھ جائے گی تو وہ آرام سے سو جائے گا۔

ہٹ مین اچانک کچھ سوچ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''برڈی میری بیوی حرافہ نیویارک میں اپنے پچھلے شوہر کے ساتھ گل چھرے اڑا رہی ہوگی''۔ ہٹ مین کی یہ تیسری شادی تھی... ''اور...''

اور... اور... برڈی نے خوش ہو کر سوچا... اِس کرسمس تک تو ان کی طلاق انجام پا ہی جائے گی... پھر... وہ اسے وہسکی کا گلاس تھما کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی... پھر کیا؟... مارکیٹ اوپن ہو تو اتنا بڑا فنانسر ایسا سنہری موقع کہاں کھوتا ہے؟... برڈی کا باپ اگرچہ گھپ نیگرو تھا مگر اس کی ماں تڑک گوری، سو وہ کسی سنہری موقع سے ہرگز کم نہ تھی، چہرہ پکے تانبے کی پوری تاب لیے ہوئے اور بال ہر چند کہ سیدھے، تاہم بڑی دلآویزی سے چھلا چھلا بھی۔ ایک دفعہ نیویارک میں جب آزادئ نسواں پر تقریر کرتے ہوئے اس کے رخسار تمتما اٹھے تھے تو ہٹ مین نے اسے تنبیہ کی تھی، اپنے آپ کو سنبھال کے رکھو برڈی، میں ہر من پسند شے کو خرید لیتا ہوں، اور شے اگر ذی جان ہو تو ظاہر ہے، اس کی قیمت اسے ہی ادا کرتا ہوں تاکہ ادائیگی کی رقم بھی میری ہی ملکیت میں رہے... ڈیول اِن کارنیٹ!... برڈی نے محبوبیت سے اسے جواب دیا تھا اور وہ ساری رات اسی کے ساتھ گزاری تھی۔

ہٹ مین نے اپنا دوسرا گلاس بھی جھٹ چڑھا لیا اور پھر اسے برڈی کی طرف بڑھا کر

www.taemeernews.com

کہا ''ایک اور لاؤ''۔

''نہیں، اور نہیں! چلو اب میں تمھیں سلا دیتی ہوں''۔

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی کمر میں باہیں ڈال کر بغل کے بیڈ روم میں بستر پر آ گرے اور برڈی اس پر جھکے جھکے اس کا سر بھی سہلاتی رہی اور اسے چوم چوم کر امریکی نیگروں کی وہ جادوئی لوری بھی گنگناتی رہی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ نیند کے غلبے میں جب عاشقوں کے تحت الشعور میں محبوباؤں کی آواز راہ پالیتی ہے تو وہ جاگتے میں بھی ان کے پیچھے اسی طرح بھاگتے پھرتے ہیں جس طرح سوتے میں۔

ہٹ مین جھٹ ہی سو گیا، مگر وہ اپنی آنکھیں ویسے ہی کھولے ہوئے تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کوئی لاش بہ چشم وا بدستور سانس بھر رہی ہے۔ بلیک برڈ نے جب اسے پہلی بار اس حالت میں پایا تھا تو خوف سے چیخ مار کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی، مگر اب وہ عادی ہو چکی تھی، لہٰذا بڑے اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر اس نے ہٹ مین کی آنکھیں آہستگی سے بند کر دیں، مانو بتی بجھائی ہو۔

''ڈاکٹر''۔ ہٹ مین کے سائی کی ائیرسٹ نے جب ب کے پہلے وزٹ پر اس کے اس مرض کے تعلق سے تفصیلات بیان کرنے کو کہا تھا تو اس نے بتایا تھا ''میں سو تو رہا ہوتا ہوں، لیکن مجھے سب کچھ ہو بہو نظر آ رہا ہوتا ہے...''

''تو پھر تم سو کیوں کر رہے ہوتے ہو؟''

''جیسے تم سوتے ہو، ڈاکٹر! لیکن چوں کہ میں دیکھ بھی رہا ہوتا ہوں اس لیے جو سچ مچ دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ مجھے خواب میں ہی دکھ رہا ہوتا ہے...''

''نو ڈاکٹر! نو! میری پچھلی بیوی بھی یقین نہ کرتی تھی مگر ایک دفعہ جب میں نے اسے بہ تفصیل بتایا کہ وہ کیوں کر اپنے ایک عاشق کی گود میں جا بیٹھی تھی اور پھر وہ دونوں کیسے ایک دوسرے کے بدن میں گھسے جا رہے تھے تو اس کا ماتھا ٹھنکا اور مجھ سے جلدی جلدی معذرت مانگ کر اس نے تجویز کیا کہ میں فوری طور پر کسی ڈاکٹر سے رجوع کروں...''

ڈاکٹر نے ایک مدت تک اس کا علاج کیا اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا تو اسے یہ رائے دے کر کیس کلوز کر دیا کہ جب وہ کھلی آنکھوں سے سو رہا ہو تو کوئی آہستگی سے اس کی

www.taemeernews.com

آنکھیں بند کر دے، اور یہ طبی مشورہ واقعی کارگر ثابت ہوا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی وہ... ننھا منا ساوِلی کہیں اندھیروں سے دوڑتے ہوئے وارد ہو کر اپنی ماں کی گود میں آ گرتا اور اس کی ماں اسے چوم چاٹ رہی ہوتی تو ماں بیٹے کی شبیہ دھیرے دھیرے اندھیروں کی بڑی میٹھی حدت میں اتر جاتی اور نیند ہی نیند میں اسے اپنے کچھ بھی نہ ہونے کا نہایت راحت آگیں، نہایت سبک احساس ہونے لگتا اور پھر نامعلوم اجالا ہوتا، یا اندھیرا، اس کی بند آنکھوں کے سامنے پہاڑ، میدان، سمندر، آکاش... دو جہاں آپ ہی آپ ابھر آتے اور اسے معلوم ہوتا کہ وہ اپنے وجود کی بجائے انہی میں موجود ہے، یا نہ جانے، کیا؟... مگر اس کی نیند گہری ہوتی چلی جاتی، شعور خراٹے بھرنے لگتا اور تحت الشعور میں اس کی اولین نیکیاں رنگ برنگی تتلیوں کی صورت میں بھولے بھالے بکھر آتیں اور سو لینے کے بعد جب اس کی آنکھ کھلتی تو وہ مسکرا رہا ہوتا۔

ایسا ہوتا تو نہ تھا کہ اس کی سکریٹری یا کوئی اور... بیوی پر اسے بھروسہ نہ تھا... اس کے سو جانے پر اس کی آنکھیں بند نہ کرے، لیکن کبھی کبھار اتفاق سے ہو جاتا تو جاگنے پر ہٹ مین کو لگتا کہ وہ سویا ہی نہ تھا۔ اس نے اپنی دوسری بیوی کو اسی لیے طلاق دی تھی کہ ان کی کسی بات پر ٹھن جاتی تو وہ اسے سزا دینے کے لیے اس کی آنکھیں کھلی چھوڑے رکھتی۔

''میں دراصل ایک ایسی عورت کی تلاش میں ہوں برڈی'' اس نے ایک دفعہ اپنی سکریٹری سے کہا تھا۔ ''جو مجھے ہر رات ایک چھوٹی سی موت کے گھاٹ اتار دے''۔ پھر وہ، آپ ہی آپ ہنسنے لگا تھا۔ ''شاید اسی لیے مجھ سے شادی کے خیال پر ہر عورت پھولا نہیں سماتی''۔

''یو آر اے ویری ڈیئر راسکل، ولّی''۔ ہٹ مین کی سکریٹری نے اس کے کندھوں پر اپنی دونوں باہیں ڈال دی تھیں۔ ''آؤ اب ایک دوسرے سے لپٹ کر سو جائیں''۔

''مگر تم بھی سو گئیں برڈی، تو میں کیسے سو پاؤں گا؟''

برڈی کے ذہن میں یہ ڈر کہیں سے سانپ کی طرح رینگ کر گھس آیا تھا، میں اس آدمی کو شادی کے لیے رام تو کرتی رہتی ہوں، تاہم ہماری شادی ہو گئی تو مجھے ساری عمر آنکھوں میں گزارنا پڑ جائے گی۔

www.taemeernews.com

(۴)

لالہ سادھورام نے کمپنی کے چیف پی۔آر۔او ڈی سوزا اور ہٹ مین کے نمائندۂ خاص جیکل کو بھی اس خیال سے اپنے فیملی ڈنر پر مدعو کر رکھا تھا کہ پرسوں بورڈ آف ڈائرکٹرز کی میٹنگ ہے۔ اس گھریلو ڈنر پر بھی شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔ ڈی سوزا کے ساتھ اس کی خوش پوش شام رنگ بیوی پای بھی آئی تھی، آرائشی پیکنگ میں الکوہلک چاکلیٹ سی، جو گزشتہ زچگی پر ایک مردہ بچہ جننے کے بعد اور نشہ آور نکل آئی تھی۔ جیکل لالہ سادھورام کی اجازت سے اپنے ساتھ اسکول آف اکنامکس کی ناکتخدا، پرنسپل مس ہودی کو لے آیا تھا جو دو ایک ملاقاتوں میں ہی جیکل پر اس لیے عاشق ہوگئی تھی کہ خوش باش امریکی، اکیلا ہے اور اس سے بڑھ کے یہ، کہ ہمیشہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور اس سے بڑھ کے یہ، کہ شاید اس کے ذریعہ امریکہ میں مستقل رہائش کی کوئی صورت نکل آئے۔ لالہ سادھورام نے اپنے پریوار کے گورو شری شری امباجی مہاراج کو بھی آشیرواد کے لیے بھوجن پر بلا رکھا تھا۔

لالہ سادھورام نے چوکور ولا کی وِشال بھومی کے ہی ایک کونے میں ایک ٹیلے پر شری شری مہاراج کے لیے آشرم بنوا رکھا تھا اور مہاراج کی اچھا انوسار وہاں وہاں جنگل کا سماں باندھ کر ایک ہرنی اور دو ہرن چھوڑ رکھے تھے۔ یہ دونوں ہرن ہرنی سے بھوگ ولاس میں پہل کے لیے ایک دوسرے کے سینگوں میں سینگ ڈال کر لڑتے بھڑتے رہتے اور شری شری مہاراج اس سمے تک ہری اوم، ہری اوم کا پاٹھ کرتے ہوئے انھیں دیکھ کر اتی پرسن ہوتے جب تک ایک دوسرے کو پچھاڑ کر ہرنی کو اپنے آگے لگا کے پرے پار کی جھاڑیوں کی اور نہ ہو لیتا۔

اپنی سکریٹری کے پیچھے پیچھے ہٹ مین جب لالہ سادھورام کی پارلر میں داخل ہوا تو کمو کی طرف نظر اٹھنے پر تھم کر رہ گیا۔ کمو کے چاندنی بھرے چہرے کے عقب میں اس کے کھلے سیاہ بال آبشار کی طرح اُس کی پیٹھ سے کولہوں تک پھسل کر گھٹنوں میں نامعلوم کہاں جا غائب ہوئے تھے۔

''اتنے لمبے اور اتنے سیاہ، جیسے...''

''جیسے؟...'' ہٹ مین سے پوچھتے ہوئے کمو کا گیلا گیلا پورا چاند گویا آبشار پر کھنچ آیا۔

www.taemeernews.com

''جیسے...'' ہٹ مین کو اپنی کوئی اسکول ٹائم کہانی یاد آ گئی۔

''جیسے کوئی درجن گاڈیسیس اچانک اپنی داستان سے باہر نکل آئی ہوں''۔

اتنے میں کمو کی ماں وہاں آ کر ان کے درمیان آ کھڑی ہوئی اور ہٹ مین نے اپنے امریکی کونسلر کی ہدایت کے مطابق اس کی ماں کی جگہ کھلی کرنے کے لیے ایک قدم پیچھے ہٹالیا۔ ''میں مس لالہ سے پوچھ رہا تھا اوشا جی، اس نے دن کی ملاقات پر اپنے اتنے سارے بال کہاں چھپا رکھے تھے؟''

''اپنے سر میں، اور کہاں''۔ اسے اتنی حیرت میں پا کر کمو کو اسے مزید حیران کرنے کی تحریک ہونے لگی۔ ''ابھی اور بھی کئی تہیں سر کے اندر جمار کھی ہیں''۔

''کیسے؟'' ہٹ مین کی آنکھوں میں نیویارک کے کسی ہوٹل میں حال ہی کا دیکھا ہوا ایک سٹرپ ٹیز شو گھوم گیا جس میں ایک لڑکی ناچ ناچ کر اپنے بدن کے کپڑے اتنے اشتہائی انداز سے اتارتی جا رہی تھی کہ تماشائی کی نظر بدحواس ہو کر اس کے باقی انگوں کا جامہ خود ہی تار تار کرنے لگتی تھی... اب!... اور اب!... مگر یہ لڑکی تو ہر ''اب'' کے بعد اپنے لباس کو اور بھاری کر لیتی ہے... ہٹ مین اپنے سر کو کھجانے لگا... ''کیسے؟'' اب کے شاید اس نے خود سے ہی پوچھا تھا۔

''کیسے کیا؟'' یہاں سے تمھاری روانگی سے پہلے اپنے بال کٹوا دوں گی اور پھر اپنی واپسی پر دیکھ لینا، کیسے اس سے بھی لمبے اُگ آئے ہوں گے''۔

ہٹ مین نے اپنے آپ کو تھام کر جواب دیا ''مگر میں تو اگلے ہی ماہ پھر آ رہا ہوں مس لالہ''۔

''کیا واقعی؟'' کمو کی ماں نے خوشی کا اظہار کرنے کے لیے پوچھا۔ اسی دوران کہیں سے لالہ سادھو رام بھی اپنے گورو شری شری مہاراج کو ساتھ لیے آن وارد ہوا اور ان کے پیچھے پیچھے جیکل اور ہووی بھی۔

''ویلکم، مسٹر ہٹ مین''۔ لالہ سادھو رام نے اپنے گورو کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمارے گورو دیو شری شری مہاراج سے ملو''۔

ہٹ مین کو اس کے امریکی کونسلر نے بتایا تھا کہ ہندوستان میں گیروے کپڑوں

www.taemeernews.com

والوں سے ملاقات پر ہمیشہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر ان سے ملو، چنانچہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنا سر جھکا لیا اور گورو دیو مہودے نے پرسن ہو کر اپنا دایاں ہاتھ سیدھا اٹھا کے کچھ اس مانند خالی ہتھیلی کھول دی جیسے اس میں سے دو جہان کا ہن برس رہا ہو۔

کمو گورو مہاراج کی چہیتی تھی اور کچھ بھی بول دیتی تھی۔

''گورو دیو''۔ وہ، گورو دیو سے اس لیے انگریزی میں مخاطب ہوئی تھی کہ اس کی بات ہٹ مین کی سمجھ میں آنے سے نہ رہ جائے۔ ''اندرا گاندھی کے الیکشن سمبل کا سہارا کیوں؟ کیا مسٹر ہٹ مین کا ووٹ مانگا جا رہا ہے؟''

''بڑی چنچل ہو، سپتری''۔ گورو دیو کی پلی ہوئی دیسی داڑھی مونچھوں میں اس کا منہ کسی معجزاتی غار کے سوراخ کی طرح کھلا۔

ہٹ مین اپنے جوڑے ہوئے ہاتھوں کو الگ کرنا بھول گیا تھا جس سے بلیک برڈ پریشان سی ہونے لگی تھی، اسے یاد دلانے کے لیے اس نے آگے بڑھ کر ان پر اپنا کیمرہ کھول دیا۔

''آیئے!'' ہوسٹس نے سبھوں کو صوفوں کی طرف بڑھ آنے کا اشارہ کیا۔

لالہ سادھو رام اور ہٹ مین نے ایک وسیع تر مرکزی صوفے کی طرف قدم بڑھائے اور اوشا سادھو رام کے مؤدب اشارے پر شری شری مہاراج کو ایک سنگل سٹیر پر براجمان ہوتے پا کر دوسرے بھی جہاں جگہ ملی، بیٹھ گئے۔

جیکل موقع ملتے ہی ہٹ مین کو اپنی دوست پرنسپل ہووی سے متعارف کرانے لگا۔

''یہ میری دوست پرنسپل ہووی ہیں، مسٹر ہٹ مین، ایشیائی اقتصادیات کا ایک بڑا نام!''

''چھوٹے نام اکثر بہت بڑے ہوتے ہیں''۔

ہٹ مین کا یہ جملہ سن کر ہووی بیک وقت عالم اور اور محبوب نظر آتے ہوئے پھیلنے اور سمٹنے لگی... دبراؤن بیج!... ہٹ مین نے جی ہی جی میں کہا اور بولا ''میں نے کئی بار سوچا کہ اپنے نام میں صرف ہٹ رہنے دوں، یا صرف مین، مگر میرے تعلقات عامہ کے امریکی چیف نے مجھے روک دیا...'' اس کی نظر اچانک ڈی سوزا پر پڑ گئی جو اپنی بیوی سے جڑ کر اس کی توجہ کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے گویا ڈی سوزا سے ہائی، کہنے کے لیے اس سے پوچھ لیا۔

www.taemeernews.com

''تمھارا کیا خیال ہے ڈی سوزا؟''

ڈی سوزا کا کوئی خیال نہ تھا، سو اس نے اپنے سر کے اندر ہی سر جھٹک کر وہی کہا جو کہنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ''یہ میری بیوی ہے سر... پامی...''

''ہائی، پامی!'' ڈی سوزا کی بیوی اسے گھڑ گھڑ کر وضع کی ہوئی مورت سی لگی جس پہ اس کے بالے شوہر کی تعریفی نظریں بیس بال کھیلتے ہوئے ہوم رن بنائے جا رہی تھیں۔ حالاں کہ ہٹ مین کو بلا پکڑنا بھی نہ آتا تھا پھر بھی اسے ہر رات کوٹی۔ وی پر بیس بال دیکھنے کا اتنا شوق تھا کہ اس کی پہلی بیوی سونے کے لیے اکثر کسی اور کمرے میں چلی جاتی۔

''تمھارے ساتھ سونے سے تو یہی بہتر ہے کہ اپنے ساتھ ہی پڑی رہوں''۔

''نو مائی ڈیئر وائف، کیا تم خود کو اتنا گیا گزرا سمجھتی ہو؟''

ہٹ مین کو اچانک خواہش ہونے لگی کہ وہ بھی ڈی سوزا کی طرح کسی عورت پر نظر جمائے اسے اپنا آپ سونپ دے، مگر کسے؟... بلیک برڈ کو؟... وہ تو اس سے بھی پہلے اسے دیکھنا شروع کر دیتی ہے... پرنسپل ہووی کو؟... وہ اپنی ہی نظر کی آڑ میں اوجھل ہے... اس نے مسز لالہ کی طرف دیکھا جس کی تجربہ کار مسکراہٹ صرف اس کے منع کوش لالہ کی وجہ سے اس کا ریپ کرنے سے احتراز کر رہی تھی... وہ کسی کو بھی اپنا آپ سونپ دینا چاہتا تھا، مگر کسے؟... اس کی آنکھیں کمو کی بے دھڑک آنکھوں سے ٹکرا گئیں اور اس کے بالوں میں اوندھی جا گریں۔

لالہ سادھو رام کا سکریٹری ایک فائل لے آیا اور اسے لالہ کو پیش کیا۔ لالہ نے اسے ہٹ مین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''اس میں پرسوں کی میٹنگ کا پروگرام ہے مسٹر ہٹ مین، اگر کوئی ترمیم کرنا چاہو تو، ابھی کر لیتے ہیں''۔

ہٹ مین فائل لے کر بولا ''ترمیم کیوں؟'' اور اسے بلیک برڈ کی طرف بڑھا دیا۔

''مجھے کسی سخت ترین ڈرنک کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے''۔ ہٹ مین ڈرنے لگا تھا کہ لالہ سادھو رام انھیں سوکھے سوکھے ہی ویجیٹیرین فوڈ کی میز پر نہ ہانک لے جائے۔

عین اسی دم دو باوردی بیرے ڈرنکس کے ٹرے سنبھالے آ گئے۔

''وِدھ سوڈا سر؟''

www.taemeernews.com

''نو، نیٹ، اینڈ تھری ان وَن''۔ ہٹ مین نے بیرے کو ہدایت کی۔

شری شری مہاراج کے لیے چاندی کے گلاس میں بھنگ کی لسی آئی اور لالہ سادھورام کے لیے فالسے کا شربت جو لالہ اپنے گورو کے مشورے پر بلا ناغہ لیا کرتا تھا اور اوروں کے لیے، جو چاہو لے لو۔

''نو، نیٹ!'' کمو کو سن کر اس کی ماں نے اسے روک دینا چاہا۔ ''نہیں، کمو، میری طرح سوڈا ملا کر پیو''۔

''تمھاری مشکل یہ ہے ممی، کہ تم نرم بھی پی جانا چاہتی ہو اور سخت بھی''۔

اس لڑکی کو کب عقل آئے گی؟... مسز لالہ نے سوچا... سب کے سامنے جو منہ میں آئے، بک دیتی ہے۔

''تمھاری ممی کی ترجیح یہ ظاہر کرتی ہے'' ہٹ مین کمو کو بتانے لگا'' کہ وہ ہمارے یو۔ ایس۔ اے کی نہایت مناسب پریزیڈنٹ ثابت ہوں گی۔

ہٹ مین کو سن کر مسز لالہ فرطِ مسرت سے اپنی بیٹی سے بھی چھوٹی معلوم ہونے لگی۔

''ری آلی؟''

''تم کبھی ہماری دیسی ڈرنک بھی پی کر دیکھو، مسٹر ہٹ مین''

شری شری مہاراج نے اس کی طرف اپنا گلاس بڑھا کر کہا۔ ''چیئرز!''

''چیئرز! لالہ سادھورام بھی اپنا فالسے کا گلاس سب سے اونچا کر کے بولا۔

''میں نے سن رکھا ہے کہ انڈیا کے ہولی مین اتنی نشہ آور ڈرنک لیتے ہیں''۔ ہٹ مین اس سے پوچھنے لگا'' کہ گاڈ آل مائٹی جہاں بھی ہو وہاں سے دوڑ کر ان کے سامنے آ بیٹھتا ہے؟''۔

''ہاں، تمھیں بھی گاڈ کے درشن کرنا ہو تو ہماری یہ ڈرنک پی کر دیکھو''۔ شری شری مہاراج اسے بتانے لگا۔

''ہمارے دیوتا لوگ اسے سوم رس کہا کرتے تھے''۔

''نو، ریورنڈ شری شری مہاراج، تھینک یو! اگر گاڈ آل مائٹی کو میرا سراغ مل گیا تو میری بنی بنائی بزنس ایمپائر پر ریجھ کر وہی اس پر قبضہ کر لے گا''۔ وہ سب کی طرف دیکھ کر

www.taemeernews.com

ہنسنے لگا۔ ''میں تو اپنے ملک میں بھی اسی لیے گرجوں سے دور رہتا ہوں''۔

''نہیں، مسٹر ہٹ مین''۔ شری شری مہاراج نے اس سے کہا'' گاڈ کی بھگتی کرو تو وہ بھی تمھارا بھگت بن جاتا ہے''۔

''ہٹ مین شری شری مہاراج کے جملے کو اپنی سوچ میں گھلتا ہوا محسوس کر کے رک گیا۔'' ونڈرفل! اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ آپ کے ملک میں لوگ لوگوں کی ہی عبادت کیوں کرتے ہیں؟'' اس کا جی چاہا کہ اپنا بیان جاری رکھنے سے پہلے وہ دو چار گھونٹ اپنے حلق سے اتار لے۔'' تھینک یو ریورنڈ مہاراج! روحانی اعتبار سے آپ واقعی ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہمارے یہاں عبادتی انڈسٹری اسی لیے جوکھم میں ہے کہ خدا ہمیں بہت مہنگا دستیاب ہوتا ہے، جب کہ آپ کے یہاں صارفین اپنی سہولت کے مطابق اسے اپنے ہی قد بد میں گھٹا بڑھا لیتے ہیں، لہٰذا جسے مان لیں، وہی خدا، اور جو بھی قیمت ملے، وہ سارے کا سارا نفع...''

''میں نے پڑھا تھا مسٹر ہٹ مین''۔ ڈی سوزا نے اسے بتایا۔'' کئی لوگ ہمارے یہاں اپنے دیوی دیوتاؤں کے ساتھ مہاتما گاندھی کی بھی پوجا کرتے ہیں''۔

''اینڈ وائی ناٹ؟'' ہٹ مین نے اپنا گلاس شری شری مہاراج کی طرف کر کے اوپر اٹھالیا'' ہیرز فار یوَر فیوچر، مائی ڈیئر ریورنڈ مہاراج''۔

''ہماری کمو کی طرح مسٹر ہٹ مین بھی بہت چنچل ہے سادھو رام''۔ شری شری مہاراج نے اپنے مرید کو مخاطب کر کے ان دونوں کی جانب دیکھا اور مسکرا کر اپنی بھنگ کی لسی کا گھونٹ بھرنے کے لیے چاندی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

''تمھارے نزدیک آدمی بھی بکنے کی شے ہے مسٹر ہٹ مین، اور خدا بھی''۔ کمو کی سرزنش بھی محبوبیت سے مبرا نہ تھی۔'' آخر کچھ تو ہوگا جو بازار سے حاصل نہیں ہوتا''۔

'' کیوں، جسے بازار نے ناقابلِ فروخت قرار دے کر رد کر دیا ہو''۔ پتا جی، یاد، آ جانے پر اسے یہ کہہ دینے کی بھی ترغیب ہوئی'' یقین نہ ہو تو اپنے پتا جی سے بھی پوچھ لو''۔

''مسٹر ہٹ مین ہمارے دور کی سچائیاں ہی بیان کر رہا ہے بٹی۔ پہلے راجا راج کرتا تھا اور آج؟...آج بھی راجا ہی راج کرتا ہے''۔ اپنی بات کو کھولنے کے لیے لالہ نے

www.taemeernews.com

اضافہ کیا۔ ''پہلے بھی قدر عامہ کے قانونی یقین کا وہی مجاز تھا جسے فنانس پر کنٹرول ہو اور آج بھی''۔

''مگر پتا جی، آج مرد و زن کو غلام بنا کر کھلی منڈیوں میں فروخت نہیں کیا جا سکتا؟''

''تو اچھا ہی ہے۔ فروخت کی کاسٹ بچ گئی''۔ ہٹ مین نے بیرے کو اور وہسکی لانے کا اشارہ کیا۔ ''آج ہر کوئی خود آپ ہی اپنی فروخت کی تدبیر کر لیتا ہے... کیوں، میڈم ہووی؟''...ہووی سے نظریں ملنے پر اس نے دریافت کر لیا۔

''نہیں میں آپ سے متفق نہیں ہوں''۔ سب نے کان کھڑے کر لیے کہ ملک کی سب سے معزز درسگاہ کی پرنسپل ہے، ضرور کوئی پتے کی بات کہے گی۔ مگر اپنی آواز پر بڑی محبت سے کان دھرے اچانک اسے لگا کہ وہ اپنے طلباء سے مخاطب ہے سو خطابیہ لہجہ اختیار کر کے اس نے اپنی بات کو حتمی طور پر یہیں ختم کر دیا ''آج کوڑے مار مار کر کسی کی جان نہیں لی جا سکتی''۔

''تو اس میں کیا مشکل ہے؟ مسکرائیں اور آنکھیں مار مار کر جان لے لیجیے، میڈم!'' آنکھوں کے ذکر سے ہٹ مین کو خیال آیا کہ اسے تادیر نہیں جاگنا چاہیے۔ کل صبح اسے ایلورہ کیوز دیکھنے اورنگ آباد جانا ہے...وہ جبلی طور پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

بلیک برڈ نے مسکرانے کے لیے اپنا گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ ''میں یہاں ہوں''۔

ہٹ مین نے سوچا کہ اگر وہ نہ ہوتی تو چوبیس گھنٹے کی بیداری سے اس کا دم اب تک نکل چکا ہوتا۔ ''ہاں، تم ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہو۔ میں ہی بھول جاتا ہوں''۔

بلیک برڈ نے جی ہی جی میں اسے جواب دیا۔ واپس سٹیٹس پہنچ کر میرے سوا تمھارے ساتھ کون ہوگا جو مجھے بھول جاؤ۔ یہ لمبے بالوں والی ہندوستانی جادوگرنی تو تمھیں جہاز میں بٹھا کر گھر لوٹنے سے پہلے ہی بھول جائے گی۔

''بات یہ ہے مس لالہ''۔ ہٹ مین کمو سے ہم کلام تھا۔ ''کہ''۔

''ٹھہرو! پہلے، مجھے یہ بتاؤ، کیا میرا کوئی نام نہیں؟ جب سے آئے ہو مس لالہ، مس لالہ بلا بلا کر بور کیے جا رہے ہو...'' لالہ سادھو رام اور اوشا لالہ فخر مندی سے اپنی اکلوتی اولاد کی طرف دیکھنے لگے کہ کتنی خوش اسلوبی سے معزز مہمان کو راہ پر لا رہی ہے۔ ان کا گورو بھی

www.taemeernews.com

مطمئن تھا کہ بے تکلفی گنٹھ جانے پر کاروبار میں بہت آسانیاں میسر آجاتی ہیں۔ بلیک برڈ البتہ ذرا فاصلے پر بیٹھی گویا دشت بصارت میں اپنی چاروں ٹانگوں پر کھڑی تھی اور اس کے کچے گوشت پر منہ مار رہی تھی۔

''اگر تم یہیں رہ رہے ہوتے''۔ کمو بولے جارہی تھی۔ ''تو ہم دونوں بڑے اطمینان سے دو چار سال اور مس لالہ اور مسٹر ہٹ مین بنے رہتے، مگر تم تو دو چار دن کے لیے ہی یہاں آئے ہو۔ ہمارے پاس باقی وقت ہی کتنا بچا ہے؟...''

''ہاؤ سویٹ آف یو، کامو؟ میں واقعی بہت امپریس ہوا ہوں''۔

''کامو نہیں، کمو!... کل صبح میں تمھیں اڑا کر اورنگ آباد لے جارہی ہوں''۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ لالہ خاندان سے صرف کموان کے پرائیویٹ کرافٹ میں اس کے ساتھ جائے گی۔ ''ہم سارا دن وہاں ایک دوسرے کو امپریس کریں گے اور ڈنر سے پہلے دلّی لوٹ آئیں گے''۔

(۵)

کمو اورہٹ مین اودے پور ایئرپورٹ پر بریک فاسٹ کے لیے اترے تھے اور اس وقت کمو اپنے مہمان کو بادلوں سے بھی اوپر اورنگ آباد کی اور اڑائے لیے جارہی تھی۔ اودے پور ہوائی اڈّے کے ریستوران میں باوردی بیروں نے شوخ خاکی رنگ کی اتنی بڑی بڑی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا سروں پر چمکیلی مٹی کے ٹوکرے اٹھائے ہوئے ہیں۔

ہٹ مین کا دھیان اچانک ان کی طرف چلا گیا اور وہ کمو سے پوچھنے لگا ''بیرے سروں پر لمبے لمبے خاکی کپڑے کس کر منہ کیوں چھپائے ہوئے تھے؟''

''وہ پتاجی کی طرح پگڑی باندھے ہوئے تھے ولی۔ پگڑی ہمارے یہاں عزت کی علامت ہے''۔

''مگر ان لوگوں کو تو عزت سے زیادہ پیسے کی ضرورت ہے۔ تم نے جب اس بوڑھے بیرے کو ٹپ دیا تھا تو کس طرح اپنی عزت کو جھکا جھکا کر تمھارے پیروں میں ڈال رہا تھا...''

www.taemeernews.com

''مگر...'' وہ ٹپٹا سی گئی کہ کیا کہے۔

''مگر تم ٹھیک کہتی ہو''۔ ہٹ مین نے گویا اس کی مدد کے لیے اضافہ کیا۔'' جس کے پاس بیچنے کو صرف عزت ہو، وہ اور کیا بیچے؟''

''تم امریکی باتیں کرنا بالکل نہیں جانتے۔ بس بحثیں کرتے رہتے ہو، تاکہ اپنی جیت کے پوائنٹ بڑھاتے رہو''۔ وہ اپنی کنپٹی کے بالوں پر انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔'' تم نے دیکھا، ویجیٹیرین فوڈ کتنا لذیذ ہوتا ہے!''

''ہاں، اس میں کیا شک ہے؟'' اس کا منہ اس کے کندھوں پر جھکتا چلا آرہا تھا۔

کمو بڑی تیکھی مسکراہٹ سے اس سے ذرا پرے ہٹ گئی۔'' مگر میں کھانا تو نہیں ہوں، مَین اِٹیر''۔ اسے نامعلوم بلیک برڈ کا خیال کیوں آ گیا۔'' جانتے ہو، تمھاری بلیک برڈ کیوں نہیں آئی؟''

''اس نے کہا تھا، میرا بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے''۔

''نہیں، اسے وہیں روکنے کے لیے میں نے تمھارے جیکل کو پٹا لیا تھا۔ تمھارا بہت وفادار ہے۔ کہنے لگا مجھے یقین ہے میرا باس بھی یہی چاہے گا...''

''ہاں، مجھے سوجھا ہی نہ تھا کہ ہم دونوں کا ساتھ اسے ایک آنکھ نہ بھائے گا۔ وہ تو میری بیوی کو بھی میرے ساتھ پا کر کڑھنے لگتی ہے''۔

''بیوی؟...''

''ہاں، نو موتھی میری تیسری بیوی ہے''۔ وہ رک گیا، شاید یہ سوچنے کے لیے، کہ منہ میں آئی ہوئی بات پوری کرے یا نہ کرے۔

''رک کیوں گئے؟''

''تمھاری دوستی حاصل کر کے اپنی نظروں میں میری وقعت یقیناً بڑھ گئی ہے''۔ اسے اپنے لہجے کی ڈرامائیت کھلی'' اس لیے...''

''میں نے تو اس لیے تم سے دوستی کی ٹھانی تھی... مگر صرف دوستی... اوکے؟... اس لیے ٹھانی تھی کہ تمھیں اپنے آپ سے بے حد پیار ہے، اس لیے چھاپہ مار کر تم سے تمھیں الگ کر دوں''۔

www.taemeernews.com

''اورینٹل میجک، آرفلاسفی، آرسم تھنگ؟...''

''چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ، کیا کہتے کہتے رُک گئے تھے؟''

''میں تمھیں بتانا چاہتا تھا''۔ اس نے خود کو بتایا کہ وہ نرا پُرا احمق ہے۔ اتنے غیر مانوس فاصلوں پر بسی ہوئی اس عجیب و غریب نوبالغ لڑکی کو وہ کیوں کیا بتانا چاہتا ہے؟... کہ اس کی تیسری بیوی بھی اسے چھوڑ کر اپنے پہلے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، کہ وہ بالکل اکیلا ہے، دُکھی ہے، اور اس کے لمبے بالوں میں منہ چھپا کر رونا چاہتا ہے... وہ شاید سچ مچ رو دیا۔

مگر کمو نے اس سے پوچھا ''ہنس رہے ہو؟''

اسے اپنے کونسلر کے الفاظ یاد آئے:... ہاں، ایک وارننگ لمبے بالوں والی ہندوستانی عورتیں جادوگرنیاں ہوتی ہیں اور غیر مردوں کے ساتھ سونے کی بجائے اپنی جنسی خواہش بس اس طرح پورا کر لیتی ہیں کہ انھیں مرد سے گھوڑا بنا کر دیکھتی رہیں۔

اب کے وہ واقعی کھل کر ہنسا۔

''کیا تم پاگل ہو گئے وِلّی؟''

''نہیں، ہوش میں آ رہا ہوں''۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔ ''... ہاں تو میں تمھیں بتانا چاہ رہا تھا کہ تینوں بار میرا شادی کا تجربہ خوشگوار نہیں رہا، مگر میری سکریٹری ہمیشہ ثابت قدم اور وفادار ثابت ہوئی''۔ وہ کمر سیدھی کر کے بیٹھ گیا۔ ''کیا اس کا سیدھا نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ عورت کو بیوی بنانے کی بجائے بڑی موٹی تنخواہ پر اپنا پرسنل سکریٹری بنائے رکھو؟... وہاٹ ڈو یو سے؟''

کمو نے قہقہہ لگایا۔ ''میں کیا کہوں؟ اگر تمھیں صرف کاروباری سکریٹری کی ضرورت ہوتی تو میں بخوشی اپنی خدمات پیش کر دیتی، مگر مجھے تمھاری نیت پر بھروسہ نہیں''۔

''مگر میری برڈی کو مجھ پر پورا بھروسہ ہے''۔ وہ اپنی رو میں بہہ کر بولنے لگا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میرے علاوہ وہ اور بھی دو چار اشخاص میں گہری دلچسپی رکھتی ہے... ایک تو تمھارا جیکل ہی ہے... پھر بھی مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں...''

کمو کو اپنے بندھے ہوئے بالوں سے دباؤ محسوس ہونے لگا اور اس نے کلپ نکال کر

www.taemeernews.com

ایک خفیف سے جھٹکے سے انھیں گود میں پھیلا لیا، جس پر ہٹ مین سحر زدہ سا ہو کر لمحہ بھر تھم گیا... میں اس یکسر اجنبی لڑکی سے دو ایک روز میں ہی کتنا مانوس ہو گیا ہوں، مانو ہم نے ایک پوری عمر باہم گزاری ہو اور ہمارا جی نہ بھرا ہو اور ایک اور عمر کا آغاز کرنے کے لیے ہماری مڈبھیڑ ہو گئی ہو... کیا یہ ممکن ہے کہ... وہ اس سے شادی کے خیال پر اپنا مذاق اڑانے لگا۔

''تم کیا بتا رہے تھے؟''

''بتانا کیا ہے؟ تم نے اپنے جادو کے زور سے مجھے گھوڑا بنا دیا ہے، اس لیے ہنہنائے جا رہا ہوں''۔

''تو پھر ہنہناتے جاؤ''۔

''میں ایک مرض میں مبتلا ہوں کمو سارا دن آنکھیں کھولے رکھنے کے بعد جب میں سو جاتا ہوں تو میری آنکھیں بدستور کھلی رہتی ہیں، اور یقین کرو، اگر کوئی انھیں بند نہ کرے تو میں سوتے سوتے بھی ویسے ہی دیکھتا رہتا ہوں اور میرا یہ کام، میری آنکھوں کو نہایت آہستگی اور نرمی سے بند کرنے کا فریضہ برڈی نے اپنے ذمے لے رکھا ہے...''

پوئر بوائے! کمو کو احساس نہ تھا کہ جو شخص بظاہر اتنا چارہ کار ہو وہ دراصل اتنا لاچار ہے، مگر اپنی ایک سوچ پر اچھل کر وہ بولی۔ ''سونے سے پہلے تم آنکھوں پر پٹی کیوں نہیں باندھ لیا کرتے؟''

وہ پل بھر ٹھٹکا اور پھر مسرت سے بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ کر گویا ہوا۔

''ارے ہاں؟ یہ طریقہ تو ڈاکٹر کو بھی نہ سوجھا۔ اس نے نہایت گرمجوشی سے ہاتھ ملایا...

''تھینک یو، مس لالہ... آئی مین، مائی ویری ڈیئر کمو، تھینک یو ان ڈیڈ!''

''مگر رات کو آنکھوں پر پٹی باندھنے سے بھی ضروری ہے کہ دن کو ذہن پر پٹی باندھے رکھو اور الم غلم مت سوچا کرو''۔ کمو نے اس کے ہاتھ کی پشت کو اپنے دوسرے ہاتھ سے تھپتھپایا۔ ''اگر میں تمھاری ماں ہوتی تو اپنے سارے کام چھوڑ کر تمھیں سکھا دیتی کہ ذہن پر پٹی باندھ لیں تو آنکھوں میں کیوں کر باغات اُگ آتے ہیں...''

اتنے بڑے ہٹ مین کو اپنی یہ چھوٹی سی ماں شاید اپنی محبوب لگی، یا بیوی، یا ماں ہی اور

www.taemeernews.com

اس کے خشک گال پر کھڑکی سے بادل کی ایک بوند آ گری، یا ممکن ہے، اس کی آنکھ سے ہی۔

''مجھے تو اپنی ماں کی شکل بھی یاد نہیں''۔

''کیا تمھاری ماں بچپن میں ہی اٹھ گئی تھی؟''

''نہیں، کاروبار میں اس کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا''۔

''سوچا کرو، ولی۔ گاڈ کی طرح مدر کی بھی کوئی شکل نہیں ہوتی۔ بس اس کا خیال ہوتا ہے''۔

ہٹ مین کو معلوم ہوا کہ اگر اس نے فوراً وہسکی نہ پی تو جہاز میں اڑنے کی بجائے وہ خود آپ ہی اڑنا شروع ہو جائے گا... اسٹیورڈ، اے ویری لارج وہسکی!... آن دا راکس!''

''میرے لیے بھی!''

کنواری ماں کی مسکان سے ہٹ مین کے بدن میں اجالا ہونے لگا۔ وہ ڈرنے لگا، کیا واقعی مجھ پر کوئی جادو تو اثر نہیں کر رہا ہے؟

اسی دم کمو نے پتہ نہیں کیا سوچ کر پوچھ لیا۔ ''کیا تم جادو میں یقین رکھتے ہو ولی؟''

''نہیں، کیوں؟''

''اگر رکھتے ہو تو بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے''۔

''نو کمو، فار گاڈز سیک، نو! میں صرف اسٹاک ایکسچینج ٹیکنالوجی میں یقین رکھتا ہوں۔ اگر ہم امریکی بھی جادو پر بھروسہ کرنے لگیں تو تمھارے ملک کو فارن ایڈ کون دے گا؟...''

(۶)

دو ڈھائی بجے سہ پہر تک کمو اور ہٹ مین ایلورہ کے غار دیکھ کر اورنگ آباد کے ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں بھی آ پہنچے، جس کے پروپرائٹر نے ہٹ مین اینڈ لالہ فنانس (انڈیا) سے اپنے ہوٹل کی توسیع کے لیے حال ہی میں ایک موٹا قرضہ لیا تھا۔ ان کا پروفیسر نما ٹورسٹ گائیڈ ابھی تک ان کے ساتھ تھا اور حالاں کہ وہ اس سے بھی کچھ نہ پوچھنا چاہتے تھے، پھر بھی وہ منہ سے جھاگ چھوڑ چھوڑ کر انھیں غاروں کی مزید تفصیلات بہم پہنچانے کے لیے بولے جا رہا تھا۔ ہٹ مین کو بے چارے پر ترس آنے لگا اور جب وہ ''ابھی آتا ہوں'' کہہ کر شاید ٹوائلٹ گیا تو ہٹ مین نے اپنی کنپٹیوں پر ہاتھ مل کر کمو سے کہا ''بہت بور کر رہا

www.taemeernews.com
ہے۔ اسے اتنا بڑا ٹپ دو کہ اس کی زبان گنگ ہو جائے اور چلتا بنے''۔ بور ہو ہو کر اس کی بھوک خوب چمک اٹھی تھی۔ ''یہاں بھی تم نے ویجیٹیرین فوڈ کے لیے تو نہیں کہہ رکھا؟''

''نہیں ولی، یہاں تو چاہو تو مجھے بھی کچا کھالو''۔

اسی دوران جب بڈھا گائیڈ لوٹ آیا تو اس کا منہ کھلنے سے پہلے کمو نے پرس سے سو سو کے دس نوٹ نکال کر اسے تھما دیے، جنھیں جھپٹ کر وہ ان کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا اور چپ چاپ واپس ہولیا۔

''اس آدمی نے تمھارے دیوی دیوتاؤں کے اتنے قصے سنائے ہیں''۔ ہٹ مین ہنس ہنس کر، کمو سے مخاطب ہوا۔ ''کہ لگتا ہے انھیں بھی میری طرح سوتے جاگتے کچھ نہ کچھ پیش آتا رہتا تھا۔ اس وقت کوئی ڈاکٹر واکٹر تو تھے نہیں۔ یہ دیوی دیوتا آنکھوں پر پٹی باندھ کر سو جاتے ہوں گے''۔

''نہیں ولی، اگر دیوی دیوتا بھی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے تو سنسار کیسے چلتا؟''

''مگر اگر وہ پٹی نہ باندھتے کمو، تو وہ خود آپ کیسے چلتے؟'' وہ بڑا خوش نظر آنے لگا۔ ''تم نے ایک ملین ڈالر کا بھاؤ دیا ہے کہ میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر سویا کروں۔ یہ بڑی بھی فراڈ ہے۔ صرف اتنے سے کام پر ہی میرے دل پر حکومت کرتی رہی''۔

اتنے میں ایک بیرا بیئر کی بوتلیں لے آیا اور ان کے آگے رکھے ہوئے گلاسوں میں بیئر انڈیلنے لگا۔ ہٹ مین نے گلاس کو منہ سے لگانے سے پیشتر بیئر کی بوتل کا لیبل دیکھ کر تسلی کر لی کہ امریکی یا کم سے کم یورپی ہے۔

''مگر میں تو یہیں کی ہوں''۔

''تم تو مشرق کا سب سے قیمتی کچا مال ہو، جسے اپنے استعمال کی کوئی شکل دے کر ہم دُگنے چوگنے داموں پر فروخت کریں گے''۔

کمو کو واقعی برا لگا۔ ''تو کیا تم مجھے بیچ دینا چاہتے ہو؟''

ہٹ مین کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے برا کیا کہا ہے۔ ''میرا مطلب ہے، وہی شے یا شخص قیمتی ہوتا ہے جس کے مارکیٹ میں دسوں خریدار ہوں...''

وہی بوڑھا ٹورسٹ گائیڈ اچانک لوٹ آیا۔ ''سر، میں اپنا کارڈ دینا بھول گیا تھا''۔

www.taemeernews.com

کارڈ لے کر ہٹ مین نے اسے جلدی سے ڈسمس کیا اور اس کی پشت دیکھتے ہوئے کمو کو بتانے لگا۔ ''اب اسی بور کو لے لو۔ اس جیسے دسوں ہیں، مگر کوئی خریدار بھی تو ہو۔ سو پچیس پچاس ڈالر ملنے پر ہی خوشی سے حواس کھو بیٹھتا ہے... پر کچھ بھی کہہ لو' یکبارگی، کچھ یاد آجانے پر اس نے قہقہہ لگایا۔'' اس کی ایک کہانی مجھے بہت دلچسپ لگی۔ میں اکثر اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں، اگر دلچسپ بننا ہے تو ناقابل یقین سناؤ، بلکہ ناقابل یقین ہو جاؤ، مثلاً میری یہی بات لے لو کہ سوتے میں میری آنکھیں بند نہ کی جائیں تو مجھے سب کچھ ہو بہو نظر آتا ہے...''

''تو کیا یہ جھوٹ ہے؟''

''نہیں، کوئی یقین نہیں کرتا، اس لیے نہایت دلچسپی سے سنتا ہے، مگر میں تمھیں گائیڈ کی وہ کہانی سنانے جا رہا تھا... ٹھہرو، پہلے پیاس بجھالوں''۔ وہ بیئر کو پانی کی طرح غٹ غٹ چڑھا گیا۔'' ہاں، تو کیا ہوا کہ ایک غار میں دیوی دیوتاؤں کو ناچتے ہوئے دیکھ کر مجھے لگا، وہ سچ مچ ناچ رہے ہیں۔ گائیڈ بھی مجھے یقین دلانے لگا، سر، وہ پتھر کے نہیں زندہ ہیں اور واقعی ناچ رہے ہیں... اس نے سامنے کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا، پہلے پہل یہاں کوئی دیوار نہ تھی، کھلی جگہ تھی۔ کیا ہوا کہ بعض دیوی دیوتا ایک دن ناچتے ناچتے اسی راستے باہر نکل گئے اور اسی پہاڑ کے نیچے جنگل میں جا بسے... میں گائیڈ کی بات کا مذاق اڑانے لگا کمو، مگر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے غار سے باہر لے آیا اور بولا، وہ دیکھیے سر، وہ چھوٹا سا گاؤں ہے نا؟ وہاں انہی دیوی دیوتاؤں کی اولاد آج تک بسی ہوئی ہے... میں نے دوربین سے وہاں نیم برہنہ جنگلی لوگوں کو دیکھا اور میری تسلی ہو گئی... ہہ ہا ہہ ہہ...!''

''مذاق مت اڑاؤ، ولی۔ ان مورتیوں میں کلاکاروں نے اپنی سانس بھر دی تھی''۔

''ہاں، کمو، کسی دیوی دیوتا کے قدموں پر ایک نہایت اداس داسی دیکھ کر میں بھی چونک گیا تھا۔ دیوی دیوتا تو مجھے مٹی کے مٹی لگے، مگر یہ داسی بناتے ہوئے آرٹسٹ ضرور اپنی محبوبہ کے ہجر میں تڑپ رہا ہوگا اور یوں اس نے اسے... جیسے کہانیوں میں لکھا ہوتا ہے... جوں کا توں اپنے سامنے کھڑا کر لیا...''

کمو اس کا خالی گلاس بیئر سے بھرنے لگی۔'' اگرچہ تمھارا ذہن ہمیشہ فنانس کے مسائل

www.taemeernews.com

میں الجھا رہتا ہے، مگر بہت زرخیز...''

''تو پھر کھیتی باڑی کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟''

''مذاق چھوڑو، ولی تمھارا وہ سوال بھی مجھے کبھی نہ بھولے گا جو تم نے ایلورہ کی پہاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا تھا''۔

''کون سا؟'' بیرے کو کھانا لگاتے ہوئے دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر کچھ اٹھا لے۔

''ایک چھوٹی سی بستی کی طرف اشارہ کر کے تم نے پوچھا تھا، کیا وہاں بھی کھدائی ہو رہی ہے اور...''

''اور؟''

''اور وہ لوگ صدیوں بعد نیچے سے ویسے کے ویسے سانس لیتے ہوئے برآمد ہو گئے ہیں؟''

''ہہ ہاہہ...!'' ہٹ مین جانے میز پر کھانا لگتے دیکھ کر زیادہ خوش ہو رہا تھا، یا کمو سے اپنا سوال سن کر۔

(۷)

کمو اور ہٹ مین کا ہوائی جہاز غاروں کی سطح سے بہت اوپر خلاؤں میں دلّی کا رُخ کیے ہوئے تھا اور وہ ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے، یا شاید ہنسنے کی کوئی بات نہ ہو، بس ان کا جی چاہ رہا ہو کہ ہنسیں۔

''تم کچھ بھی کہہ لو''۔ کمو کو اچانک ہٹ مین کے جسم کی حرارت اپنے جسم میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ ذرا پرے سرک گئی۔ ''میں تمھارے بے ماضی پن کو تمھاری بدقسمتی سے ہی تعبیر کروں گی''۔

''نہیں، کمو، ہم مستقبل کو صیغہ ماضی میں نہیں جی سکتے''۔ جیب سے چیونگ گم نکال کر اس نے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ ''یا پھر یہ ہے کہ لوگ زمین دوز غاروں میں کھد کر پڑے رہیں''۔

''ہمارے بچے تمھارے چیونگ گم بڑی رغبت سے کھاتے ہیں''۔

www.taemeernews.com

کمو خود کو روک نہ سکی۔ ''شاید اس لیے، کہ خالی منہ ہلا ہلا کر تمھارے مانند اناپ شناپ باتوں کی خواہش پوری کرلیں''۔

''تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کمو، کہ آگے جا کر ہم آگے آ پہنچتے ہیں؟ سوسمپل! ہمیں اپنے زمان و مکان میں جیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ مشرقی لوگ اسی لیے حادثوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں کہ پیچھے کی طرف منہ کر کے آگے چلتے ہیں''۔ وہ پھر اس کی طرف سرک آیا۔ ''جنیا کوئی شعبدہ بازی نہیں کمو ڈیئر۔ زندگی کے کاروبار میں... میرا مطلب ہے، محبت کے کاروبار میں بھی ہمیں آگے ہی آگے جانا ہوتا ہے اور اس عمل میں آدمی آدمی کا اتنی دور تک ہی ساتھ دیتا ہے جہاں تک اس کی سہولت یا غرض ہو، یا اس سے بھی زیادہ... جہاں تک اس میں دم ہو''۔ کمو کی طرف انچ انچ سرکتے ہوئے وہ اس سے جڑ کر بیٹھ گیا۔ ''اس مانند کیا ہوتا ہے کہ سبھی سبھوں کا ساتھ چھوڑتے چلے جاتے ہیں...''

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''یہ، کمو، کہ جو جب مل جائے، صرف اسی سے ملو''۔ اس نے چیونگ گم کو پھیکا ہوتے ہوئے پا کر ایک اور منہ میں ڈال لیا۔

''مگر جو بچھڑ جائے وہ ذہن میں تو موجود رہتا ہے''۔ کمو بات چیت میں پورے طور پر شامل ہو چکی تھی۔ ''اس سے وہیں کیوں نہ ملیں؟''

''کیوں کہ ہم اسے وہاں چھو نہیں سکتے''۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''گلے نہیں لگا سکتے...''

''کسی سے بالمشافہ مل کر بھی ہم اسے اسی لیے گلے لگاتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی مل چکے ہوتے ہیں... ذرا غور کرو وتی یادداشت کے بغیر انسانی رشتوں میں بھونچال آ جائے گا''۔

''مگر کمو ڈارلنگ، میں تو اس لیے تمھیں گلے لگانا چاہتا ہوں کہ یادداشت کھو چکا ہوں''۔ اس نے اپنا بازو اس کی کمر میں حمائل کر لیا۔

''نو، وتی''۔ وہ یکا یک موضوع سے نکل کر اپنے آپ میں لوٹ آئی اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

مگر تم نے تو رائے دی تھی کہ دماغ پر پٹی باندھ لیا کرو''۔ ہٹ مین نے اپنا دوسرا بازو

www.taemeernews.com

بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

''نو، پلیز، نو!...صرف دوستی!''

''لیکن صرف دوستی میں پہلے ہی دو دن بیت چکے ہیں''۔ کمو کے وجود کو اپنے بازوؤں میں باندھ کر وہ اس پر جھکتے جا رہا تھا۔ ''اور دو دن بعد میں یہاں کہاں ہوں گا''۔ اس نے اس کے منہ میں اپنا منہ ٹھونس دیا۔

وہ پوری قوت سے اپنے آپ کو چھڑا کر ایک الگ سیٹ پر جا بیٹھی۔

''نو، مسٹر ہٹ مین!''

''آئی ایم ساری، مس لالہ!''

(۸)

چکور ولا آج اس طرح آراستہ پیراستہ کھڑا تھا، جیسے لالہ سادھو رام خود آپ، اپنی پگڑی اتار کر۔

وِلا کے سب سے بڑے کانفرنس روم میں اس وقت ہٹ مین اینڈ لالہ فنانس (انڈیا) کی بورڈ آف ڈائرکٹرز کی سالانہ میٹنگ چل رہی تھی۔

ہٹ مین کی گل پوشی وغیرہ کے بعد کمپنی کے کوچیئرمین لالہ سادھو رام نے اپنی طویل رپورٹ پڑھی جس میں واضح طور پر ذکر کیا کہ اگرچہ ہماری قومی اکانومی سے کافی غیر ضروری ضوابط اٹھائے جا چکے ہیں، تاہم جو ابھی باقی ہیں ان کے باعث بھی اکانومی کی آزاد نشو ونما میں بہت رکاوٹیں درپیش ہیں، جنھیں فوری طور پر ہٹا لینا عین دانش مندی ہوگی۔

لالہ سادھو رام کی رپورٹ کے بعد تھوڑی دیر رپورٹ میں پیش کردہ مسائل پر گرما گرم بحث ہوئی اور بالآخر اسے متفقہ طور پر قبول کر کے میٹنگ کے اراکین نے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ ہٹ مین اینڈ لالہ فنانس (انڈیا) کی کارگزاری کو ہر لحاظ سے قابلِ ستائش قرار دیا۔

آخر میں چیئرمین ولیم ہٹ مین اپنی تقریر کے لیے کھڑا ہوا تو کانفرنس روم تالیوں سے گونج اٹھا۔ میٹنگ کا ہر رکن بڑی بے تابی سے چیئرمین۔ کے اعلان کا منتظر تھا کہ کمپنی کی

www.taemeernews.com

نہایت اعلیٰ کارگزاری کے پیش نظر اس نے کمپنی میں اپنی ذاتی سرمایہ کاری کو دُگنا کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

چیئرمین ولیم ہٹ مین نے اپنی تقریر کو بڑے خوش باش لہجے میں چند جملوں میں ہی سمیٹ دیا، جنھیں سن کر کو چیئرمین لالہ سنادھو رام اور دوسرے ڈائرکٹروں کے چہرے اتر گئے۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین! میں تو اپنے نمائندۂ خاص کی سفارش پر امریکہ سے آیا ہی اس اعلان کی نیت سے تھا کہ اپنی انوسٹمینٹ کو فی الفور دُگنا کر دوں، مگر ہمارے کو چیئرمین مسٹر لالہ نے جس معتبر انداز سے اپنی رپورٹ میں بعض اڑچنوں کا ذکر کیا ہے، اس کے پیشِ نظر میری رائے میں ابھی سرمایے کے اس قدر پھیلاؤ کا ٹائم نہیں آیا، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک اس ملک کی اکانومی میں لبرلائزیشن کا فطری عمل سرکاری طور پر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا مجھے اس وقت تک توسیعی سرمایہ کاری کو معرضِ التوا میں ڈالے رکھنا چاہیے۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

بھوک پریت

ٹھہرو برادر۔

ٹھہر گیا برادر۔

اپنی داستان کو آگے بڑھانے سے پہلے مجھے تھوڑا سا رو لینے دو۔

تھوڑا سا کیوں برادر؟ خوب خوش ہو کے رو لو۔

نہیں برادر، خوب خوش ہو کے روتا چلا گیا تو تمھیں اپنی داستان بھول جائے گی۔

ہاں، داستان بھول گئی تو میرے پاس سنانے کو کیا رہ جائے گا؟۔

لیکن تمھاری داستان تو ایک طربیہ مقام پر آ پہنچی ہے، پھر میری آنکھوں میں آنسو کیوں بھر رہے ہیں؟

نہیں، برادر، خوشی کے موقع پر جو تھوڑا سا رو لیتا ہے اُس کا دکھ میں بھی ہنسنا بنا رہتا ہے۔

نہیں، اتنی عاقبت اندیشی سے کام مت لو، وگرنہ عاقبت کو خواہ مخواہ بگاڑ لو گے۔

وہ تو بگڑ ہی چکی ہے برادر۔

پوری داستان سناؤ برادر۔ داستان کا اختتام تو تم پہلے بھی بتا چکے ہو۔

ہاں، جب ساری داستان پیش آ چکے تو اسے سنانا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ تو پھر یہ ہوا برادر، کہ شہزادی نے میرے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔ خدام نے حکومت کا تخت اپنی جگہ سے اٹھا کر وہیں ہمارے پیچھے لا رکھا اور اُس تخت پر نیم دراز ہو کر ہم محبت کرنے لگے...

ٹھہرو برادر۔

www.taemeernews.com

ٹھہر گیا برادر۔

مجھے رونا آ رہا ہے کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ بھی پیش کیوں نہیں آیا۔

روتے ہو برادر، نہ داستان کو آگے بڑھنے دیتے ہو۔

تمھاری داستان تو وہاں آن ہی پہنچی ہے جہاں اسے پہنچنا تھا، لڑتے کیوں ہو؟ یہ لو، بھوکے ہو تو کھجور کھاؤ۔

بڑے مزے کی کھجور ہے برادر۔

ہاں، یہ لو، یہ پانی بھی پیو۔

بڑا میٹھا پانی ہے برادر۔ اب اپنی داستان آگے بڑھاتا ہوں۔

وہ تو یہاں آن ہی پہنچی ہے۔

کہاں؟

اِس صحرا میں، جہاں ہم بیٹھے ہیں۔

ہاں برادر، ٹھہرو، مجھے بھی ذرا رو لینے دو۔

تم یہاں اپنی شہزادی کی گود میں سر رکھ لو اور میں یہاں تمھاری ہی گود میں سر دھر کر بساط بھر رو لیتا ہوں۔

ٹھہرو برادر، پہلے مجھے آرام سے اپنا سر کہیں ٹکا لینے دو، پھر تم میری گود میں اپنی جگہ بنا لو — لیکن یہ کیا برادر؟ تمھارے تو گود ہی نہیں؟

ہاں! — ارے ہاں — میری گود، برادر —؟

اپنی ساری داستان یاد کرو — یاد کرو گود کہاں رہ گئی؟

اور کہاں رہے گی؟ وہیں حکومت کے تخت پر، شہزادی کے سر کے نیچے۔

اور تم اُسے بڑے آرام سے وہیں بھول آئے؟

ہاں، بھول تو آیا برادر۔ شہزادی کے بال اتنے گھنے تھے کہ اٹھتے ہوئے دِکھائی ہی نہ دی۔

یہ تو بہت برا ہوا برادر۔

ہاں، برا تو ہوا برادر۔

www.taemeernews.com

اب ایک ہی چارہ ہے۔شہزادی کو ڈھونڈو، ورنہ گود ہی نہ رہی تو جی کر کیا کرو گے؟

نہیں جی لوں گا برادر۔

پر جیو گے بھی کیسے؟

ہاں، جیوں گا بھی کیسے؟

جینا ہے تو پہلے گود کو ڈھونڈو۔

کہاں ڈھونڈوں، برادر؟

حکومت کے تخت پر!

حکومت کے طلسمی تخت کی طرف جو بھی بڑھتا ہے برادر، تخت اسے واپس اچھال دیتا ہے۔

تو پھر اُن خدام کو ڈھونڈو، کہ تخت تمھاری پُشت پر ڈال جائیں۔خدام تو شہزادی کے محل میں ہیں۔

اور شہزادی کا محل؟

میرے خیال میں، برادر۔

اور تمھارا خیال، برادر؟

میرے پاس ہی ہے، پر پتہ نہیں، کہاں؟

تمھارے پاس ہی برادر تو تمھارے پاس ہی ہوگا۔

پتہ ہی نہیں، کہاں ہے برادر، تو کیا پتہ، کہاں ہوگا؟

ٹھہرو، برادر۔

ٹھہر گیا برادر۔

اگر تمھارا خیال بھی تم سے کھو گیا ہے تو پھر کیا فکر، کہ تم نے کیا کھویا ہے؟

ہاں برادر، تمھاری بات لگتی تو ٹھیک ہے۔

تو پھر مزے سے اپنی داستان آگے بڑھاؤ۔

آگے کیسے بڑھاؤں برادر۔اُسے تو جہاں پہنچنا تھا، پہنچ لی۔

ہاں، اس صحرا میں۔

www.taemeernews.com

ہاں، برادر، اب ایک یہی ممکن ہے کہ پیچھے جا کر یہاں تک آ جاؤں۔
ہاں، یہاں سے آگے کی کیا خبر؟
ہاں، جو کچھ ابھی پیش ہی نہیں آیا اُس کی کیسے خبر؟
ٹھہرو، برادر۔
ٹھہر گیا، برادر۔
مجھے خبر ہے، آگے جا کر ہمارے ساتھ کیا پیش آئے گا۔
کیا پیش آئے گا؟
ہم اِس صحرا سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔
تو پھر آؤ برادر، آگے ہی چلیں۔
نہیں برادر، تم پیچھے جاؤ، کہ تم پیچھے سے ہی آئے۔
اور تم، برادر؟—
میں کہیں سے بھی نہیں آیا برادر، اس لیے بلا تامل اپنے آگے کہیں بھی جا پہنچوں گا۔
آگے تو صرف اجنبی ہوں گے برادر، کیا تمھیں اجنبیوں سے خوف محسوس نہ ہوگا؟
نہیں برادر، میں کسی سے بھی مانوس نہیں ہوں، اس لیے مجھے کوئی بھی اجنبی معلوم نہیں ہوتا۔

تو پھر چلو برادر، ایک دوسرے کی طرف پیٹھ موڑ کر اپنے اپنے سفر پر تیز گام روانہ ہو جائیں۔

ہاں، چلو۔
ٹھہرو برادر۔
ٹھہر گیا برادر۔
ہم آنکھ جھپکنے میں ہی لوٹ آئے ہیں۔
خیالوں میں ہم روانگی سے بھی پہلے پہنچ کر لوٹ آئے ہیں۔
تم کہاں سے ہو کر آ رہے ہو؟
شہزادی کے محل سے۔

www.taemeernews.com

تعجب ہے!

اس میں تعجب کی کیا بات ہے برادر؟ میرا سر غلطی سے اِدھر گھوم گیا اور تمھارا اُدھر—

لیکن میں بھی شہزادی کے محل سے ہی ہو کر آ رہا ہوں۔ تعجب ہے!

نہیں برادر، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آگے پیچھے دونوں راستے شہزادی کے محل کو ہی جاتے ہیں۔

ہاں، جاتے تو ہوں گے برادر، ورنہ تم وہاں کیسے جا پہنچتے؟

ہاں، سبھی راستے شہزادی کے محل کو ہی جاتے ہیں۔

ہاں، وہ بھی، جن پر ابھی ہمارا جانا نہیں ہوا۔

ہاں برادر، کسی بھی راستے پر، نکل پڑو، عین وہیں جا پہنچو گے۔

ہاں، برادر، کسی بھی راستے سے لوٹ آؤ۔

ہاں، لیکن لوٹ ضرور آؤ۔

ہاں، جو خیالوں میں بچھڑ جاتے ہیں وہ کبھی نہیں ملتے۔

نہیں برادر، ابھی تو لوٹے ہیں، ابھی بچھڑنے کا ذکر مت کرو۔

ہاں، بچھڑنے کا ذکر چھیڑیں گے تو ملیں گے کیسے؟

ہاں برادر، ملن کا ذکر کرو— کیا تم میری شہزادی سے مل آئے ہو؟

مل تو آیا ہوں برادر—

ٹھہرو برادر۔

ٹھہر گیا برادر۔

پہلے، مجھے بتاؤ—

نہیں، پہلے میری سنو برادر— تمھاری گود وہیں شہزادی کے بالوں کے نیچے ڈھنپی پڑی تھی۔ میں نے چپکے سے اسے اٹھا لیا پر آتے آتے اپنی گود وہیں بھول آیا۔

ہت تیری!— تو پھر میں تمھاری ہی گود کو اپنی سمجھ کے اٹھا لایا ہوں۔

میری ہی گود میں پڑے ہو برادر، اسی لیے مجھے اتنے اچھے لگ رہے ہو۔

اور تم مجھے، برادر۔

www.taemeernews.com

اور ایک دوسرے کی گود میں پڑے پڑے ہم یہاں جنت میں آ پہنچے ہیں۔
ہاں، برادر، نخلستان خود آپ ہی کہیں سے یہاں آ پہنچا ہے۔
اور خدام نے ہمارے پیچھے حکومت کا تخت ڈال دیا ہے۔
نہیں برادر، پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھو، وگرنہ یہ طلسمی تخت ہمیں واپس اچھال دے گا۔
ہاں، ہم اپنے خیال سے باہر اچھل آئے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے۔
اچھل بھی آئے برادر، تو کیا مضائقہ ہے؟
ہاں، خیال سے ہی اچھل کر باہر آ گئے تو نفع کیا اور نقصان کیا؟
نفع نقصان کو چھوڑو برادر، یہ لو، یہ کھجور کھاؤ۔
بڑے مزے کی کھجور ہے برادر۔
ہاں، لو، یہ پانی پیو۔
بڑا میٹھا پانی ہے برادر۔
ہاں — اب سو جاؤ۔
ہاں برادر، بڑی گہری نیند آ رہی ہے۔
ٹھہرو، برادر۔
ٹھہر گیا، برادر۔
اگر ہم سو گئے تو ہمیں جگائے گا کون؟
پر ہمیں جاگ کر کرنا ہی کیا ہے؟
تو آؤ، سو جائیں۔
ہاں، برادر، آؤ، سو جائیں —
کیا تم سو گئے ہو برادر؟
نہیں برادر، شہزادی کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہوں۔
مگر مجھے تو لگ رہا ہے کہ سو رہے ہو۔
ہاں برادر، شہزادی کے بال اتنے گہرے ہیں کہ نیند میں اترنے کا احساس ہوتا ہے۔
ہاں برادر، اور چہرہ اتنا شفاف کہ نیند میں ڈوب کر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سطح پر

www.taemeernews.com

ہی ہیں۔

ہاں، ہم خواب میں بھی اسے دیکھتے رہتے ہیں۔

ہاں، اور وہ ہمیں۔

ہاں، ہم سو جاتے ہیں تو ہماری قسمت جاگ پڑتی ہے۔

ہاں، ہماری خوابیدگی میں چاند سے ہن برسنے لگتا ہے۔

تو آؤ برادر، چپکے سے سو جائیں۔

ہاں آؤ— نہیں اُدھر نہیں برادر، اِدھر!۔

ہاں، اُدھر تو نیند ابھی جاگ رہی ہے۔

ہاں، جاگ رہی ہے تو چوروں کو اپنے اندر کیوں کر گھسنے دے گی۔

ٹھہرو برادر۔

ٹھہر گیا برادر۔

بھوک نے پھر میرے کلیجے میں ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ہے۔

تو لو برادر، کھجور کھاؤ۔

بڑے مزے کی کھجور ہے۔

یہ لو، یہ پانی بھی پی لو۔

بڑا میٹھا پانی ہے برادر۔

ہاں، اب سو جاؤ۔

ہاں، اب تو آنکھوں کے کواڑ اپنے آپ بند ہو رہے ہیں۔

ہاں برادر، چپکے سے نیند کے باطن میں داخل ہو جاؤ۔

لیکن کواڑ بند ہو گئے برادر، تو باہر کیسے نکلو گے؟

لیکن برادر، اندر ہی داخل نہ ہوئے تو باہر کیسے نکلو گے؟

ہاں برادر، شب بخیر!— چلتا ہوں۔

کہاں برادر؟

نیند کے باطن میں، اور کہاں؟

www.taemeernews.com

ہاں، جاؤ۔

ہاں، چلتا ہوں۔

پھر آ گئے برادر؟ گئے بھی نہیں کہ پلٹ آئے؟

خدا کا شکر ہے کہ پلٹ آیا ہوں، نہیں تو پل ہی میں ہزاروں کوس کی مسافت طے کر کے کون پلٹتا ہے؟

ہاں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ لوٹ آئے ہو، مگر برادر، گئے کہاں تھے؟

نامعلوم کہاں، برادر۔ بس شہزادی کی رفاقت میں حکومت کے تخت پر ہوا میں پرواز کرتا رہا اور پرواز کر رہا تھا کہ اچانک تمھاری آوازیں سنائی دیں اور تمھیں کوس کوس کر اِس طرح تخت سے نیچے قدم رکھا جیسے ابھی زمین پر ہی تھا۔

لیکن تم تھے تو ہوا میں ہی۔

ہاں، اور کہاں؟

تو اچھا ہی ہوا برادر، کہ زمین پر لوٹ آئے۔ خدا نے ہمیں پر عطا نہیں کیے تو اُس کی رضا یہی ہے کہ ہم دھرتی پر پڑے رہیں۔

پھر دھرتی پر نیند نہیں آتی برادر۔

ہاں، یا آتی ہے تو یہی خوف لاحق رہتا ہے کہ اب آنکھیں نہیں کھولیں گے۔

ٹھہرو برادر۔

ٹھہر گیا برادر۔

بھوک مجھے پھر تنگ کر رہی ہے۔

تو کیا ہوا برادر، لو یہ کھجور کھا لو۔

بڑے مزے کی کھجور ہے برادر۔

لو، پانی بھی پی لو۔

بڑا میٹھا پانی ہے برادر۔

پیٹ بھر گیا ہے تو شہزادی کی داستان شروع کرو برادر۔

شہزادی کی داستان؟

www.taemeernews.com

ہاں برادر۔

اگر اجازت دو برادر تو حرف بہ حرف سچائی بیان کر دوں؟

ہاں، برادر، خدا کا فرمان ہے کہ ہمیشہ سچ بولو۔

تو سچی بات یہ ہے کہ اپنی خوشی کی خاطر میں نے ہمیشہ جھوٹ بولا ہے۔

اِسی لیے خدا نے تمھیں اس بے کراں صحرا میں دھکیل دیا—

ہاں برادر، اور تمھیں بھی۔

ہاں، مجھے بھی برادر— بھوک سے دیوانہ ہو رہے ہو، لو، اور کھجور کھالو۔

بہت ہولیا برادر۔ ریت کی اِس مٹھی کو پرے ہٹاؤ اور—اور مجھے سو جانے دو۔

ہاں برادر، آنکھ نہ بھی کھلی تو کون سی کھجور آ جائے گی۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

سٹرپ ٹیز

''تم شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟''

ہمارے کالج کی سٹاف لسٹ پر پوری ایک درجن عورتوں کے نام تھے، مگر میری صرف پیمی سے ہی اتنی بے تکلفی تھی... نہیں، بے تکلفی ہی نہیں، جی ہی جی میں وہ... میں اکثر محسوس کرتا... میرے گلے میں بانہیں ڈالے ہوتی اور مجھ پر جھکتے ہوئے اچانک اپنی نیت کی بھنک پاکر اپنی کرسی کو مجھ سے ذرا اور دور کھینچ لیتی، اور میں ہنسنے لگتا تو وہ چڑ کر پوچھتی، ہنس کیوں رہے ہو؟

اس وقت بھی مجھے ہنستے ہوئے پاکر اس نے پوچھا ''کھی کھی کیوں کیے جارہے ہو؟''

میری کھی کھی اور اونچی ہوگئی۔ ''بس یونہی''۔

''بس، یونہی'' اس نے میری نقل اتار کر پوچھا۔ ''آخر تم کسی بالغ کی طرح کب سوچنا شروع کروگے؟''

''جب بالغ ہوجاؤں گا پیمی''۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے اوروں کے خودسر بالغ رویوں سے بھی چڑ ہے۔

پیمی نے میری چائے میں چینی کی دو ٹکیاں گرا کر ہدایت کی کہ ایک پر ہی قناعت کرنا سیکھو۔

''دو زیادہ میٹھی ہوتی ہیں پیمی''۔

''اور مضر بھی''۔ بیرے کو اور چائے لانے کو کہہ کر وہ مجھ سے پوچھنے لگی ''تم کیا کہہ رہے تھے؟''

''میں کہہ رہا تھا، اب شادی کرلو۔ میں تمھیں دلہن کے لباس میں دیکھنا چاہتا ہوں''۔

www.taemeernews.com

''سٹوپڈ!'' وہ اپنے جسم کو موٹے کپڑوں اور باتوں کو ہمیشہ بھڑکیلی اصطلاحوں سے ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ ''میرج کی انسٹی چیوشن ہمارے جذبۂ رفاقت کی تسکین کے لیے بہت ناکافی ہے خان۔ اس انسٹی چیوشن کا یہی رول ہے کہ ہمیں اپنی غلط کاریوں کا قانونی لائسنس مل جائے...''

''تو آؤ، پھر شادی کے بغیر ہی...''

''نان سنس!... ہم جانور ہیں یا انسان؟ کیا ہم میرج اور سیکس کے بغیر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے؟ انسانی تعلقات کا انحصار اس پر نہیں کہ سماج سے لائسنس لے کر ہم پوری ایک صدی جُڑ کر بیٹھے رہیں...''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں پیمی ڈیئر، جو کام پل بھر میں ہوسکتا ہے اسے انجام دینے میں ہم پوری ایک صدی کیوں صرف کریں؟...''

''نہیں!'' اس نے مجھے ٹوک دیا۔ ''پہلے مجھے اپنی پوری بات کہہ لینے دو...''

میں بے چینی سے میز کے نیچے اپنی دونوں ٹانگیں ہلا ہلا کر اب اپنے آپ کو فلسفہ کی لیکچرار کی پوری بات سننے کے لیے تیار کرنے لگا، لیکن اسی اثنا میں خوش قسمتی سے بیرا چائے لے کر آ گیا ''لو تمھاری چائے آ گئی ہے''۔

اس نے مجھے نظر انداز کر کے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''میں وہ نہیں کہہ رہی ہوں جو تم سمجھ رہے ہو...''

میں خوش ہو گیا کہ اس نے میری بات کی ٹوہ پالی ہے۔

''تم ادبی لوگ بہت سطحی ہوتے ہو خان...''

''وہ تو ہے ہی...'' مگر میں نے ہتھیار ڈالتے ڈالتے خواہ مخواہ پستول کا گھوڑا دبا دیا۔ ''مگر گہرائی کا ناپ تول بھی تو کسی سطح سے ہی ہوسکتا ہے''۔

''نہیں یا وہ گوئی سے کام مت لو''۔ پیمی اپنی چائے کے پانی میں دودھ ملاتے ہوئے خوش رنگ ہونے لگی۔ ''تم لوگ دراصل اپنی روح کے وجود سے بے خبر ہو، بس جسم کی بے تکی کھلواڑ سے ہی جی بہلائے رکھتے ہو۔ تم واقعی بہت سطحی ہو۔ ذرا سوچو بھی، تو صرف کیے دھرے پر سوچتے ہو؛ حالاں کہ خالص سوچوں کے امکانات عمل سے لاتعلق ہوتے ہیں

www.taemeernews.com

اور...'' وہ شاید اپنے کپڑوں میں میری آنکھوں کے گھسنے کی آہٹ پا کر اپنی قمیص کا اوپری بٹن بند کرنے لگی اور اس کا ذہن انسانی تہذیب میں پہناوے کی اہمیت کی طرف مُڑ آیا اور وہ خالص سوچوں کے امکانات کو بھول کر بتانے لگی'' خان، انسان بھی اگر جانوروں کی طرح بے لباس رہنے کا عادی ہوتا تو کوئی مہذب تر مخلوق اسے بھی اپنے چڑیا گھروں میں بند رکھتی...''

ایک خیال آنے پر میں اپنے آپ کو روک نہ سکا'' تم نے پڑھا پیمی؟ امریکی لوگوں نے ایک بڑا دلچسپ کھیل شروع کیا ہے''۔

'' کیا؟ کوئی جسموں کا کھیل؟...''

اِس نادان فلسفی کو کون سمجھاتا کہ جسموں کے بغیر روحوں کے خدوخال پر بھی نظر نہیں ٹھہرتی'' ہاں، امریکی لوگوں نے ایک تحریک چلائی ہے کہ جانوروں کو بھی انسانوں کی طرح ہمہ وقت کپڑوں میں نظر آنا چاہیے''۔

'' واٹ...ٹ!''

'' ہاں'' میں یہ سوچ کر ہنسنے لگا کہ ہماری پیمی بھی ایک پیاری سی پالتو بلی ہے جسے کسی معزز امریکی نے ہر جانب سے بخوبی ڈھانپ رکھا ہے... ہاں!... میں اور زیادہ ہنسنے لگا... انسان بھی تو اپنے آپ کو اسی خوف سے ڈھانپ کر رکھتا ہے کہ اس کا حیوان چھپا رہے...

'' بڑا اچھا خیال ہے''۔ ہمارے فلسفی کے ذہن کو بھاگ دوڑ کے سوا اور کرنا ہی کیا ہوتا ہے۔'' لباس کا تصور اسی لیے بے محل نہیں خان، کہ ہماری حیوانیت کی ستر پوشی ہوتی رہے۔ اسی لیے ہمارے معززین چڑیا گھروں کے ننگے جانور دیکھنے نکلتے ہیں تو اپنی برتری بنائے رکھنے کے لیے بڑے بڑے ٹاپ کوٹ پہنے ہوتے ہیں... جانتے ہو، کیا؟...'' اس نے چائے کا پیالہ خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔'' پچھلے ہفتے میں بھی رائل زو دیکھنے چلی گئی تھی۔ اس وقت تو مجھے یہ بات قطعاً نہ سوجھی، پر کیا خان، کہ ننگے ننگے افریقی بن مانسوں اور عربی گھوڑوں کو دیکھ دیکھ کر میں سارا دن پریشان رہی۔ یقین کرو، ایک سیاہ گھوڑا تو...اب میں تمھیں کیسے بتاؤں؟...''

میں ہنستے ہنستے گویا ہنہنا رہا تھا۔

www.taemeernews.com

اسی دوران اچانک مجھے یاد آیا کہ آج تو ایکویٹر کلب میں سٹرپ ٹیز شو ہو رہا ہے۔

سٹرپ ٹیز!...کتنا عجیب نام ہے۔خوبرو عورتیں مردوں کو ٹیز کرنے کے لیے ناچ ناچ کر اپنے لباس کے سٹرپ اتارتی چلی جاتی ہیں۔

میں نے گھڑی دیکھی۔شو شروع ہونے میں ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔

''پیمی، مجھے کہیں جانا ہے''۔

پیمی حیرت اور غصے سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''تم تو کہتے تھے کہ ساری شام اکٹھے ہی بسر کریں گے''۔

''ویری ساری پیمی! مگر...''

''مگر جانا کہاں ہے؟''

''سٹرپ ٹیز شو...!''میں نے ذرا جھجک کر اسے بتایا۔

پیمی بھی خواہش آمیز جھجک سے میرے ساتھ چلنے پر تیار ہوگئی۔

''تم...؟!''

''ہاں، کیا یہ حق صرف مردوں کو ہی حاصل ہے؟ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ اوباش عورتیں اپنی عفت کے ٹکڑے اتار اتار کر کیوں کر مسکراتی رہتی ہیں...''

''تو چلو!''

جب ہم ایکویٹر کلب کی بلڈنگ میں داخل ہوئے تو وقت سے دس منٹ اوپر ہو لیے تھے۔

ریسپشنسٹ نے مجھے روک لیا۔

''ساری! آپ جیکٹ پہنے بغیر ہال میں نہیں جا سکتے''۔

''ارے بھئی، جانے دو نا!'' مجھے شام کے وقت جیکٹ پہننے میں بڑی الجھن ہوتی تھی۔

''ساری سر! ہماری کلب اسی لیے معزز سمجھی جاتی ہے، کہ ہم اپنے اصول نہیں توڑتے''۔

''معزز!''پیمی نے ناک سکوڑ کر میرے کان میں کہا'' شیطان بھی معزز ہوتا ہے؟''

www.taemeernews.com

''ہاں'' پیمی، آج تمھیں یقین ہو جائے گا کہ دوزخ اور دنیا میں سب سے بڑے اعزاز کا مالک یہی آرچ اینجل ہے''۔ پھر میں نے ریسپشنسٹ کو مخاطب کر کے کہا'' او کے! آپ مجھے کلب کا ایک جیکٹ کرائے پر دے دیجیے''۔

''یس سر!''

میں نے جیکٹ پہن لی اور کلب میں داخل ہوتے ہوئے ایک نیم عریاں عورت کو ناچتے دیکھ کر ٹھہر گیا۔

''چلو نا!'' پیمی نے مجھے ٹہوکا دیا'' آگے بڑھو''۔

اور ہم آگے بڑھ کر ایک کونے میں صوفوں میں دھنس گئے۔

''افوہ!''

پیمی نے نیم عریاں ڈانسر کی طرف نظر اٹھائی تو وہ اپنے لباس کا ایک اور سٹرپ اتار کر پرے پھینک رہی تھی۔

''یہ عورت ہے یا...''

''عورت!'' میں نے مسکرا کر اس کا فقرہ پورا کیا۔'' دونوں طرح یہ عورت عورت ہی ہے۔ کپڑے اتار کر عورت مرد تو نہیں بن جاتی''۔

''نو خان، سیکس کا تصور ہی کیا کم گھناؤنا ہے جو اس کی پریڈ بھی کی جائے''۔

''یس، سیکنڈلس! مگر اسی لیے تو اتنے لوگ جمع ہیں''۔

''مجھے تو... یہاں ڈر سا لگ رہا ہے بابا'' پیمی کے لب و لہجے سے بھی آکسوئین غلاف کے سٹرپ اتر رہے تھے۔

میں نے بیرے کو بلایا۔

''برانڈی اور جنجر ایل، دو کے لیے''۔

''میں بھی برانڈی پیوں گی؟''

''نہیں؟''

''نہ بابا، کڑوی ہوگی''۔ اس نے اپنی نگاہ پھر سٹرپ ٹیز پر اٹھالی۔

''ڈیم نیشن!...''

www.taemeernews.com

میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے حامی بھرلی ہے یا نہیں۔

سٹرپ ٹیزر نے ناچتے ناچتے اپنے بازو ہوا میں لہرائے تو اس کے لباس کا ایک اور ٹکڑا نیچے آ گرا۔

''کیا یہ عورت آخر میں بالکل ننگی ہو جائے گی، خان؟''

''یہ بے چاری ہی کیا، آخر میں تو ہم سب بالکل ننگے ہو جاتے ہیں''۔

وہ شاید نہیں ہنسی مگر مجھے لگا کہ وہ ہنس دی ہے۔

اتنے میں برانڈی اور جنزایل آ گئی اور میں پیمی کے برانڈی کے گلاس میں جنجرایل انڈیلنے لگا۔

''نہیں، میں برانڈی نہیں پیوں گی''۔ اس نے گلاس پرے کر دیا ''صرف جنجرایل!''

''تھوڑی سی'' میں نے پھر ملائم سا اصرار کیا۔ ''میری خاطر!...''

پیمی نے منہ بنا کر گلاس تھام لیا۔

''اس سٹرپ ٹیز شو میں کچھ آرٹ نہیں''۔ ہمارے پہلو کی میز پر ایک انگریز نوجوان اپنی محبوبہ سے کہہ رہا تھا۔ ''اٹ از ناٹ آبسین اینف!...''

''نو، ان ڈیڈ!''

''پیرس میں ایک سٹرپ ٹیزر دیکھی تھی میں نے'' انگریز نوجوان بے چین سی آواز میں بتا رہا تھا۔ ''دی کوئین آف سٹرپ ٹیز آرٹ! سچ اے بیوٹی فل بلڈ اپ یو نو!...''

''بڑی کڑوی ہے'' پیمی نے جلدی جلدی برانڈی کے گھونٹ بھرے تو سٹرپ ٹیز آرکسٹرا کی دھنیں تیز تیز ہو کر جامے سے باہر آ گئیں۔

''مرد کی ذات بہت بری ہوتی ہے'' پیمی اپنے وزنی لباس کے باوجود ہلکی پھلکی معلوم ہونے لگی تھی۔ ''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''چلو، واپس چلتے ہیں''۔

''نہیں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں، کیا یہ عورت واقعی اتنی گری ہوئی ہے؟... اتنے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سارے کپڑے اتار دے گی؟...''

اسی اثنا میں تین اور سٹرپ ٹیزر ناچتی ہوئی فلور پر اتر آئیں اور اپنی اشتہاری سی نثر

www.taemeernews.com

گاتے گاتے گلوکار کی آواز مزید سرگرم ہوگئی۔

لُک!

لُک ایٹ ہَر وائیٹ لیگز!

داموونگ بیوٹی!

ہرآل وائیٹ لیگز!

ہَر...

''نری بکواس!'' پہلو کی میز پر انگریز نوجوان کی محبوبہ نے اپنی ٹانگیں گھٹنوں تک ننگی کر لیں۔

''ہاں، نری بکواس! اگلے سال میں تمھیں پیرس لے جاؤں گا۔ وہ بات یہاں کہاں؟...''

''کیا وہ گانے والا آدمی وہیں کھڑا کھڑا گاتا رہے گا؟'' یمی اپنا گلاس خالی کر کے مجھ سے پوچھنے لگی۔

''ہاں''

''او...ہ!...میں تو کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی''۔

''کیا؟''

''کہ یہ بھی گاتے گاتے اپنے کپڑے اتارنا شروع کر دے گا''۔ نہ جانے وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

''تمھارے لیے اور برانڈی؟''

''نہیں!''

''ایک اور پلیز!...'' میں نے پھر ملائم سا اصرار کیا۔

''سب مرد لفنگے ہوتے ہیں''۔

اور میں نے دو اور برانڈی اور جنجر ایل کا آرڈر دے دیا۔

دفعتاً کلب ہال کی بتیاں دھیمی ہونے لگیں اور چاروں سٹرپ ٹیز رتھرک تھرک کر اپنے اپنے پہناوے کے ٹکڑے سرعت سے فرش پر گرانے لگیں اور ان کے عریاں جسموں پر

www.taemeernews.com

نگاہ جمائے میں ان کی برہنگی کا ذرا عادی ہو گیا تو مجھے معلوم ہونے لگا کہ انھوں نے اپنی اپنی چمڑی پہن کر اپنے وجود کے ہر حصے کو نہایت احتیاط سے ڈھانپ رکھا ہے۔

''پیمی!'' برانڈی اور جنجرایل کا گھونٹ بھرتے ہوئے مجھ سے رہا نہ گیا'' آؤ، ہم ایک دو ماہ کی ایک چھوٹی سی شادی کر ہی لیں''۔

''وا...ٹ؟!...دو ایک ماہ!...''

ہال کی مدھم روشنی میں میرے پُر امید چہرے پر پرچھائیں پڑ گئی، لیکن وہ اپنا گلاس خالی کر کے کہنے لگی۔

''صرف آج!''(صرف جنجرایل!)

اچانک میرے کانوں میں دو چار غبارے پھٹے اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ چاروں سٹرپ ٹیز رناچنے کے انداز میں چلتے چلتے پیمی کے آس پاس آ کھڑی ہوئی ہیں، اپنے آگے بازوؤں میں ہوا سے بھرے ہوئے رنگ برنگے غبارے لیے ہوئے، مادر زاد ننگی! سب تماشائیوں کی نظریں ادھر ہماری جانب ہی ٹِک گئیں۔

''ان میں بھلا سب سے ننگی کون لگ رہی ہے؟'' انگریز نوجوان کی محبوبہ نے اپنے بوائے فرینڈ سے سوال کیا۔

''وہ...!'' اس کے بوائے فرینڈ نے پیمی کی طرف انگلی اٹھا کر جواب دیا۔'' جس نے اپنے آپ کو اتنا ڈھانپ رکھا ہے''۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

باشندے

کوئی چھتیس برس بعد میں اپنے جنم کے نگر میں لوٹا ہوں اور وہ اوجھل راستے میری خوابناک آنکھوں میں بھر آئے ہیں اور بھرتے ہی بڑی فطری سرعت سے ان ہی مانوس مقامات کی طرف ہو لیے ہیں۔

میرے دوست جمال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی کار کی طرف اشارہ کیا ہے— چلو—! وہ مجھے اسٹیشن پر لینے آیا ہوا ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے جمال اور میں لاہور میں اپنے یونیورسٹی ہاسٹل کے ایک ہی کمرے میں رہا کرتے تھے۔ جمال کا آبائی گھر پاکستان کی سرحد کے اُس پار میرٹھ میں تھا۔ اور میرا اسی شہر سیالکوٹ میں۔ پاکستان بننے پر میں سرحد کے پار جا بسا اور وہ یہاں سیالکوٹ آ گیا۔ پودوں کا کیا ہے؟ انھیں کہیں سے اکھاڑ کر کہیں بھی لگا دو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ نئے مقام کی آب و ہوا راس نہ آنے پر گل سڑ جائیں گے— مگر میں تو اتنا بڑا نکل آیا ہوں— نہیں گلتا سڑتا تو میں بھی رہا مگر اُگتا بھی رہا اور اُگتے اُگتے سخت ہو گیا تو میرا اگلنا سڑنا رُک گیا۔ لاچار آدمی سے وہ کچھ تو نہیں ہو پاتا جو وہ چاہتا ہے لیکن فطرت اس پر ترس کھا کر اتنا ضرور کر دیتی ہے کہ جو کچھ وہ ابتداً نہیں چاہتا، ہوتے ہوتے اسے عادتاً چاہنے لگے۔ اس طویل مدت میں میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ میری پہچان اور چاہ کے نشانات اب دلّی سے وابستہ ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر سا لگا رہتا ہے کہ یہاں سے بھی کاٹ لیا گیا تو ایندھن ہو کے رہ جاؤں گا۔ اس کے باوجود جب کسی بھلے موسم میں لہرا رہا ہوتا ہوں اور مجھے دیکھ دیکھ کر میری معصوم شاخیں بھی لہرانے لگتی ہیں اور ان کے ان گنت گول مول پتّے ان کی چھاتیوں میں بیک وقت منہ ٹھونس لیتے ہیں تو اس سکھ کے عالم میں مجھے نہ

www.taemeernews.com

معلوم کیوں کہ اپنی جڑوں سے سیالکوٹ کی پرانی مٹی بھر بھر جھڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور میں ایک دم اپنے اندر ہی اندر رونے لگتا ہوں اور باطن میں اس برستے پانی سے میری شبیہ نکھرتی چلی جاتی ہے۔

میرا سیالکوٹ میری روح میں آباد ہے۔ میری سدا یہ خواہش رہی کہ ایک بار وہاں جانا ہو جائے۔ کھوئے ہوئے کتے بلیاں بھی چار دن میں دُم ہلاتے ہوئے اپنے دور دراز ٹھکانوں پر لوٹ آتے ہیں، مگر انسان ہی ہے جو اپنی رہبری کے لیے ایسے قانون وضع کر لیتا ہے جن کی بدولت عمر بھر ہوائی جہازوں میں بے مقام اڑتا ہے، اپنے وجود سے اپنی ہی روح تک بھی اس کی رسائی نہ ہو پائے۔

ج۔ل نے میرے کندھے کو پھر ہلایا۔

''خواب دیکھ رہے ہو؟ آؤ، گھر چلیں''۔

ریل گاڑی سے اتر کر میں اسے پہچان نہ پایا تھا۔ وقت کے اس طویل فاصلے پر وہ جیالا لڑکا نہ معلوم اپنی داڑھی کی سوکھی اور سپید جھاڑیوں میں کہاں چھپا بیٹھا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر دوسرے سے میری پیٹھ کو دروازے کے اندر کی طرف بڑھایا ہے اور میں اندر بیٹھ گیا ہوں تو وہ بھی میرے پیچھے آ گیا ہے۔

''چلو، ڈرائیور''۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ ''ابھی تک خواب دیکھ رہے ہو، موہن، جاگو!''۔

میں نے اسے بتایا ہے کہ مجھے لگتا ہے میں خواب ہی دیکھ رہا ہوں۔

''آنکھیں کھولو، دوستم''۔

اس کے ہنسنے سے جھاڑیوں میں حرکت ہوئی ہے اور میں نے ان میں بے اختیار جھانکا ہے اور دبے پاؤں چل کر وہاں اپنے چھپے ہوئے دوست کو جا لیا ہے۔

اس نے اپنا سگریٹ سلگا کر ڈبیا اور ماچس میری طرف بڑھائی ہیں۔ ''لو، یہ امپورٹڈ سگریٹ پیو، تمھارا ہندوستان تو دنیا بھر کی دولت جمع کرنے کی فکر میں ایک پیسے کا اچھا مال بھی باہر سے نہیں منگواتا''۔

میں نے سگریٹ کو سلگایا ہے تو وہ کچھ خیال آنے پر بے اختیار ہنسنے لگا ہے۔

www.taemeernews.com

''یاد ہے موہن، میں تمھاری سگریٹ کی ڈبیا غائب کر دیا کرتا تھا اور پھر ہم دونوں ڈبیا ڈھونڈنے کے لیے اپنے روم کی ایک ایک شے الٹ دیتے تھے''۔ اس نے میری پیٹھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا ہے۔ ''تمھیں مجھ پر شک تو ہو جاتا تھا مگر خدا بخشے، میری جھوٹی قسمیں سن سن کر تمھاری پیش نہ چلتی تھی— ہہ ہاہہ— ہاہہ— تم کافروں کی صحبت میں ہم ایمان والوں کا سولہ آنے ستیاناس ہو چکا تھا''۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبا دیا ہے۔ ''ادھر دیکھو، وہ آگے پیچھے والی کی گلی!''

وہ کوچہ بند گلی میری آنکھوں میں ذرا سی جھپکی ہے اور گاڑی آگے نکل گئی ہے۔ ایک بار جمال کو میں لاہور سے اپنے گھر لے آیا تھا اور اسے شیلی سے ملوایا تھا۔ شیلی اس گلی میں دائیں طرف پانچویں مکان میں رہا کرتی تھی— شیلی—! میرے ساتھ ساتھ مت چلو موہن، آگے ہولو— مگر سنو تو— نہیں، آگے جا کے، یہاں کوئی دیکھ لے گا— مگر— نہیں، میں کہہ رہی ہوں نا، میرے ساتھ ساتھ مت چلو— پیچھے ہو جاؤ— میری اس اولین محبت کے تین چار سال شیلی کے آگے پیچھے بھاگتے ہوئے ہی بیت گئے اور اس سے پہلے کہ ہم کھلے بندوں ساتھ ساتھ چلتے، وہ بھی سرحد کے اس پار جا کے کھو گئی۔ اپنے اس ممکن پار کو میں اس پار کہاں کھوجتا؟ مگر اس کا خیال آنے پر جب میں اپنی بیوی کو چومتے چاٹتے ہوئے بے سدھ سا ہو جاتا تو وہ حیران سی شادمانی سے میری طرف دیکھتی رہ جاتی کہ میرا مرد کتنا باؤلا ہے۔

ہماری گاڑی کے آگے آگے سڑک مجھے دیکھتے ہوئے اتنا ہنس رہی ہے کہ اس میں گڑھے ہی گڑھے پڑتے جا رہے ہیں اور گاڑی کے پہیم اُچھلتے چلے جانے سے میرے حواس بجا نہیں رہے ہیں۔

''آہستہ، ڈرائیور!''

''ان گڑھوں میں آہستہ چلاؤں گا شاہ جی، تو اور دھچکے لگیں گے''۔

''ٹھیک ہے'' شاہ جی نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی ہے۔ ''مگر اتنا تیز بھی نہ چلاؤ کہ گاڑی اُلٹ جائے''۔

اس سڑک پر میں بھی تیز تیز چلا کرتا تھا اور چلتے چلتے اندھا سا ہوئے ہوتا تھا۔ ایک

www.taemeernews.com

بوڑھا اور لنگڑا سکھ جو یہیں ایک بہت بڑی بجلی کے سامان کی دُکان کے سامنے آلو چھولے بیچا کرتا تھا، مجھے دیکھتے ہی اپنا کام چھوڑ دیتا تھا اور اس کی گھنی اور سفید داڑھی مونچھوں میں چھپا ہوا چہرہ ہنس ہنس کر باہر نکل آتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ میرے اور شیلی کے پیار کو بھانپ کر اس نے دل ہی دل میں ہمارے بارے میں اپنی مرضی کا کوئی قصہ جوڑ رکھا ہے۔ اسے اس طرح اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر میں گھبرا جاتا اور ٹھوکر کھا کر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گرنے سے بچاتا — بچ کے، باؤ جی۔ ساری اُمر چلدے رہنا تے بچ کے چلو — کچے دنوں کی بعض موٹی تنبیہوں کو ہم تو بھولے ہوتے ہیں، مگر وہ آسیب کے مانند ہمارے ذہنوں میں پڑاؤ ڈالے موقع کی تاک میں لگی رہتی ہیں۔ مجھے بھی یہ قبول کرنے میں تامل نہیں کہ جب بھی کوئی ایسا موقع آیا ہے کہ میں اپنے بچاؤ کی تدبیر کو بالائے طاق رکھ کر بے دھڑک اپنی کوئی عزیز ترین خواہش پوری کرلوں۔ میں نے اس وقت ہمیشہ اپنی خواہش کو بالائے طاق رکھا ہے۔ بچ بچ کے چلتے ہوئے میں بڑا متمول اور معتبر ہوگیا ہوں، مگر اس سے تو یہی اچھا تھا کہ اس آلو چھولے والے کی طرح اپنی ایک ٹانگ گنوا کے بھی پہلے میں اپنی دو چار خواہشیں پوری کرلیتا اور پھر باقی عمر اوروں کو خبردار کرنے میں گزار دیتا — وہ دُکان ہے —! مگر یہاں تو اب کوئی اپنا ہوٹل چلا رہا ہے — نہیں، مجھے وہ وہی بجلی کے سامان کی دکان معلوم ہو رہی ہے اور اس کے سامنے عین اس جگہ پر مکھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ منڈلا رہے ہیں جہاں وہ لنگڑا اپنا خوانچہ لیے بیٹھا ہوتا تھا — بچ کے، باؤ!

گاڑی کا دھچکا کھا کر میں نے اپنے آپ کو اس طرح گرنے سے بچایا ہے گویا سڑک پر چلتے ہوئے ٹھوکر کھا کر۔

''آہستہ چلو، ڈرائیور؟'' جمال نے ڈرائیور کو پھر ہدایت کی ہے۔

سڑک کو میرا پتہ چل گیا ہے اور اس نے ہمارے آگے آگے دور تک دوڑ کر مُڑ کے ہماری ونڈ اسکرین میں سے دیکھا ہے — موہن —! موہن —!

نہیں، واقعی سڑک ہی مجھے بلا رہی ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ پشتوں پرانی سڑک ہے۔ بے جان بھی ہوگی تو لاکھوں انسانوں کی سانسوں میں رچ بس کر اس میں جان پڑ گئی ہوگی؟ یہیں سیالکوٹ میں دادی ہمیں بتایا کرتی تھی کہ دادا سوتے سوتے ہی چل

www.taemeernews.com

بسے۔ جس دن ان کی ارتھی جلائی گئی اسی رات کو بارہ بجے کے قریب دادی کے سرہانے کھڑے وہ اسے جگا رہے تھے — نکّے دی ماں — دادا میرے بابا کو نکّا کہا کرتے تھے — اٹھو، نکّے دی ماں —! دادی نے ہمیں بتایا کہ روتے روتے اس کی ابھی ابھی آنکھ لگ گئی تھی اور اس وقت سپنے میں وہ دادا کو ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھی کہ ابھی خواب ہی دیکھ رہی ہے، اس لیے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''اٹھ، نکّے دی ماں —! اٹھ پے —!''

ہائیں! سا کشات او، ای!

''میں سوچیا، تینوں ملنا نئیں ہویا، نکّے دی ماں، سو آ گیاں''

دادی کا کہنا تھا کہ دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔

''میں نے ای دروجے نوں کیا، نکّے دی ماں، بھلے لوک، آپ ای کھل جا، او باؤلی تے بڑی مشکل نال سوئی ہووے گی''۔

جب ہم نے دادی سے پوچھا کہ دروازہ آپ ہی آپ کیسے کھل گیا تو وہ ہمیں بتانے لگی کہ کیسے نہ کھلتا۔ دادا کا ہی تو بنوایا ہوا تھا۔

ٹھیک ہی تو ہے۔ جسے ہم کسی شے یا شخص کی جان کہتے ہیں وہ آپ ہی آپ کچھ بھی نہیں ہوتی بلکہ، جو اور جیسے بھی ہوتی ہے، سمبندھیوں کے حوالے سے ہوتی ہے۔ دادی ہی ہمیں ایک کھلونے بنانے والے کی کہانی سنایا کرتی تھی کہ وہ کس طرح مٹھی بھر گیلی مٹی کو ہاتھ میں لے کر اپنی انگلیوں کو پوروں سے اس میں اپنی گرمی جذب کرتا تھا، ایسے میں اس کے ہاتھ ماں کی کوکھ بنے ہوتے جہاں سے کوئی جاندار پیدا ہو رہا ہو — میری ماں میرے چھٹپن میں ہی مر گئی تھی مگر اپنی دادی کی جھرّیوں کے خوبصورت تانے بانے میں مجھے اسی کا تندرست اور توانا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ میں اور میری بہن اتنے سال بعد آج بھی جب مل بیٹھتے ہیں تو اپنے بچوں کے بچے سے بنے دادی کے ہاتھوں گھی اور شکر کھاتے ہوئے اس سے کوئی کہانی سن رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں اپنے بیٹے کی جنریشن گیپ کی باتوں پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں کہ جب تک میری مرحومہ دادی زندہ ہے، اس وقت تک میں اپنے پوتوں اور نواسوں کا ہم عصر ہوں۔

www.taemeernews.com

جمال نے میرا کندھا جھٹک کر پوچھا ہے ''کیوں، آپ ہی آپ کیوں ہنسے جا رہے ہو؟''

''مجھے اپنی دادی یاد آ رہی ہے جمال''۔

''تو چین سے دو چار آنسو بہا لو، اس میں کھی کھی کرنے کی کیا بات ہے؟ — لو، ایک اور سگریٹ سلگا لو۔ تمھاری بھابی اب سگریٹ کو چھونے بھی نہیں دیتی، اس لیے میں اپنی ساری سموکنگ گھر کے باہر ہی کرتا ہوں''۔

ہم نے ایک سگریٹ اور سلگا لیا۔

''موہن! تم نے اپنی دادی سے سنی ہوئی جو کہانیاں مجھے سنا رکھی ہیں ان میں سے کئی ایک مجھے ابھی تک نہیں بھولیں۔ جس دن تمھارے آنے کی چٹھی ملی اس دن تو کئی اور یاد آ گئیں''۔ جمال آبدیدہ ہو گیا ہے۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ ایک ہی دن کے لیے آئے ہو''

''میں تمھیں بتا چکا ہوں، میرے ویزے کی میعاد ختم ہو رہی ہے''۔

''پہلے کیوں نہیں آ گئے؟''

وہ بھی میں اسے بتا چکا تھا کہ چھ روز کیوں کر وہ کام نمٹانے میں صرف ہو گئے جس کے لیے ویزا منظور ہوا تھا۔

''بڑے فراڈ ہو، چھتیس سال بعد آئے ہو اور بس ایک ہی دن؟''

سڑک کے آخری کونے میں پہنچ کر ڈرائیور گاڑی کو دائیں طرف موڑنے لگا ہے تو میں نے بائیں طرف اشارہ کر کے جمال سے کہا ہے ''پہلے ادھر سے ہو چلو نا''۔

''ہاں، چلو، پہلے تم اپنا گھر دیکھ لو''۔

ادھر بائیں نشیب پر مڑتے ہی دل کی ساری ٹوہیں جوں کی توں یکے بعد دیگرے میرے سامنے آنے لگی ہیں۔

''چاچا، بیٹھ لی اُپر، سوار و سوار؟'' میں فضلے کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں اور اس بازار کی دکان بہ دکان پوچھتا جا رہا ہوں کہ نیچے والا اوپر آ جائے چاچا، یا سواریوں ہی سوار بنا رہے؟

www.taemeernews.com

''سوار و سوار''۔

اس دکان کے آگے میں نے فضلے کو نیچے پٹخ دیا ہے ''بس، اب اور نہیں''۔

فضلے نے مجھے یاد دلایا ہے کہ آخری نکڑ سے پہلے کھیل کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

''بول دیا نا بس!''

اس نے مجھے گلے سے پکڑ لیا ہے۔

میں نے اسے ایک مُکّا رسید کیا ہے۔

وہ مجھ سے تگڑا ہے اور مجھے پیٹنے لگا ہے۔

میں نے رونا شروع کر دیا ہے۔

وہ گھبرا گیا ہے ''رونیں۔ اہُن تو میری پیٹھ اُپّر آ جا''۔

میں اُس کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہی روتے روتے مسکرانے لگا ہوں۔

جمال نے مجھ سے پوچھا ہے ''مسکرا کیوں رہے ہو؟''

اس چوک پر لوہڑی کے تہوار پر رات کے وقت آگ جلائی جا رہی ہے اور آگ کے شعلے اتنے اونچے اٹھ رہے ہیں کہ شہر بھر کے مکانوں کی الگ الگ چھتوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہی لگ رہا ہے کہ ایک ہی جگہ وہ جُڑ کر بیٹھے آگ سینک رہے ہیں۔

ریلوے لائن کراس کرتے ہی یہاں سڑک کی بائیں طرف وہ — ہاں، وہیں — بے بے نوراں کی گلی ہے۔

''بے بے!''

اپاہج اور بوڑھی بے بے نے اپنے جھونپڑے کے کچّے فرش پر بدن کو گھسیٹتے ہوئے دروازے سے جھانکا ہے۔ اس کے چہرے کی جھرّیاں کالے پانی کے خاردار راستوں میں اٹکی ہوئی ہیں۔ جہاں اس کا جوان بیٹا ایک لمبے عرصے سے قتل کی سزا بھگت رہا ہے۔ چوں کہ بے بے دن رات ان ہی راستوں میں بھٹکتی رہتی ہے، اس لیے بے چاری کو اپنا آس پاس دکھائی نہیں دیتا۔

''بے بے!''

''کون ہے؟''

www.taemeernews.com

''میں، موہنا، بے بے— سلاماں لیکم بے بے۔ اے جلیبیاں لو، دادی نے بھیجیاں''

بے بے کے منہ سے موسلا دھار دعائیں برسنے لگی ہیں— جیوندارہ—! کھلدارہ—! ہسدارہ—! پھلدارہ—!

بے بے کی دعاؤں کی پھوار گاڑی میں پڑ رہی ہے جس سے میرا منہ دُھل گیا ہے۔

جمال نے مجھ سے پوچھا ہے ''ارے رو کیوں رہے ہو؟''

گاڑی اب ہماری گلی والے بازار میں داخل ہو رہی ہے— یہ سپرٹ والے ننگے چاچے کی دُکان— چاچا، تُسی کپڑے کیوں نئیں پہندے— ؟ ننگے آئے پُتّرا، تے ننگے ہی جانا— تڑاق—! یہاں گوبند تایا مجھے دیکھتے ہی اپنی مٹھائی کی دُکان سے تیز تیز نیچے اتر آیا ہے۔ اور کچھ پوچھے بغیر تڑاق سے میرے منہ پر ایک چانٹا دے مارا ہے۔

''کنجر بازار کا چکر کیوں کاٹتا رہتا ہے؟'' غصّے میں تایا ہمیشہ اردو بولتا ہے۔

میں نے اپنا گال سہلاتے ہوئے اسے جواب دیا ہے کہ کنجروں کا بازار میرے کالج کے راستے میں پڑتا ہے۔

تایا نرم پڑ گیا ہے اور مجھے اپنی دکان سے برفی کے دو ٹکڑیاں دیتے ہوئے بولا ہے ''لے، کھالے''۔

برفی لے کر میں جانے کے لیے مُڑا ہوں تو مجھے اس کی ہدایت سنائی دی ہے کہ آئندہ میں کسی دوسرے راستے سے کالج جایا کروں۔

یہ ہماری گلی آ گئی ہے۔

جمال نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کو کہا ''آؤ، موہن''۔

گلی میں سناٹا سا ہے، جوں ہی میں نے اس کے اندر جانے کے لیے قدم رکھا ہے، مجھے اپنے گھر کے پڑوس کے مندر کے دروازے سے برآمد ہوتی ہوئی دادی کی پرچھائیں نظر آئی ہے۔ مندر کی سیڑھیوں سے اتر کر وہ گلی کے موڑ کی طرف ہولی ہے، جہاں دائیں جانب ہمارے گھر کا دروازہ ہے۔ جمال کو پیچھے چھوڑ کر میں تیز تیز چلنے لگا ہوں۔ ذرا آگے جا کے جب وہ دائیں جانب مڑی ہے تو مجھے اس کے چہرے کی جھلک دکھائی دی ہے۔ میں نے اور تیزی سے چلتے ہوئے اسے جالینا چاہا ہے مگر موڑ پر پہنچ کر میں نے دیکھا ہے کہ وہاں

www.taemeernews.com

کوئی نہیں۔ میں اپنے گھر کے دروازے کے سامنے آ کھڑا ہوا ہوں۔ گھر کا دروازہ بند ہے۔ میں نے آس پاس کے گھروں پر نگاہ دوڑائی ہے۔ سبھی ویسے ہی سٹے ہوئے ہیں۔ ہم اندر ہی اندر سے ایک دوسرے کے یہاں پہنچ جایا کرتے تھے۔ یہ سبھی گھر ہمارے اپنے ہی تھے اور اپنے گھر سے اپنے ہی گھر جانا ہو تو باہری دروازے سے تھوڑا جایا جاتا ہے۔

میں نے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے اور مجھے ایک عجیب سی سوچ آئی ہے کہ میں کوئی اور ہوں، کوئی باہر کا آدمی ہوں اور جو اندر سے دروازہ کھولے گا وہ بھی میں ہی ہوں گا لیکن میری بجائے وہ میں، جو میں ان دنوں تھا، بالا سا۔

میں اپنے اس پرانے مَیں کو کیسے نہ پہچانتا؟ مگر اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا ہے ''آپ کون ہیں؟''

نہیں اس میں اس بے چارے کا کیا دوش؟ اس نے مجھے کبھی دیکھا ہی نہیں تو پہچانے کیوں کر؟

دروازہ بدستور بند ہے۔ میں نے اسے ایک بار پھر کھٹکھٹایا ہے اور جواب کا انتظار کرنے لگا ہوں اور اس دوران دیکھا ہے کہ باہر کی دونوں کھڑکیاں بھی بند ہیں۔ میں نے ایک بار اور دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ہے لیکن سامنے کے مکان کی کھڑکی سے ایک پردہ دار خاتون کی اجنبی سی آواز سن کر رُک گیا ہوں ''گھر والے باہر گئے ہوئے ہیں''۔

جمال نے بڑی ماتمی نرمی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے ''چلو واپس چلیں موہن''۔

ہم دونوں چپ سادھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گلی سے باہر نکل آئے ہیں اور گاڑی میں آ بیٹھے ہیں۔

''چلو ڈرائیور''۔ جمال نے ڈرائیور سے نظر ہٹا کر میری طرف دیکھا ہے ''سگریٹ پیو گے؟''

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے دو سگریٹ سلگا کر ایک میری طرف بڑھا دی ہے اور ہم دونوں نے خاموشی سے لمبے لمبے کش لیتے ہوئے اپنے ذہنوں میں اتنا دھواں

www.taemeernews.com

بھر لیا ہے کہ ہمیں کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا۔

گاڑی فرّاٹے بھرتی ہوئی بھیڑوں کے پُل کی کھلی سڑک پر جا رہی ہے۔ جمال نے سکوت توڑتے ہوئے مجھے بتایا ہے کہ وہ اسی علاقے میں رہتا ہے۔

''یہیں ایک کرشن مندر بھی تو تھا؟''

''ارے ہاں، وہی مندر تو میرا گھر ہے''۔

مجھے ذرا عجیب سا لگا ہے کہ بھگوان کے گھر اب انسان بس گئے ہیں۔

''لو ہم آ پہنچے ہیں''۔

میری نظروں میں وہی پرانا مندر گھسا ہوا ہے اور مجھے وہ تبدیلیاں دکھائی نہیں دے رہی ہیں جو جمال نے اپنی رہائشی ضرورتوں کے پیشِ نظر مندر کی عمارت میں کروا رکھی ہیں۔

جب ہم گیٹ سے داخل ہوئے ہیں تو جمال کے گھر والے لان سے اٹھ کر ہماری طرف بڑھے ہیں۔

''میری بیگم سے ملو''۔ ہمارے گاڑی سے نکلنے پر جمال نے اپنی بیوی سے میرا تعارف کروایا ہے۔

''سلاماں لیکم''۔ بھابی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ہے۔

''وعلیکم السلام، بھابی''۔ وعلیکم السلام، کی اتنی درست ادائیگی پر مجھے اپنے لہجے کی اجنبیت پر شرمساری سی محسوس ہوئی ہے۔

''سنا، بیگم؟'' یو۔پی کے جمال نے کہا ہے ''کتنا صحیح تلفظ ہے میرے یار کا! میرے ڈھائی تین سال کے ساتھ ہی میں یہ پنجابی آدمی ہو گیا، مگر ایک تم ہو کہ میرے ساتھ ساری عمر بتا کر بھی جوں کی توں پنجابن ہو''۔

''تو کیا ہوا؟'' بھابی نے جواب دیا ہے۔ ''مجھ کو تو ایک اردو ہی نہ آئی، پر تم کو اردو کے سوا آتا ہی کیا ہے؟''

''تمھاری رفاقت کا اثر ہے بیگم'' پھر جمال میری طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ ''یاد ہے موہن! تم بھی اسی طرح مجھ کو، تم کو کیا کیا کرتے تھے اور میں نے تمھیں وارننگ دی تھی کہ صحیح زبان نہ بولو گے تو میں اپنا ہوسٹل کا روم بدل لوں گا— مگر اپنی بیگم سے یہ کیسے کہہ سکتا

www.taemeernews.com

ہوں؟''

ہم سب ہنسنے لگے ہیں۔

''یہ میری بہو ہے موہن اور یہ بیٹی۔ اس کا میاں سعودی عرب میں انجینئر ہے اور وہ—''

اس لڑکے کو دیکھ کے مجھے لگا ہے کہ میرے ذہن سے وہی پرانا جمال برآمد ہوکر میرے سامنے کھڑا ہوگیا ہے— نکالو، نکالو، میری سگریٹ کی ڈبیا۔ میں یہ سوچ کر مسکراتے چلے جانے کے باوجود اداس سا ہوگیا ہوں کہ میں اسے ویسے ہی نہیں دِکھ رہا جیسے وہ مجھے دِکھ رہا ہے۔ میری جگہ اگر میرا بیٹا ہوتا تو جمال اور موہن اس دور میں بھی جوں کے توں مل لیتے۔

''موہن کل ہی یہاں سے جا رہا ہے'' جمال نے اپنی بیوی سے کہا ہے ''اچھا ہی ہے، ہمیں کوئی اور کام نہیں کیا؟''

''ارے بھئی خفا کیوں ہو رہے ہو؟''

''بنئے کو اتنا اچھا کھانا کھلواؤ بیگم کہ اسے اپنے دال بھات میں بھی سدا ہمارے کھانے کی لذت آتی رہے— ڈرائیور!'' پھر اس نے ڈرائیور کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا ہے۔

''جی، شاہ جی''

''ان کا سامان میرے ہی بیڈروم میں رکھ دو''۔ اسی دوران میری طرف دیکھ کے اس نے کہا ہے۔ ''ایک ہی رحمت کی رات سہی، ہم ویسے ہی روم میٹ بن کر یہ رات گزاریں گے— بیگم، آج— صرف آج مجھے سگریٹ پینے سے منع مت کرو— یہ لو موہن پیو''۔ اس نے ایک سگریٹ مجھے دے کر ایک اپنے ہونٹوں سے لگالی ہے ''ڈرائیور کے ساتھ جاؤ موہن، منہ ہاتھ دھولو، پھر بیٹھیں گے''۔

ڈرائیور کے ساتھ، مندر، کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میری آنکھوں میں وہ گھڑیاں لوٹ آئی ہیں۔ جب میں یہاں ہر جنم اشٹمی پر پرشاد لینے آیا کرتا تھا۔ ان دنوں یہاں ہر سال جنم اشٹمی کے موقع پر نصف شب کو بھگوان کرشن کا جنم ہوتا تھا۔ ایک ہی سال میں اپنی

www.taemeernews.com

عمر پوری کر کے بھگوان عین اسی گھڑی پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ میں کوئی اور تہوار مناؤں یا نہ مناؤں، جنم اشٹمی کو بڑی دھوم دھام سے مناتا ہوں اور گا گا کر بھگوان کا پنگھوڑا جھلاتا ہوں اور اس کے بچپن اور بے بسی کو محسوس کر کے میری ممتا جاگ اٹھتی ہے اور میں بے اختیار چاہنے لگتا ہوں کہ اسے کلجگ کی اگنی سے بچائے رکھوں۔

برآمدے سے گزر کر ہم ایک ہال کمرے میں آ گئے ہیں اور پھر اس کے عقب میں ہی جمال کے سونے کے کمرے میں ڈرائیور نے میرا سامان ایک طرف رکھ دیا ہے اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا ہے کہ وہ باتھ روم ہے ''منہ ہتھ دھولو جی''۔

اس کے جاتے ہی میں نے اپنے سوٹ کیس سے ڈھیلے کپڑے نکالے ہیں اور باتھ روم میں داخل ہو گیا ہوں۔ ہاتھ منہ دھو کر میں تولیے سے اپنا چہرہ پونچھ رہا ہوں کہ واش بیسن میں اچانک مجھے ایک کاکروچ دکھائی دیا ہے، جس سے نامعلوم میں نے مسکراتے ہوئے 'سلاماں لیکم' کہا ہے اور پھر جمال کا خیال آنے پر اپنے آپ کو درست کیا ہے، السلام علیکم ــــ! اور کاکروچ نے جواباً اپنے پر پھیلائے ہیں ــــ وعلیکم السلام! اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے کہیں غائب ہو گیا ہے۔

کپڑے بدل کر جب میں ہال میں لوٹا ہوں تو جمال کو وہاں اپنا منتظر پایا ہے۔

''آؤ''۔

میں اس کے قریب صوفے میں دھنس گیا ہوں اور اسے اپنی امپورٹڈ سگریٹ کی ڈبیا نکالنے کو کہا ہے۔

مجھے ڈبیا تھماتے ہوئے وہ مجھے بتانے لگا ہے ''اسی ہال میں کرشن کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ وہ وہاں جنگلے میں''۔

''ہاں، مجھے معلوم ہے''۔ میں نے اس جنگلے پر ٹکٹکی باندھ لی ہے۔

''ارے!'' وہ اچانک اچھل کر اٹھا ہے۔ ''میری نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں''۔

وہ اٹھ کر باہر چلا گیا ہے اور میں اس جنگلے کے قریب آ کھڑا ہوا ہوں۔ جنگلے کے اندر عین وسط میں اُکھڑے ہوئے سیمنٹ کے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ مورتی یہیں نصب کی

www.taemeernews.com

گئی ہوگی۔ میں ادھر گھور گھور کر دیکھ رہا ہوں اور اس طرح دیکھتے دیکھتے مجھے اپنے من میں ایک دم کئی گھنٹیاں بجنے کی صدا سنائی دی ہے اور کرشن بھگوان میری آنکھوں سے نکل کر سیدھے اپنے استھان پر جا کھڑے ہوئے ہیں— بول کرشن بھگوان کی جے—! سارا ہال وہاں بیٹھے ہوئے ان گنت لوگوں کی جے، جے سے گونج اٹھا ہے۔ کرشن بھگوان پیدا ہو گئے ہیں—! لو، بیٹا پرشاد کھالو—! دادی نے میرے منہ میں اتنی مٹھائی ٹھونس دی ہے کہ مجھ سے بولا نہیں جا رہا لیکن میں جی ہی جی میں سبھوں کے ساتھ پکار اٹھاں ہوں، بول کرشن بھگوان کی جے—! کرشن بھگوان پیدا ہوتے ہی جوان ہو گئے ہیں اور بنسری کو ہونٹوں سے لگائے ہوئے ہیں اور سانولے بھگوان کی بنسری کی مدھر تان پر مکھن جیسی گوپیاں ناچ رہی ہیں اور ناچ ناچ کر بے سُدھ ہو رہی ہیں اور چاہ رہی ہیں کہ وہ سدا اسی طرح بے سُدھ ہو کر ناچتی رہیں— ہال میں بیٹھی ہولی سنگت پنڈت جی کی وانی پر سر دھنتے ہوئے گانے لگی ہے— رادھے شیام— رادھے شیام— ! رادھے—! بھگوان ورندابن چھوڑ چکے ہیں، مگر رادھے ویسے ہی ناچتی جا رہی ہے جیسے وہ اپنے ہونٹوں پر مُرلی رکھے جوں کے توں اپنی تان چھیڑے ہوئے ہوں— نہیں، بے چاری کو روکو مت، اسے بتاؤ مت، کہ بھگوان کو گئے تو ایک یُگ بیت چکا ہے— ہال میں ہچکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ رادھے کو ناچتے چلے جانے دو۔ اسے روکو مت۔ ہچکیوں کی آوازیں بڑھتی جا رہی ہیں— میں نے ہچکیاتی آوازوں کی طرف منہ موڑا ہے اور دیکھا ہے کہ ہال تو خالی ہے وہاں سوائے میرے اور بھگوان کے اور کوئی نہیں— نہیں، وہاں نہیں، پیچھے ہٹ کر دیوار سے پیٹھ لگائے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں نہ بنسری ہے، نہ سدرشن چکر اور سر بے مکٹ ہے اور بازو لٹکے ہوئے۔

مجھے بھگوان کے اکیلے پن پر ترس آنے لگا ہے۔

''بھگوان!'' میں نے بھگوان کی ڈھارس بندھانے کے لیے منہ کھولا ہے۔

بھگوان اچانک اُچھل کر سیدھے کھڑے ہو گئے ہیں'' ارے، میری نماز کا وقت نکلتا جا رہا ہے''۔

میں نے آنکھیں جھپک کر جو دوبارہ اُدھر دیکھا ہے تو وہ جا چکے ہیں۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

بیک لین

لال پگڑی والے نے مجھے روک لیا ہے۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اسے کیا بتاؤں؟

''جاؤ، خبردار، جو اِدھر اُدھر آنکھ اٹھائی۔ ناک کی سیدھ میں چلتے جاؤ''۔

چلو، چھٹی ہوئی، یہ لوگ نامعلوم کیوں مجھے روک روک کر خبردار کرتے رہتے ہیں۔ میں کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔ ہمیشہ اپنی ناک کی سیدھ چلتا ہوں۔ کوئی کسی طرف بھی منہ کرے، چلنا تو اسے اسی طرف ہوتا ہے، جدھر اس کی ناک منہ کیے ہو۔ موٹی سی بات ہے۔ پر غریب بے چارہ بولے تو کیا بولے؟ میں سر ہلا ہلا کر گویا لال پگڑی والے کو بار بار سلام کرتے ہوئے ناک کی سیدھ میں چل رہا ہوں اور شرمندہ ہوں کہ کچھ نہ کرنے پر بھی پکڑا گیا ہوں۔

''ٹھہرو!''

اس کی آواز پر میرے پیر چلتے چلتے میری مرضی سے یا مرضی کے بغیر ایک دم ٹھہر گئے ہیں۔ میں ہوں کیا، جو اپنی مرضی سے رکوں یا چلوں؟

اس نے تیزی سے میرے قریب آ کر پوچھا ہے... ''اس جھولے میں کیا ہے؟''

میں اپنے کام پر نکلتا ہوں تو چادر کا جھولا بنا کر دائیں کندھے سے لٹکا لیتا ہوں۔

''بولو...!''

میں نے گھبرا کر جھولے کو پیٹھ کی طرف پھیر لیا ہے۔ اتنا پردہ تو بنا ہی رہنا چاہیے کہ دل پھوٹ پھوٹ کر کھال کے باہر نہ آنے لگے۔

www.taemeernews.com

''بولتے کیوں نہیں؟ جھولے میں کیا چھپا رکھا ہے؟''

لال پگڑی والے نے جھپٹ کر جھولے کو تیز تیز ٹٹولا ہے اور پھر منہ لٹکا کر گویا ہوا ہے،

''یہ تو خالی ہے!''

اس کا منہ غصے سے پھول کر پھٹا پرانا فٹ بال سا بنا ہوا ہے۔ منو کباڑیے کے پاس لے جاؤ تو اس حالت میں بھی چونی دے ہی دے گا... خوفزدہ ہونے کے باوجود میں شاید ہلکا سا مسکرا دیا ہوں۔

''ہنس کیوں رہے ہو؟ مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟''

میں نے 'نہیں' کہنے کے لیے بڑے ادب سے سر ہلایا ہے مگر کسی بے وقوف کو جھوٹ موٹ یقین دلایا جائے کہ وہ بے وقوف نہیں تو اسے اپنی بے وقوفی پر اور غصہ آنے لگتا ہے۔

''تم بدمعاشوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ خالی جھولا لٹکائے موقع کی تاک میں گھومتے پھرتے ہو''۔

یہ بات اس کی جھوٹی نہیں مگر سبھی لوگ یہی تو کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے دل میں جھولا لٹکائے اسی تاک میں مارے مارے پھرتا رہتا ہے۔ کیا معلوم کب کیا ہاتھ آ جائے۔

''بھاگ جاؤ، ورنہ خون پی جاؤں گا''۔

میں یہ سوچتے ہوئے آگے ہولیا ہوں کہ ہزار غصے کے باوجود جنگلی جانور بھی پئیں تو پانی ہی پیتے ہیں۔ پھر آدمی کیوں اپنا پارہ چڑھتے ہی لہو کا پیاسا ہو جاتا ہے...؟ آج سویرے کی بات ہے کہ کھانے کے لیے روٹی کی پوٹلی کھول کر میں نے جو ذرا پیٹھ موڑی تو فقیرا نے روٹی پر جھپٹا مار کر اسے منہ میں لے لیا اور بھاگ نکلا... فقیرا میرا کتا ہے جو میری غیر حاضری میں میری جھونپڑی کی رکھوالی کرتا ہے... اس کے پیچھے میں نے گالیوں کی پوری فوج چھوڑ دی مگر وہ سب سے بچ کر صاف نکل گیا۔ بتانے میں یہ جا رہا ہوں کہ فقیرے کو گالیاں بکتے ہوئے میری زبان دانتوں میں آ کر کٹ گئی اور لہولہان ہو گئی... اور پتہ نہیں بھوک لگی ہوئی تھی یا کیا؟ لہو کا ذائقہ مجھے بڑا اچھا لگا اور میں کافی دیر انجانے میں اپنا لہو بڑے مزے سے حلق سے اتارتا رہا۔ اپنی خوراک کا بندوبست اگر اپنے ہی بدن میں سے ہوتا رہے، تو سارے جھنجھٹ سے چھٹکارہ ہو جائے...

www.taemeernews.com

اپنے خیال کی رو میں میں یہاں کوٹھیوں کے آگے سڑک پر آ گیا ہوں۔ میرا یہاں کیا کام ہے؟ سڑک کے دونوں طرف پالش کیے ہوئے پتھر کی خوبصورت کوٹھیاں ہیں اور ان کے آگے چار ایک فٹ کی باہری دیواروں تک پتھر ہی کے فرش پر باغیچے لگے ہوئے ہیں جن کے رنگ برنگے پھولوں نے دیواروں سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا ہے اور پھر آپس میں سرگوشیاں کر کے ہنسنے لگے ہیں۔

میں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا ہے۔

میرے پیروں کے نیچے سڑک اتنی صاف ہے کہ اس پر چلتے ہوئے اپنا بدن مجھے دھبہ سا لگا ہے... ہاں، اتنے صاف ستھرے آس پاس میں میرا کیا کام؟ ایک میں ہی میں یہاں اس قدر گندا معلوم ہو رہا ہوں، مانو کسی کوٹھی والے نے اپنا کوڑا کرکٹ کوٹھی کی پچھلی گلی کی بجائے آگے کی طرف پھینک دیا ہو۔ مُنّو کباڑیے سے میں نے کئی بار کہا ہے، کباڑ کم ہے تو مجھے بھی اس میں ڈال کر لے لو، پر دام پورے دو۔ مگر مُنّو مجھے صاف جواب دیتا ہے، دام تو چیز کے ہوتے ہیں، تم کس کام کے؟ سو میں ان کوٹھیوں کی پچھلی گلیوں میں ان کے ڈھیروں گند میں سے اس کے کام کی چیزیں چن چن کر اپنا جھولا بھرتا رہتا ہوں۔

میں پچھلی گلی میں داخل ہونے کے لیے مُڑ گیا ہوں اور وہاں پہنچ کر نتھنوں میں مانوس بو باس گھستے ہی مجھ میں دَم پیدا ہونے لگا ہے۔ ان جانی پہچانی بوؤں کے دھکّم دھکّا میں میرا جی چاہتا ہے کہ بے اختیار ہنستا چلا جاؤں۔ پچھلے ہفتے اسی کیفیت میں میری ہنسی تھمنے میں نہ آ رہی تھی کہ ایک مرغ، وہ... ہاں، وہ... وہی ہے... وہ مرغ اپنی مرغی کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک اچھل کر میرے کندھے پر آ بیٹھا اور سانس کے سارے در کھول کر بانگ دینے لگا۔ اور مجھے لگا کہ اس پھڑ پھڑاتی بانگ کے پروں تلے میں انڈے کا انڈا اپنے آپ پھوٹ گیا ہوں اور اندھیرے سے باہر آ کر اُجالے کی جل تھل میں نہانے لگا ہوں۔

بابو کتا بھی میرے پیچھے پیچھے گلی میں آ پہنچا ہے۔ بابو کو اس کا نام میرا ہی دیا ہوا ہے اور کچھ دینے کو میرے پاس ہے ہی کیا؟ یہاں کے نوکروں اور کتّوں کو بابو کہہ کے بلاتا ہوں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایک بار چار نمبر والوں کے نوکر کا منہ اپنے گھر والوں کی گالیاں کھا کھا کے پھولا ہوا تھا، کہ میں نے بڑے پیار سے اس سے کہا۔ ”دوائی کے دام نہ ہوں بابو، تو

www.taemeernews.com

بیماری کو ہنسی خوشی جھیلنے سے بھی آدمی ٹھیک ہو جاتا ہے''...وہ بے چارہ رونے لگا...روؤ نہیں بابو... بابو... بابو.... مجھے کیا پتہ تھا کہ بابو کتا بھی پاس ہی کھڑا ہے۔ اس نے مجھے اس کا نام اس لونڈے کے حوالے کرتے ہوئے پایا تو غصے میں چھلانگ لگا کر نردوش کی پنڈلی کو اپنے دانتوں میں لے لیا... بابو جہاں بھی ہو میرے یہاں پہنچتے ہی بوپا کر دُم ہلاتے ہوئے چلا آتا ہے۔

مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر وہ اپنے بند منہ سے غرّایا ہے۔

''ہاں، ہاں، دیکھ لیا ہے بابو۔ کہو... کیسے ہو؟''

میں نے اس کی طرف سر اٹھایا ہے اور اس کے منہ میں ایک سالم ڈبل روٹی دیکھ کر میرا پیٹ خالی ڈھول کی طرح تھئی تھئی بجنے لگا ہے...آؤ۔

میں گلی کے بیچ میں ہی بیٹھ گیا ہوں اور اس نے اپنا منہ کھول کر ڈبل روٹی میرے آگے مٹی میں گرادی ہے۔

او بے وقوف، مٹی میں کیوں گرادی ہے؟ کھانے والی چیزوں کو تو آنکھوں میں اٹھا کر رکھتے ہیں۔

میں نے ڈبل روٹی سے مٹی جھاڑ کر آدھی اس کے آگے ڈال دی ہے اور آدھی پر اپنا منہ مارتے ہوئے مجھے یاد آیا ہے کہ آج میں نے چھوٹو کے ہاتھ فقیرے کو روٹی بھیجی تھی۔ بھوکا آدمی ہے۔ اس نے آپ ہی کھالی ہوگی... میں ہنسنے لگا ہوں، خالی پیٹ میں ڈبل روٹی اترنے سے یا اپنے اس خیال پر، کہ جسے ہم کتا کہتے ہیں اس کی تو بھوک سے جان نکل رہی ہوتی ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ آدمیوں کی طرح پچھلی دو ٹانگوں پر کھڑا ہو جائے اور اگلی کو ہاتھوں کی طرح باندھ کر ہم سے اپنی اجرت کی بھیک مانگتا رہے۔ میں نے گویا فقیرے کو پیار کرنے کے لیے بابو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا ہے اور اس بے زبان نے بھونک کر مجھ سے پوچھا ہے، اور لاؤں؟

مجھے معلوم ہے کہ باہری سڑک پر جب وہ چڑ چڑا اور بڈھا حلوائی گدی پر بیٹھے اونگھنے لگتا ہے تو بابو موقع پاتے ہی اس کے تھالوں سے کچھ نہ کچھ اُچک لیتا ہے۔ بڈھا بے چارہ ہر چیز گنتی سے رکھتا ہوگا۔ مگر اس کے کم پڑ جانے پر اپنے بوڑھے حافظے اور جوان بیٹے کو کوستا

www.taemeernews.com

ہوگا... حرام کی اولاد آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے۔ سارا کام سنبھال لے تو میں کیوں ہڈیوں کو کوٹ کوٹ کر لڈو بناتا رہوں...؟ تین چار دن پہلے میری جیب پیسوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے بابو سے کہا، آؤ، آج بڈھے کو پیسے دے کر کھاتے ہیں۔ بابو میرے آگے آگے گویا سوٹ بوٹ پہن کے ہولیا اور بڈھے کی دکان پر اس نے بڑی شان سے بھونک لگائی، دو ڈبل روٹیاں دو... جلدی!

بابو نے پھر سے پوچھا ہے۔ بس یا اور لاؤں؟

نہیں، اتنی ہی بہت ہے۔ آؤ! اب اپنا کام کریں۔

سب سے پہلے میں کوڑے کے ڈرم کو اُلٹ دیتا ہوں اور بابو میری سہولت کے لیے پنجے مار کر کوڑے کو خوب پھیلا دیتا ہے اور پھر میں اپنے مطلب کی چیزیں چُن کر کوڑا اکٹھا کر کے ویسے ہی ڈرم میں ڈال دیتا ہوں۔ ہر کوٹھی کا ڈرم الٹتے ہی ان لوگوں کی ساری گندگی میری آنکھوں میں آجاتی ہے۔ خدا بچائے... میرا دھندہ ہی یہی ہے۔ مجھے معلوم ہے اوروں کی گندگی کھجیارنا اچھا کام نہیں، گند ڈھنپا ڈھنپا نہ رہے تو روگ ہی پھیلتے ہیں، مگر میں کیا کروں؟ ان کے کوڑے کے ڈھلنے نہ کھولتا رہوں تو بھوکوں مروں۔

آؤ!... میں نے تین نمبر والوں کا ڈرم اُلٹ کر بابو سے کہا ہے۔ مجھے پہلے سے ہی پتہ ہے کہ اس ڈرم سے ردی کاغذ، شراب کے خالی ادھے اور پوّے اور سگریٹ کے بے حساب ٹکڑے نکلیں گے۔ منو کباڑیہ کہتا ہے کہ اخبار کا کاغذ لایا کرو۔ کہاں سے لے جاؤں اخبار کا کاغذ؟ گھر والے کو خبروں کی ٹوہ بھی تو ہو۔ اسے تو اتنا بھی علم نہیں کہ اس کے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ پروفیسر صاحب جب رات دن اپنی الَم غلَم سوچوں سے کورے کاغذ کالے کر کر کے ردی کی ٹوکری بھر رہے ہوتے ہیں تو ساتھ کے کمرے میں ہی ان کی بیوی جوان نوکر کو گرما رہی ہوتی ہے... سب سے پہلے میں خالی بوتلوں کو اٹھا کر جھولے میں ڈالنے لگا ہوں۔ کیا مجال، کسی بوتل میں شراب کی ایک بوند بھی باقی ہو۔ سالا نوکر ہر بوتل میں رہی سہی کو پانی میں گھول کر غٹ غٹ چڑھا جاتا ہے، نہیں تو اتنی بوتلوں میں سے بوند بوند بھی جمع کیا کروں تو ہفتے میں ایک بار تو میرا جلسہ ہو ہی جایا کرے... ہاں، اس دن مجھے اس ڈرم سے ایک پورا ادھ کھلا ادھا مل گیا تھا۔ انجانے میں پھینک گیا ہوگا، ورنہ اس ماں کے یار کے ہتھے

www.taemeernews.com

چڑھ جاتی تو اسے کیا اپنے باپ کے لیے یہاں ڈال جاتا؟ میں اس دن کام دھندا چھوڑ کے خوشی سے ہانپتے ہوئے سیدھا اپنی جھونپڑی میں چلا آیا اور خالی پیٹ میں بوتل خالی کر کے سارا دن اور ساری رات فرش پر اوندھا پڑا رہا۔ فقیرا غصے سے غرّ اغرّ اکر میرا بدن کنکناتا رہا مگر نشے میں مجھے یہی لگتا رہا کہ میرے نصیب کھل گئے ہیں اور دودھیا چام سے لدی ہوئی گھر والی سچ مچ کہیں سے میرے ساتھ بسنے کو آ گئی ہے اور میرے بدن کو چوم چاٹ کر میری جنم جنم کی تھکان چوسے جا رہی ہے... دوسرے دن میری آنکھ کھلی تو فقیرے نے مجھے دل کھول کر سنائیں۔ میں پہلے تو اسے شرمندگی سے سنتا رہا۔ پھر سر اوپر اٹھائے بغیر اس سے کہا، اب چھوڑو بھی باپ مورے، جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ پروفیسر کی ردی سوچوں کا پلندہ باندھتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو بتایا ہے کہ اتنا بوجھل ہو گیا ہے پر منّو نو سے دس پیسے قیمت لگانے پر بھی راضی نہ ہوگا... اب میں نے سگریٹ کے ٹکڑوں پر آنکھیں لگالیں۔ اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں کہ جب تک انگلیاں نہ جلتی ہوں گی، اپنے اردگرد دھوئیں کے غبار گہرے کرتا جاتا ہوگا... ارے بھئی، کچھ سوچنا ہی ہے تو باہر آ کے سیدھا سیدھا دیکھ کے سوچو، جس کے لیے سوچیں بنی ہوئی ہیں، یہ کیا کہ اپنی سوچوں کے بارے میں سوچتے چلے جاؤ... میں نے دو چار سگریٹ کے ذرا بڑے ٹکڑے چن کر جیب میں رکھ لیے ہیں۔ ایک دو کش تو نکل ہی آئیں گے... ارے بس!... میں نے بابو سے کہا ہے اور ملبے کو واپس ڈرم میں ڈالنے کے لیے اکٹھا کرنے لگا ہوں۔

ابھی تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ میں آپ ہی اپنے دماغ میں بولے جا رہا ہوں۔ دراصل ہو یہ رہا ہے کہ کوئی مینڈک اگلے گھر کی ڈھنپی ہوئی نالی کی سڑاند میں پھدکتے ہوئے بے تحاشہ ٹرٹر کیے جا رہا ہے۔ اتنے میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سانپ کہیں سے سائیں سائیں وارد ہو کر اس کے پیچھے نالی میں جا گھسا ہے۔

کیوں بھونک رہے ہو بابو؟ مینڈک کو جان پیاری ہے تو جو دیکھتا ہے اسے چپ چاپ دیکھتا رہے، دیکھ کر ٹرٹر کیوں کرنے لگا ہے؟... ایک بات یاد رکھو بابو... یہ ساری دیواریں اس لیے حفاظت سے کھڑی ہیں کہ کچھ بھی ہو جائے سدا چپ رہتی ہیں۔ بولنے لگیں تو اسی دم ڈھے جائیں۔ اچھا، یہ بتاؤ اس کی عورت رات کو اتنی دیر سے کہاں سے آتی

www.taemeernews.com

ہے؟ جن کے ساتھ آتی ہے ان کی گاڑی ذرا فاصلے پر رکوالیتی ہے اور بلی کی طرح پنجوں پر چلتی ہوئی پچھواڑے سے اپنے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ نہیں، مورکھ، اس کے شوہر کو سب کچھ معلوم ہے۔ وہی تو اس کی غیر حاضری میں بچوں کو سنبھالتا سُلاتا ہے... جب وہ لوٹتی ہے تو دروازہ کھولتے ہی اس کا وہ ہاتھ اندر کھینچ لیتا ہے جس میں اس کا بٹوا لٹک رہا ہوتا ہے۔ اتنی دیر تک راہ تکنے کے بعد اب کہیں بے چارے کی باری آتی ہے کہ بیوی کے ساتھ سوئے... نہیں، چپ! ہمیں کیا لینا دینا؟ کلرک آدمی ہے تو کیا؟ کتنی آن بان سے رہتا ہے! ہاں دفتر کی تنخواہ پر گزر بسر بھی نہ ہو، جو کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔ اتنی شاندار کوٹھی میں رہتا ہے اور اپنا سارا کوڑا روز کے روز صاف کر کے باہر پھینک دیتا ہے... ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو بھائی۔ اس سے تو اچھا ہے کہ رال ٹپکا ٹپکا کر اوروں کا کوڑا بھوڑتا رہے۔

اس کوٹھی کا ڈرم اکثر خالی ہوتا ہے کیوں کہ یہ لوگ اپنے پچھواڑے کا بھی آگا صاف دکھانے کے لیے اپنی گندگی آس پاس والوں کے ڈرموں میں ڈال دیتے ہیں۔ میں اس ڈرم کو کھولے بغیر آگے بڑھ جاتا ہوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ ایک نظر دیکھ ہی لوں۔ ڈرم میں بالوں کے ایک سنہری کلپ نے مجھے دیکھ کر آنکھ ماری ہے، شاید سونے کا ہے۔ میں نے تیزی سے اسے ہاتھ میں لے لیا ہے... نہیں، تانبے کا ہوگا... مجھے سونے کی پہچان ہے، نہ تانبے کی۔ منو کباڑیہ تو کھرا سونا بھی لے تو تانبے کے دام پر ہی لے۔ میں نے کلپ کو اپنی جیب میں ڈال لیا ہے اور سوچنے لگا ہوں کہ رلدو کی جورو کے بالوں میں اس کی سج دھج کیسے لگے گی۔ اگر سونے کا ہے تو ایک نہیں، دس بار کا سودا پکا کر کے دوں گا... میرے قریب ہی ایک جھونپڑی میں رلدو بھی اپنے جورو سے پیشہ کرواتا ہے۔ مگر اس کی یہ خوبی ہے کہ وہ کھلے کھلے سب کچھ کرتا ہے... ارے بھائی... ایک دن وہ مجھے بتا رہا تھا، جب مجھے شک ہونے لگا کہ میری عورت کے لچھن ٹھیک نہیں تو میں اسے ویشیا سمجھ کر ہی اس سے پیش آنے لگا۔ کسی دوسرے کے پاس جاؤں تو پورا سولے کے بھی اتنا خیال نہ رکھے... وہ تو کئی سودیتی بھی ہے اور میرے پسینے پر خون بھی بہاتی ہے۔ سمجھے؟... میں نے اپنے آپ سے کہا ہے کہ میں کیا سمجھوں۔ کوئی مل جائے تو سمجھ میں بھی آ جائے۔

یہ دیکھ کر میں اسی نالی کے منہ پر کھڑا ہوں جس میں وہ سانپ داخل ہوا تھا، میں ڈر

www.taemeernews.com

کے مارے اتنا تیز تیز آگے ہولیا ہوں کہ قریب ہی ایک مرغی میری ٹانگوں میں سے پھڑ پھڑا کر میرے آگے نکل گئی ہے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے لگا ہے کہ رلدو کی جورو کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔

اگلے ڈرم کا کوڑا بھر بھر کے نیچے زمین پر بکھرا ہوا ہے۔ ڈرم کو الٹنے سے پہلے میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا ہوں اور ابھی میری آنکھیں زمین پر اپنے مطلب کی چیزیں ڈھونڈ رہی ہیں کہ اس کوٹھی والوں کی نوکرانی یکلخت دروازے سے نکلی ہے اور میرے سر پر گھر کا فضلہ اس طرح الٹ دیا ہے جیسے کوڑے کے ڈھیر پر ہی کوڑا پھینک رہی ہو۔ میں اس وقت تک سانس روکے ڈھیر کا ڈھیر پڑا رہا ہوں جب تک اس نے واپس اپنے دروازے میں داخل ہو کر اندر سے چٹخنی نہیں چڑھا لی ہے اور پھر بدن جھٹک کر کھڑا ہو گیا ہوں اور ڈرم کو ٹیڑھا کرتے ہوئے بابو کو اشارہ کیا ہے کہ اپنا کام شروع کرو۔

اس ڈرم کے گھر والے دو بھائی ہیں جو کپڑے کا بیوپار کرتے ہیں۔ بڑا بھائی دولت کے نشے میں کھویا ہوا ہے اور چھوٹا ہے ہی پاگل۔ بڑا نیچے رہتا ہے اور چھوٹا پہلی چھت پر، اور سب سے اوپری چھت پر ایک کمرہ ہے جس میں ان دونوں کی بوڑھی اور اپاہج ماں رہتی ہے۔ کئی بار بڑھیا کے رونے کی آواز سن کر میں اپنا کام روک کر سر اٹھائے اوپر دیکھنے لگتا ہوں اور میری نظر آنکھوں سے نکل کر بڑھیا کے پاس جا پہنچتی ہے... یہ دیکھو، تمھارے لیے گڑ کے چنے لایا ہوں ماں۔ دانت نہیں تو ہیں گڑ ہی چوس لو... کھیر؟ کھیر کہاں سے لاؤں ماں؟ ان بھائیوں کے نوکر نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ بڑھیا ہر وقت کھیر مانگ مانگ کر روتی رہتی ہے اور چپ ہوتی ہے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کے اس طرح منہ کھول کر ہلا رہی ہوتی ہے جیسے اوپر سے منہ میں کھیر ٹپک رہی ہو... اپنی ماں کو تو یہ بھائی ترسا ترسا کر مار رہے ہیں، مگر ان کے ڈرم میں اتنی جھوٹن ہوتی ہے کہ دس لوگوں کا آرام سے پیٹ بھر جائے۔ منو کباڑیہ جس دن مٹھی گرم نہیں کرتا، اس دن میں یہیں سے اپنے پیٹ کا ایندھن چن لیتا ہوں۔ منہ بنا بنا کر کھانا شروع کرتا ہوں مگر کھاتے ہوئے جو مزہ آنے لگتا ہے، تو اس وقت تک بابو کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا۔ جب تک خوب سیر نہ ہو جاؤں۔ دونوں کی بیویاں آپ تو کھٹ مٹھی ہیں ہی، کھانا وہ اپنے سے بھی کھٹ مٹھا بنا لیتی ہیں۔ اسی لیے دونوں بھائیوں

www.taemeernews.com

کے پیٹ اتنے پھولے ہوئے ہیں۔ اپنے نوکر بتیا کو انھوں نے نکال دیا ہے۔ وہ مجھے بیڑیوں کے دھوئیں میں ان کی دھواں دھواں باتیں بھی سناتا تھا۔ اچھا ہی ہوا جو وہ چلا گیا ورنہ میں اپنا کام دھندہ چھوڑ کر اس کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا۔ بڑا بھائی اپنے پگلے بھائی کو اس طرح ڈانٹتا رہتا ہے جیسے اپنے بیٹوں کو، مگر اس کی بیوی کو جہاں تہاں اکیلا پالتا ہے تو ہاتھ ڈالنے سے باز نہیں آتا۔ چھوٹی کے پانچوں کے پانچوں بچے بڑے بھائی کے ہیں... بتیا نے مجھے بتایا تھا... لو، اور بیڑی پیو!... اور سناؤ؟ بڑی بھی اپنے آدمی سے کم نہیں۔ اس نے اپنے باؤلے دیور کو ایسے رام کر رکھا ہے کہ اس کی سمجھ میں اور کچھ آئے، نہ آئے، وہ اپنی پیاری بھابی کی بات کو فوراً بھانپ جاتا ہے۔ بڑی کے دونوں چھوٹے بچوں کا منہ ماتھا ہو بہو اپنے باؤلے چچا کا سا ہے۔ اس بالی عمر میں وہ اتنے گمبھیر اور سخت ہیں کہ انھیں دور سے دیکھ کر ہی پگلے کو دو دو باپ نظر آنے لگتے ہیں اور خوف سے اس کا پیشاب نکل جاتا ہے۔

بتیا کو بھائیوں نے اس لیے نکال پھینکا تھا کہ رن بھومی کے تیور دیکھ کر ایک دن اس بے چارے کی کھوپڑی الٹی ہوگئی اور وہ بڑی کو ماں کہنے کے باوجود اسے لوٹ کا مال سمجھ بیٹھا اور اپنے باؤلے مالک کی طرح منہ میں انگوٹھا ڈال کر اس کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا، پر چھوٹی ہو یا بڑی، مال تو بھائیوں کا ہی تھا۔ بتیا کو مار مار کر باہر نکال دیا گیا۔ شریفوں کے گھروں میں غنڈوں کا کیا کام؟... جاؤ... جاؤ... جو یہاں کرنا چاہتے تھے، اپنی ماں بہن سے کرو۔

میں ان کی گندگی کو پھوڑ پھوڑ کر دیکھ رہا ہوں۔ منّو کباڑیے نے مجھے بتایا تھا کہ بڑے دکانداروں کے ڈرم دھیان سے دیکھا کرو۔ یہ لوگ کالا دھندا کرتے ہیں اور جب پولس کے چھاپے کا ڈر ہو تو جان بچانے کے لیے نوٹوں کی گڈیاں بھی کوڑے میں پھینک دیتے ہیں۔ نامعلوم مجھے کیوں یقین سا ہے کہ کبھی نہ کبھی ضرور مجھے یہاں سے نوٹ ہی نوٹ ہاتھ آئیں گے۔ مگر اتنے سارے نوٹوں سے میں کیا کروں گا؟... منّو کباڑیے کے پاس لے جاؤں گا؟... وہ تو سارے نوٹوں کی کل قیمت بھی روپے دو روپے سے زیادہ نہیں لگائے گا... اب تو خوش ہو فجو؟ قیمت سے پورے پچیس پیسے زیادہ دے رہا ہوں...

آج مجھے بھائیوں کے یہاں سے کچھ بھی نہیں مل رہا۔ چھوٹی اور بڑی کی ماہواری کی

www.taemeernews.com

سوکھی کترنیں ان کی جوٹھن میں بھیگ رہی ہیں، یا پھر نرودھ کے چند ٹکڑے ہیں جنھیں صاف کر کے میں نے تھیلے میں پھینک لیا ہے، ہر گھر کے ڈرم سے چند ایک ٹھیک ٹھاک ٹکڑے مجھے ضرور مل جاتے ہیں۔ کئی بار تو کوڑی سے بھی اوپر ہو جاتے ہیں۔ میں انھیں بھی مُنو کو ہی تھما دیتا ہوں... انھیں صابن سے دھو کر لایا کرو فجو... میں تو ایسے ہی لے جاتا ہوں۔ اتنے پیسے بھی نہیں دیتا کہ دیسی صابن کا ایک ٹکڑا ہی مل جائے۔ اپنے سر دھوؤں؟ چھوٹی اور بڑی کے بالوں کے گچھوں کو بھی صاف کر کے میں نے جھولے میں ڈال لیا ہے۔ مُنو بولتا ہے، سنہری بال لایا کر... سنہری بال لانے کے لیے ولایت جاؤں...؟ جو ملتا ہے وہی لے کے شکر کرتے جاؤ مُنو بھائی۔ عورتوں کی بدھی بھرشٹ ہوتی جا رہی ہے... اچانک مجھے اوپر سے بھائیوں کی بُڑھیا کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی ہے۔ دونوں بیٹے چوری چوری ایک دوسرے کی بیوی کو لیے پڑے ہوں گے... بُڑھیا کی خبر کون لے؟

میں سوچنے لگا ہوں کہ بُڑھیا اگر اپنے گھر والوں کے لیے کوڑا ہو کر رہ گئی ہے تو وہ اسے دھپ سے باہر کوڑے کے ڈرم میں کیوں نہیں ڈال دیتے؟ میں خیال ہی خیال میں بُڑھیا کو پونچھ پانچھ کر اپنی جھونپڑی میں لے آیا ہوں۔ لو بھائی فقیرے... دیکھو ہم دونوں کی ماں آئی ہے۔ میری جھونپڑی میں رکھا ہی کیا تھا جس پر پہرہ دیتے رہتے تھے؟ گھر تو اب بھرا ہے، جی بھر کے اب ماں کی دیکھ ریکھ کیا کرو... لو، ماں، تمھارے لیے یہ گڑ کے چنے لایا ہوں... گڑ کے چنے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور میں فقیرے پر اکثر اس لیے چڑنے لگتا ہوں کہ مجھے گڑ کے چنے کھاتے دیکھ لیتا ہے تو بے اختیار بھونکنے لگتا ہے۔ ارے بھئی، تمھیں اچھے نہیں لگتے مگر مجھے تو کھانے دو... کھاؤ ماں، دانت نہیں تو گڑ ہی چوس لو... لو، اور لو...!

ماں گڑ کے چنوں کا گڑ چوس رہی ہے اور اس کا ذائقہ میرے خالی منہ میں گھل رہا ہے اور فقیرے میرا مذاق اڑانے کے لیے بھونک رہا ہے۔ ارے چل ہٹ...! کتے کی ذات، تمھیں کیا پتہ آدمیوں کا کھانا کیا ہوتا ہے؟ تم کھاؤ، ماں... اور دوں؟ نہیں میری ماں نہیں ہے کبھی نہ تھی... میرا باپ؟ ماں ہی نہ تھی تو کس نے اسے گلے لگا کر مجھے پیدا کیا ہوگا... کسی ملبے میں سے آپ ہی آپ کلبلاتے ہوئے پھوٹ پڑا ہوں گا... لو ماں، اور لو!

میں یوں ہی کوڑا رو لے جا رہا ہوں۔ وہاں کچھ ہو تو ملے۔ بڑی ٹھنڈی سانس بھر کر

www.taemeernews.com

میں گھٹنوں کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اور ابھی چند ہی قدم چلا ہوں کہ کسی بچے کے رونے کی نحیف سی آواز سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں نے بڑے دھیان سے اپنے آس پاس دیکھا ہے۔ کوئی بھی تو نہیں...! آواز پھر آئی ہے...اور ہم دونوں جانور، بابو اور میں... ایک دم ایک سمت ہولیے ہیں اور ایک کھلے ہوئے ڈرم کے پاس آ کھڑے ہوئے ہیں جس میں کوڑے کے بیچ پر ایک نوزائیدہ بچہ اپنی پیٹھ پر لیٹے ننھے منہ ہاتھ پیر مار رہا ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر مجھے لگا ہے کہ میری چھاتیاں دودھ سے بھر کر پھول گئی ہیں اور میں نے اسے اپنی آنکھوں کی ساری نرمی سے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور سوچنے لگا ہوں، کیا سے آ گیا ہے! سنگدل اپنی نسلوں کو پیدا ہوتے ہی کوڑے میں ڈال دیتے ہیں۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

پادشاہ

لوگ اسے پادشاہ کہتے ہیں لیکن اسے اس یا کسی اور نام سے بھی پکارا جائے تو وہ متوجہ نہیں ہوتا۔ اسے اپنا کوئی نام معلوم نہیں۔

سنو!

کہو، بھائی!

نہیں، پادشاہ کسی اور سے مخاطب نہیں، وہ اپنے آپ سے ہی کہہ رہا ہے، کہو بھائی۔ وہ اپنے آپ کو بڑی محبت سے بھائی کہہ کر پکارتا ہے اور اپنی ساری باتیں اسی بھائی سے ہی کرتا ہے۔ کئیوں کا کہنا ہے کہ وہ پہاڑ کے مانند بہرہ ہے اور ساری صدائیں اس سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں اور اس سے باتیں کرنے والے دراصل اپنی ہی باتیں سن سن کر اسے پاگل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔

پادشاہ پانچ دس قدم آگے چلتا ہے تو دو قدم پیچھے ضرور اٹھالیتا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

آگے چلتے ہوئے تم اچانک پیچھے کیوں قدم اٹھالیتے ہو؟

ہاں، پیچھے کیوں قدم اٹھالیتا ہوں؟

میں بتاؤں، کیوں؟.... پادشاہ کا بھائی اس کی ساری مشکلیں حل کر دیتا ہے۔

اگر تم نہ ہوتے تو بھائی، تو پتہ نہیں میرا کیا حال ہو جاتا۔

تم اس لیے پیچھے قدم اٹھاتے ہو کہ تمھیں یکبارگی یاد آجاتا ہے، تمھارا کچھ پیچھے رہ گیا ہے۔

www.taemeernews.com

ہاں کئی بار یاد آتا ہے، کچھ پیچھے رہ گیا ہے، پر سمجھ میں نہیں آتا، کیا؟

میں بتاؤں، کیا؟ تم خود ہی اپنے پیچھے رہ جاتے ہو۔

ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ میں ہر قدم پر اپنے آپ سے جدا ہوتا رہتا ہوں۔ تم بھی نہ ہوتے تو...تو...

مگر میں تو ہوں ہی۔

ہاں، تم تو ہو ہی، ورنہ اب تک جو باقی رہ گیا ہوں، وہ بھی نہ رہتا۔

بادشاہ وہاں جا پہنچا ہے...وہ!... بادشاہ!... باد...!

مگر بادشاہ کو کیا معلوم، اسے کوئی بلا رہا ہے۔ پگلا صرف اپنی بات سنتا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

تھک گئے ہو تو یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔

ہاں، بیٹھ جاؤ۔

بادشاہ بیٹھ گیا۔

اور ہم بھی تیز تیز چل کر اس کے پاس آ بیٹھتے ہیں اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے ہیں۔

سنو!

کہو، بھائی!

یہ کوئی اچھے لوگ معلوم نہیں ہوتے۔

کیوں؟

کیوں کہ ان کی مسکراہٹیں بناوٹی ہیں۔

پر ہمیں کیا؟

ہاں بھائی، ہمیں کیا؟

ہم بادشاہ کو آپ ہی آپ باتیں کرتے ہوئے پا کر ہنس پڑے ہیں۔

سنو!

www.taemeernews.com

کہو، بھائی!

یہ لوگ ہنس رہے ہیں۔

ہاں، ہم پر ہنس رہے ہیں۔

پر ہم پر کیوں ہنس رہے ہیں۔

اس لیے، کہ ہم بھوکے ہیں۔

بھوک تمھیں زیادہ تنگ تو نہیں کر رہی ہے؟

تنگ تو کر رہی ہے بھائی، لیکن کوئی بات نہیں۔

ہاں کوئی بات نہیں۔

اب ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ بادشاہ اپنے آپ سے باتیں نہیں کر رہا، بلکہ بادشاہ کے ساتھ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر کئی اور لوگ بھی آ جمع ہوئے ہیں۔

سنو!

کہو، بھائی!

کتنا عجیب شخص ہے!

کون؟

اور کون، بھائی؟ یہ سارے لوگ!

ہاں، یہ سارے لوگ دراصل ایک ہی شخص ہے۔

خدا کا کرشمہ دیکھو، بھائی۔ ایک ہی شخص اور اتنے سر!

ہاں، ایک، دو، تین...

چار، پانچ، چھ، سات...

ارے! اس شخص کے سر تو بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں، بھائی! ہاں، پر یہ غضبناک شخص ہمارا پیچھا کیوں کر رہا ہے بھائی؟ ہاں، کہیں ہماری موت تو ہماری تاک میں نہیں لگ گئی ہے؟ نہیں، موت تو بدی کی تاک میں لگی رہتی ہے۔

ہاں، نیک لوگ تو خود آپ چل کر موت کے پاس جا پہنچتے ہیں، لو ہم آ گئے!

خدا کا شکر ہے میں نیک آدمی ہوں۔

www.taemeernews.com

اور میں بھی!

مگر سنو!

کہو، بھائی!

بھوک سے میرا دم نکل رہا ہے۔

ابھی اپنی تھوڑی نیکی کھا کر خدا کا شکر بجالاؤ بھائی۔

ہاں، خدا کا شکر بجالانا ضروری ہے۔

ہاں، بھائی، خدا کا شکر بجالانا ضروری ہے۔

لیکن سنو!

کہو، بھائی!

خدا کا شکر بجالانے کے لیے ہمیں کہاں جانا ہوگا؟

خدا کے پاس۔

خدا کہاں ہے، بھائی؟

خود اپنے پاس۔

تو چلو، اس کے پاس چلیں۔

ذرا ٹھہرو بھائی، پہلے مجھے تھوڑی نیکی کھا لینے دو۔

لیکن نیکی سے شاید بادشاہ کا پیٹ نہیں بھر رہا ہے، سو اس نے لوگوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کی طرف اپنی بے چین نظر اٹھائی ہے۔ کسی نوجوان نے اس کا اٹھا ہوا چہرہ دیکھ کر آوازہ کسا ہے... یار سچ مچ اتنا پاگل ہے کہ کوئی پہنچا ہوا درویش معلوم ہوتا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

یہاں اتنی بھیڑ کیوں ہوگئی ہے؟

یہ لوگ تمھیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں بھائی۔

مجھے دیکھنے کے لیے؟ میں تو جو کچھ بھی تھا اسے پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔

ہاں، تم جو کچھ بھی تھے اسے اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

www.taemeernews.com

تو میں ان لوگوں کو اپنے بارے میں کیا بتاؤں؟

کیا معلوم، کیا؟

تو پھر انھیں سختی سے چلے جانے کو کہو۔

نہیں، لڑنا جھگڑنا اچھا نہیں ہوتا، بھائی۔

اچھا کیا ہوتا ہے بھائی؟

جو برا نہیں ہوتا۔

لیکن سنو!

کہو، بھائی!

اگر مجھے کھانا نہ ملا تو میں تم سے بھی لڑنا جھگڑنا شروع کر دوں گا۔

مجھ سے بھی، بھائی؟

ہاں، تم سے بھی۔

کسی لڑکے نے کہا ہے، پادشاہ بہت بھوکا ہے ابا، میں ماں سے روٹی لے کر آتا ہوں، مگر لڑکے کے باپ نے جواب دیا ہے، ماں گھر میں نہیں ہے، چپ چاپ بیٹھے رہو۔ اسی اثنا میں کوئی اور شخص پادشاہ کے لیے کھانا لے آیا ہے، اور پادشاہ نے کھانا شروع کر دیا ہے اور کھاتے ہوئے قطعاً خالی الذہن معلوم ہو رہا ہے... ابا، تم غلط کہتے ہو پادشاہ پاگل ہے۔ پاگل ہوتا تو اپنا لقمہ منہ کی بجائے کان کی طرف لے جاتا... چپ! کان مت کھاؤ!... ابا، ابا، پادشاہ کھانا کھا کر کیا کرے گا... میں بتاؤں بیٹا، پادشاہ کھانا کھا کر تقریر کرے گا... نہیں ابا، تم بتاؤ... تمھارا سر کرے گا۔ آؤ چلیں!...

سنو!

کہو، بھائی!

بھوک مٹی؟

ہاں، مٹ گئی۔

تو کھانے سے ہاتھ بڑھا لو۔ بھرے پیٹ کھاتے چلے جانے کی سزا بھی موت سے کم نہیں ہوتی۔

www.taemeernews.com

ہاں، لو، ہاتھ بڑھا لیے۔

اب؟

اب ہمیں خدا کا شکر بجالانے کے لیے جانا ہے۔

ہاں، ہم سب اسی لیے جاتے ہیں کہ اس کا شکر بجالائیں۔

کئی لوگ بے اختیار ہنس رہے ہیں، گویا پادشاہ انھیں گدگدا رہا ہو۔

سنو!

کہو، بھائی!

کچھ بھی کہہ لو، یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔

وہ کیسے؟

وہ ایسے، کہ جو برے ہوں وہ اک کھل کر ہنس نہیں سکتے!

ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔

پادشاہ نے بڑی محبت سے سب کی طرف دیکھا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

کھاپی کر مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔

تو کیا تم مر گئے تھے بھائی؟

ہاں، اور کھاپی کر از سرِ نو جی پڑا ہوں اور میرا جی چاہ رہا ہے کہ میرا کوئی دشمن ہو اور میں اسے گلے لگالوں۔

مجھے ہی اپنا دشمن سمجھ کے گلے لگالو بھائی۔

ارے ہاں، تمھاری طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔ ایک تم ہی تم تو ہو۔ میرے دوست بھی، دشمن بھی... آؤ، میرے گلے لگ جاؤ۔

ہاں، آؤ!

اور اب؟...

دیکھو، ہمارے سامنے کتنے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ ہاں، کتنے لوگ! میں بہت خوش

www.taemeernews.com

ہوں بھائی اور...اور...

اور کیا، بھائی؟

اور میرا جی چاہ رہا ہے کہ ان لوگوں کی طرف منہ کر کے انھیں کوئی بہت بڑا پیغام دوں۔

ہاں، پیٹ بھر کھانا نصیب ہو جائے تو ذہن میں فرشتے آنکلتے ہیں۔

ہاں، اور آنکھوں میں بھی... یہ لوگ کتنے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔

ہاں؛ بہت پیارے، بہت بے ضرر!

میری خواہش ہے بھائی، ان کے لیے کچھ کروں۔

لیکن تم کر ہی کیا سکتے ہو بھائی؟

ہاں، کوئی نیک آدمی کسی کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

ایک بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے قدموں پر اپنا نہایت کمزور بچہ ڈال دیا ہے، جس کے ہاتھ پاؤں پولیو سے بے کار ہو چکے ہیں۔ بادشاہ بچے کے کرب کو محسوس کر کے آبدیدہ ہو گیا ہے اور جھک کر اس نے بچے کا ماتھا چوم لیا ہے اور چومتے ہوئے اچانک ڈکار آجانے پر سبک سا نظر آنے لگا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

کیا میری نیکی سے اس بچے کی صحت لوٹ سکتی ہے؟

نہیں، اس لیے اگلی بار بھوک سے دم نکلنے لگے تو اپنی ساری نیکی کھا جاؤ۔

مگر اپنی ساری نیکی کھا جاؤں گا تو نیک کیسے رہ پاؤں گا۔

ہاں، نیک رہنا تو ضروری ہے۔

تو پھر خدا کا شکر بجالاؤ کہ تم نیک ہو۔

لیکن خدا کا شکر بجالانے کے لیے ہمیں خدا کے پاس جانا ہوگا۔

ہاں، بہر حال جانا ہوگا... چلو!

بادشاہ جانے کے لیے اٹھا ہے تو کسی نے بہ آواز بلند کہا ہے، بیٹھے رہو، بادشاہ! کسی

www.taemeernews.com

اور نے اس کی تائید کی ہے، ابھی نہ جاؤ، پادشاہ!...اور پادشاہ نے اپنے بھائی کی جانب منہ موڑ لیا ہے۔

یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟

کچھ بھی نہیں کہہ رہے ہیں بھائی، بس منہ ہلائے جا رہے ہیں۔

شاید کچھ کھا رہے ہیں۔

نہیں، بے چارے کچھ بولنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر آواز پر قادر نہیں۔

اسی لیے اپنے آقاؤں کو سنائی نہیں دیتے۔

ہمیں بھی کہاں سنائی دیتے ہیں بھائی؟

مگر کیا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ واقعی بول رہے ہوں اور ہمیں ہی اپنی سماعت پر قدرت نہ ہو؟

نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں بول رہا ہوں اور تم باقاعدہ سن رہے ہو۔

ہاں، سن تو رہا ہوں۔

اور باقاعدہ سمجھ رہے ہو۔

ہاں، سمجھ بھی رہا ہوں۔

کسی نے پوچھا ہے، پادشاہ باتیں کس سے کر رہا ہے؟

اور اسے جواب ملا ہے، خدا کے کسی اوجھل فرشتے سے...اچھا؟!...کئی لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے ہیں۔

سنو!

کہو، بھائی؟

اگر میں ان لوگوں کی مدد نہیں کرسکتا، تو میری خواہش ہے، خدا مجھے اپنے پاس بلا لے۔

لیکن وہیں تو ہم جا رہے ہیں، اس کا شکر بجالانے کے لیے۔

ہاں، وہاں تو ہمیں بہرحال جانا ہے...چلو!

پادشاہ کے آس پاس بیٹھے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

www.taemeernews.com

سنو!

کہو، بھائی۔

اپنے پیچھے اچھی طرح دیکھ کر اطمینان کرلو، کہیں موت تو پیچھا نہیں کر رہی ہے؟

اطمینان کرلیا ہے بھائی۔

تو آؤ تیز تیز چلے آؤ۔

لیکن ہم جائیں گے کہاں؟

خدا کے پاس، اس کا شکر بجالانے کے لیے۔

لیکن بھائی، کہاں؟

آتے جاؤ۔ خدا خود آپ اپنی راہ پر ڈال دے گا۔

پادشاہ سڑک کی جانب ہولیا۔ پانچ دس قدم آگے چل کر دو قدم پیچھے... آگے... پیچھے... میری عمر کوئی پانچ برس سے زیادہ نہیں بھائی۔ دیکھو، ابا آج بھی میرے اور میری چھوٹی بہن پری کے لیے مٹھائی لائے ہیں، اور پری بیمار ہے اس لیے ابا نے مٹھائی کا لفافہ میری طرف بڑھا دیا ہے جسے میں نے خوشی سے جھپٹ لیا ہے اور سوچ رہا ہوں، پری سدا یونہی بیمار رہے اور ساری کی ساری مٹھائی مجھے ملتی رہے... آگے... آگے... پیچھے... نہیں، بھائی، پری کو مرے کئی ماہ ہو لیے ہیں اور ابا بدستور ہم دونوں کے لیے مٹھائی لاتے ہیں اور سارا لفافہ مجھے تھما دیتے ہیں اور روتے روتے میری گھگی بندھ جاتی ہے اور میں باہر آ کر ساری مٹھائی چڑیوں کے لیے زمین پر ڈال دیتا ہوں... آگے... پیچھے... ہاں، بھائی، میں بڑا ہو چکا ہوں اور ابا دم توڑ رہے ہیں اور بڑی نحیف آواز میں دھیرے دھیرے مجھے سمجھا رہے ہیں، اپنی پگلی ماں کا خیال رکھنا... آگے... پیچھے... نہیں، بھائی، کسی کام پر ٹک جاتا تو پھر غم کا ہے کا تھا... ہاں بھائی، ہمارے خاندان کے اکثر لوگ پاگل ہو کر مرے ہیں۔ ماں بھی پاگل ہے مگر میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے حواس لوٹ آتے ہیں... نہیں، بھائی، خدا سے لڑ جھگڑ کر اس وقت تک زندہ رہی جب تک میری شادی نہ ہوگئی... آگے... آگے... پیچھے... نہیں، بھائی، مجھے ابھی تک کوئی کام وام نہیں ملا اور میری بیوی نے عدالت میں ثابت کر دیا ہے کہ میں بھی اپنی ماں کی مانند پاگل ہوں اور مجھ سے طلاق لے لی ہے اور

www.taemeernews.com

میری ماں کے بھوت کو یہی غم کھائے جارہا ہے کہ میرے باؤلے بیٹے کا کیا بنے گا؟...
آگے...آگے...پیچھے...اللہ ہو، اللہ ہو!...اللہ...!اور پادشاہ نے پیچھے کی طرف ایک اور قدم اٹھایا ہی ہے کہ وہاں...وہ تیز رفتار ٹرک اسے روند کر گزر گیا ہے۔

سنو!

کہو، بھائی!

لو، اب خدا کے حضور شکر بجالاؤ!

◆◆◆

www.taemeernews.com

ہرامبے[1]

کیوں ری باؤلی، بس اتنے میں ہی لوٹنے پوٹنے لگیں؟ ٹھیک ہے بابا، درد ہے تو اپنے وجود کا تو ہے، باہر سے کسی شیطان نے دانت تو نہیں گاڑ دیے؟ مونگو (افریقی زبان میں 'خدا') کا شکر ادا کرو ناشکری، ورنہ شیر کے پیٹ میں یہ لوٹنا بھی نصیب نہیں ہوتا...صبر سے کام لو مورکھ...نہیں، صبر سے کام لے سکتیں تو ہرنی کی ہرنی کیوں کر رہ جاتیں، پوری عورت کیوں نہ بن جاتیں؟ تم نے میری وانا[2] واکھے کو تو دیکھا ہی ہے، جان بھی نکل رہی ہو تو مسکان ویسی کی ویسی چہرے پر ٹھہری رہتی ہے۔ ہاں، چہرے سے دل تک اُتر کر اس طرح اس کے اندر ہی جڑی ہوتی ہے کہ ہزار تکلیف میں بھی، کیا مجال ذرا سی ہل جائے۔ تکلیف ہی تو ہے...گزر جائے گی...اپنی وانا واکھے پر مجھے بڑا پیار آتا ہے...نہیں، آتا ہے کیا؟ کہیں باہر تھوڑے ہی جاتا ہے کہ لوٹ آئے گا۔ میرے پیار نے تو میرے گھر میں ہی ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ پل بھر کے لیے بھی باہر قدم نہیں رکھتا۔ دہلیز سے باہر صرف مجھے ہی کام وام پر جانا ہوتا ہے اور میرا پیار ہر دم وہیں میری وانا واکھے کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے..

اری باؤلی...چین سے میری بات تو سنو۔ میں اتنی محبت سے تمھیں اپنی وانا واکھے کی بات سنا رہا ہوں، پر تمھارا لوٹنا پوٹنا تھمنے میں نہیں آ رہا۔ اگر میں تمھارا ہرنا ہوتا تو اپنا مردوں والا ایک سینگ مار کر ہی تمھیں سیدھا کر دیتا۔ تمھارا ہرنا ہرنا ہی نہیں۔ ہوتا تو تمھاری کیا ہمت کہ اس وقت اپنی چار ٹانگوں پر چپ چاپ کھڑی نہ ہوتیں۔ ایک تم ہی ماں بننے نہیں جا رہی ہو، میری وانا واکھے بھی ایک درجن سے زیادہ بچے جن چکی ہے، میرا بچہ کسی پتھریلے ٹیلے کی

---

(۱) افریقیوں کا ایک نعرہ، جس کا مطلب ہے، آؤ...مل کر زور لگائیں اور دُکھوں کو باہم پنچ کر نجات حاصل کرلیں۔ (۲) عورت۔

www.taemeernews.com

طرح اس کی کوکھ سے نیچے لڑھک رہا ہوتا ہے، پر اس کی مسکان...وہ...اس پہاڑی سبزے کی طرح ٹس سے مس نہیں ہوتی... ہاں، پتھریلے ٹیلوں کی رگڑ سے پسلیوں پر چوٹ تو آتی ہے۔ پر چوٹ بھر بھی جاتی ہے پگلی، اور بھر جاتی ہے تو نئی نویلی بھی تو نکل آتی ہو...کبھی کبھی تو اسی لیے میں اپنی وانا واکھے کو پیٹ بھی لیتا ہوں اور اس کے بعد وہ اتنی پیاری لگتی ہے کہ جی چاہتا ہے اس کی چوٹوں کو چوم چوم کر پھول بنادوں...میری وانا واکھے کی مٹی بڑی زرخیز ہے ری۔ ذرا سا سیراب کرو تو پھول ہی پھول اُگ آتے ہیں۔ ان کی خوشبو سونگھتے چلے جانے کے لیے میں اس کے اندر ہی اندر...اندر ہی اندر اترتا چلا جاتا ہوں۔ میں اس سے اتنا پیار کرتا ہوں کہ...کہ مجھے ڈر سا لگنے لگتا ہے، وہ مرگئی تو میں کیا کروں گا۔ میں اسے گلے لگاتا ہوں تو وہ میرا سارا درد چوس لیتی ہے اور چوس کر بھی ویسے ہی مسکراتی رہتی ہے...اری! میں اسے سمجھاتا ہوں، درد زیادہ ہو رہا ہے تو جلدی سے تھوڑا رولو، نہیں تو اسی طرح مسکراتی مسکراتی مرگئیں تو مجھے پتہ بھی نہ چلے گا کہ مرگئی ہو...بس مجھے یہی خطرہ لگا رہتا ہے کہ میری وانا واکھے کی مسکان مجھے دھوکا نہ دے جائے۔ کانٹا چبھ جائے تو سسکی سے بھی باہر کی طرف اچھلتا ہے، لیکن سسکی تھمنے میں ہی نہ آئے تو جان نکلتی ہے نہ چین آتا ہے...اری بے وقوف، چین نہیں آرہا ہے تو اسی طرح تڑپتی ہوئی اس جھیل کے کھڑے پانی میں جا کودو۔ جینے جننے کا حوصلہ نہیں تو جان کو کیوں سنبھالے ہوئے ہو...؟ بڑی ماں بننے جارہی ہو۔ دھرتی ذرا سی پھٹے بھی نہیں تو بیج پھوٹ کر باہر کیسے آئے گا؟ ذرا صبر سے کام لو نادان۔ پہلے تو اپنے ہرنے کی ٹانگوں میں بے صبری سے گھسی پڑی رہتی ہو، اور اب کھاپی کے پیٹ پھول گیا ہے تو یہ تھوڑا سا دُکھ سہنے کا دم نہیں...چلو تھوڑا نہ سہی، ذرا زیادہ ہی سہی، پر ہے تو اتنا ہی جتنا ہے۔ اس سے زیادہ تو نہیں۔ جتنا بھوگا ہے باؤلی، اس سے آدھا بھی نہ سہوگی تو تمھیں پھل کیسے لگے گا۔ وہ آم کا پیڑ دیکھ رہی ہو؟ اری چیخنا بند کرو اور وہ...وہ دیکھو، آم کا وہ پیڑ...دیکھو اس کے بھی بور پھوٹ رہا ہے۔ پھل آتے آتے ابھی ایک ڈیڑھ ماہ اور لگ جائے گا۔ اسے بھی تم سے کم درد نہیں ہو رہا ہوگا۔ لیکن دیکھو، کیسے خاموش کھڑا ہے! اس کے پھل میں اسی لیے شہد گھلا ہوتا ہے کہ تمھاری طرح چلا چلا کر اپنے درد کا پہاڑ نہیں کھڑا کر لیتا۔ بلکہ بڑے اطمینان سے اپنے سارے درد کو اپنے ہی باطن میں سمیٹ کر اپنی نجات کا انتظار کرتا رہتا

www.taemeernews.com

ہے۔ کھڑے کھڑے انتظار کرتا رہتا ہے اور اس لگن اور سہن کے پھل میں موسم آنے پر اس کے وجود پر جا بجا رنگ برنگے آم لٹکنے لگتے ہیں، جیسے صحت ور بچوں کے ڈھیر کے ڈھیر اپنی ایک ہی ماں کے ان گنت تھنوں سے منہ لگائے ہوئے ہوں... دیکھو رونا دھونا بہت ہولیا۔ اُدھر دیکھو، وہ جھاڑیاں سرگوشیوں میں تمھارا مذاق اُڑا رہی ہیں... وہ... وہ... وہ سب سے چھوٹی جھاڑی پتّوں کو منہ میں ٹھونس ٹھونس کر ہنسی روکنا چاہ رہی ہے۔ ہنسی ہی کی تو بات ہے باؤلی۔ تمھیں اپنے ہی حصے کا درد ملا ہے لیکن کیا ناٹک رچا رکھا ہے! ٹانگیں اوپر کر کے خواہ مخواہ چیخے جا رہی ہو۔ پوری چار ٹانگیں مونگو نے بخش رکھی ہیں۔ اس کا شکر ادا کرو اور سیدھی کھڑی ہو جاؤ اور درد سر اٹھانے لگے تو پونچھ ہلا کر بدن کو جھاڑ دو... کھڑی ہو جاؤ، نہیں تو وہ کوّا آ رہا ہے، اس نے دیکھ لیا تو کائیں کائیں کر کے سارے جہاں کے کوؤں کو اکٹھا کر لے گا۔ بے چاروں کے موٹی عقل ہے، سچ مچ سمجھ لیں گے کہ مر رہی ہو، اور اس وقت تک سر پر منڈلاتے رہیں گے جب تک سچ مچ نہ مر جاؤ گی۔ اپنی چاروں ٹانگوں پر جم کر کھڑی ہو جاؤ... جلدی!... وہ آ رہا ہے!... شاباش!... یوں!... ہرنی ہو تو کیا۔ ذرا جم کر کھڑی ہو گئی ہو تو شیرنی معلوم ہونے لگی ہو، اب مسکراؤ۔ میری وانا واکھے کی طرح مسکراؤ۔ شرماؤ نہیں... میں آدمی کی ذات ہوں، مجھے تم سے کیا لینا دینا ہے بھئی! شاباش... ذرا اور کھل کے مسکراؤ! مونگو تمھیں بری نظر سے بچائے۔ اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ عورت ہوتیں تو تمھیں بھی گھر میں ڈال لیتا... میری وانا واکھے بڑی اچھی ہے، بڑی نیک۔ ذرا سا بھی کھاتی ہے تو بانٹ کر۔ میں تو اتنا بڑا ہوں۔ وہ جھٹ مجھے بانٹ لینے پر راضی ہو جاتی، لو ہرنی آدھا تم کھاؤ اور آدھا میں،... اور تم دونوں مجھے کھاتی رہتیں پر تمھارے کھانے کا سارا مزہ مجھے ہی ملتا، واہ!... کتنی خوبصورت لگ رہی ہو! پر کیا فائدہ؟ نری پری ہرنی ہو، آدھی عورت بھی ہوتیں تو بات بن جاتی۔ ارے پھر...! نہیں، یونہی کھڑی رہو، یا درد اٹھنے لگا ہے تو بیٹھ جاؤ، وہ بھی بیٹھ جائے گا۔ ذرا سی دیر میں سب کچھ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔ بس ہمت نہ چھوڑو۔ سبھی جاندار تھوڑے دُکھی ضرور ہوتے ہیں۔ ہر کسی کو اپنے حصے کا ہی دکھ ملتا ہے، زیادہ نہ تھوڑا، اور جو ہمت والے ہوتے ہیں وہ اپنے دُکھ کو بڑے سکھ سے ٹال جاتے ہیں۔ اب میری وانا واکھے تمھیں اتنی سکھی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو اسے کوئی دُکھ

www.taemeernews.com

نہیں؟ اس کی جھگڑالو بہو اس کی آنکھوں کے عین سامنے اس کے گبرو جوان بیٹے کو ہانک لے گئی اور وہ دیکھتی رہ گئی۔ بہو نے اسے اتنا بھی موقع نہ دیا کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو جی بھر کے دیکھ ہی لے۔ تمھارا خیال ہے ماں کے دل پر آنسوؤں کی دھار نہ پھوٹ پڑی ہوگی... پر آفرین ہے میری وانا واکھے پر، اس نے اپنی میٹھی مسکان کو پھیکا نہ پڑنے دیا... ہاں، جننا اذیت ناک ہے، پر جنے ہوئے سے بچھڑنے پر مجبور ہو جانا اس سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے، لیکن ہمیں اپنا اپنا دُکھ قبول کرنا ہی ہوتا ہے، رو کے بھی ہنس کے بھی، پھر رونا آئے بھی تو جلدی جلدی رو دھو کے کیوں نہ آدمی ہنس بھی لے۔ دُکھ بھی بنا رہا اور سکھ بھی... دیکھو، پھر بھاگڑ مچانا شروع کیا تو تمھیں اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی راہ ہولوں گا۔ اپنے اتنے سے دُکھ پر دُکھی ہو، مونگو نے تھوڑا تھوڑا دُکھ سبھی جانداروں میں بانٹ دیا ہے تاکہ سبھی سکھی رہیں... لیکن ٹھہرو۔ پہلے میں تمھیں ایک سچی کہانی سناتا ہوں۔ دادا کی کہانی... وہ... سب پہاڑوں کے پیچھے وہ... سب سے اونچا پہاڑ دیکھ رہی ہو نا؟... وہی ہمارا دادا ہے۔ میرا مضے (بزرگ باپ) مجھے بتایا کرتا تھا کہ آج سے سینکڑوں برس پہلے... نہ جانے کب... آئے دن دادا کے کلیجے سے آگ اور لاوے کے دریا پھوٹا کرتے تھے اور آس پاس کی ساری بستیاں دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ پجڑ جاتی تھیں... کان دھر کر سنوگی تو تمھیں قرار آجائے گا پگلی... ہوا یہ تھا کہ مونگو نے سارے کا سارا دُکھ دادا کے سینے میں جمع کر رکھا تھا... اب دادا اتنا بڑا... سب سے بڑا پہاڑ ہے، پر کُل جہاں کا دُکھ ایک ہی سینے میں کیسے سما سکتا ہے؟ دادا کی دھجیاں اُڑ جاتیں اور لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ کب ان کی جانیں نکل گئیں... اری میری کہانی پوری ہو لینے دو، پھر جی بھر کے چلا لینا... مونگو کو آخر یہ ترکیب سوجھی کہ دادا کا دُکھ ہم سب انسانوں، جانوروں، پرندوں، درختوں... سب ذی جانوں میں بانٹ دیا جائے... سنا باؤلی؟ ہم اپنا اپنا دُکھ قبول نہ کریں گے تو جیتے جی مر جائیں گے۔ دادا کا سینہ تو بہت بڑا ہے، لیکن سارے جہاں کا دُکھ جب ایک ہی سینے میں ابلنے لگتا ہے تو اتنے بڑے پہاڑ کو بھی اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ اور... اور دادا بے قابو ہو جائے تو تیری میری، ننھی منّی جانیں کیوں کر سلامت رہ سکتی ہیں؟ سو بھی ننھی منّی جانوں کے لیے اپنے اپنے ننھے منّے دکھ ہنسی خوشی سہہ لینے میں ہی مونگو کی برکت ہے۔ اور... اور مورکھ مونگو کی برکتوں کو قبول نہ کرنا کتنا

www.taemeernews.com

بڑا گناہ ہے!... ذرا سوچو اس کی برکتیں نہ ہوں تو ہم ایک پل بھی زندہ رہ سکتے ہیں؟... ارے! تمھارا منّا سا ہرنا آدھے سے زیادہ تمھارے بدن سے باہر آ بھی پہنچا ہے مگر اپنی باتوں کے دھیان میں مجھے دکھائی ہی نہیں دیا... سہج سہج جنی! گھبراؤ نہیں، اور سہج... ہائے کتنا خوبصورت ہے...! شاباش...! لو، اب پورے کا پورا باہر آ گیا ہے۔ ہائے، بڑا خوبصورت ہے۔ میرے بچوں کے ڈھیر میں ایک بھی ایسا نہیں جیسا تمھارے ہرنے کا یہ بچہ! میرا جی چاہ رہا ہے میں ہی تمھارا ہرنا ہوتا۔ تمھارا ہرنا بڑا خوش قسمت ہے ری جو تم نے اس کا اتنا پیارا بچہ جنا ہے۔ اتنا پیارا ہے کہ میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ تمھارے ساتھ ساتھ اسے چاٹنا شروع کر دوں۔ نہیں، رکو نہیں، چاٹتی جاؤ... ہر بچہ اسی لیے فرشتہ سا لگتا ہے کہ اس کی ماں اسے چاٹ چاٹ کر فرشتوں کی شبیہ دے دیتی ہے، اور چاٹو...! رُک کیوں گئیں؟ چاٹتی جاؤ... اب تو چین آ گیا ہے نا؟ خواہ مخواہ مری جا رہی تھی۔ دیکھو، مونگو کتنا مہربان ہے! اسے یہی فکر رہتی ہے کہ سارا دکھ ایک ہی سینے میں جمع نہ ہوتا جائے... دیکھو نا، تمھاری تکلیف ذرا بڑھ گئی تو تمھارا یہ ننھا ہرنا اسے بانٹ کر تمھارے وجود سے الگ ہو گیا اور تمھیں چین آ گیا... سن رہی ہو؟ ہم سبھی اسی لیے پیدا ہوتے ہیں کہ سنسار کے دُکھ بٹتے رہیں، نہ بٹیں، تو یقین مانو، ماؤں کے بچے پیدا ہونے بند ہو جائیں!

◆◆◆

www.taemeernews.com

معجزہ

جب میں نے سڑک کی بائیں طرف ایک کچے راستے کے قریب کار روکی تو اِدھر اُدھر سے سات آٹھ گندے گندے افریقی بچے ہمارے آس پاس آ جمع ہوئے۔

''یہاں سے آپ کو جھیل تک پیدل چلنا ہوگا، مالک'' ایک لڑکے نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا۔

ہم سب بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلے، پکنک کا سامان باہر نکالا اور خالی گاڑی کو لاک کر کے پیدل چلنے کی فکر کرنے لگے۔ دو افریقی لڑکوں نے کچھ کہے سنے بغیر جلدی سے آگے بڑھ کر ہمارا سب سامان اٹھالیا۔ گویا وہ بخوبی جانتے ہوں کہ ہمارا بوجھ اٹھانا ان ہی کا کام ہے۔ دوسرے بچے ناک پر بازو رگڑتے یا سر کھجاتے ان خوش نصیبوں کی طرف حسرت سے دیکھنے لگے جو ہمارا سامان اٹھائے ہشاش بشاش اور مستعد ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔

''ان پر ذرا نگاہ رکھیو جی'' میری بیوی انھیں محتاط نظروں سے دیکھتی ہوئی ہریش کے گلے پر مفلر ٹھیک کرنے لگی۔

ننھا ٹیٹو مچلنے لگا کہ اسے اٹھالیا جائے۔ ایک اور افریقی لڑکے نے موقع پاتے ہی آگے بڑھ کر اسے بڑے پیار سے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور نہایت شادمانی سے اپنے ساتھیوں میں جا کھڑا ہوا جو بڑی فخر مندی سے ہمارا بوجھ اٹھائے شاید سوچ رہے تھے کہ آج اگر آدھ آدھ شلنگ کی کمائی ہو جائے تو ہمارے ماں باپ کتنے خوش ہوں گے۔ پیار سے ہمیں گلے لگالیں گے۔ آخر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ جھیل پر پہنچنے کے لیے ڈیڑھ دو میل کے اس کچے راستے پر ہولیا۔ میری بیوی نے ایک بار پھر مجھے ایسی نظر سے دیکھا گویا کالے

www.taemeernews.com

چھوکروں سے باخبر رہنے کو کہہ رہی ہو۔'' پورے فتنے ہوتے ہیں یہ لڑکے اگر ہشیار نہ رہے تو آنکھوں میں دھول ڈال کر سارا سامان اڑا لے جائیں گے۔

'' ماں جی کرتار کے رنگ دیکھیے ذرا، میری بیوی ماں جی سے ہمیشہ ان ہی کے لب و لہجہ میں بات کرتی، یہ جھیل ہے نا؟ اور یہ زمین ہے اور نیچے پانی ہی پانی وہ انھیں کئی بار یہی بات بتا چکی تھی اور جب آپ اس پر چلتے ہیں تو زمین ہلتی ہے یوں؟ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر نیچے کرتے ہوئے کہا کہ کرتار کے رنگ دیکھیے ذرا اور ماں جی نے حسب عادت جواب دیا ست نام سری واہگورو!

میرا چھ سالہ لڑکا سریش ایک افریقی چھوکرے سے پوچھ رہا تھا تم کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟ افریقی چھوکرا کچھ جواب دینے کی بجائے پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا شاید یہ سوچنے لگا کہ اگر وہ بھی چیفو کے ساتھ اسکول میں داخل ہو جاتا تو اب کس جماعت میں ہوتا۔

'' ہم پڑھ لکھ کر کیا کریں گے بیٹا؟'' شاید اس کے کانوں میں اپنے باپ کا سیدھا سادا جواب گونجنے لگا۔'' مونگو نے ہم لوگوں کو کام کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ پڑھنا لکھنا تو بے کار آدمیوں کا کام ہے۔ جا اپنا کام کر''۔

'' جا اپنا کام کر!'' جیسے یہ سن کر افریقی چھوکرا چلتے چلتے ذرا رُک گیا۔ جھلا کر اپنے باپ سے یہ کہنے کے لیے'' بابا کام ہی تو کر رہا ہوں''۔

وہ بائیں ہاتھ میں ہماری فروٹ کی ٹوکری اٹھائے ہوئے تھے اور دائیں میں ٹفن کیریر۔ اچانک ٹوکری سے پکا ہوا ایک سرخ سیب نیچے آ گرا۔

'' دھیان سے اٹھاؤ موئے'' میری بیوی کی شعلہ بار آنکھیں لڑھکتے ہوئے سیب کا تعاقب کرنے لگیں۔

ریتا نے لپک کر سیب اٹھا لیا اور اس پر اپنے تیز تیز دانت گاڑ دیے'' بڑا میٹھا ہے، ممی''۔

لڑکی کے منہ میں سیب کو محفوظ پا کر میری بیوی پھر اطمینان سے ماں جی کی طرف متوجہ ہوئی'' ماں جی، سیبوں کو تو جیسے آگ لگ گئی ہے، یہی سیب میں دو شلنگ پونڈ لایا کرتی

www.taemeernews.com

تھی، اب تین شلنگ سے کم قیمت پر کوئی ہاتھ بھی لگانے نہیں دیتا''۔

''ممی، سیب زمین پر کدو کی طرح اُگتے ہیں، یا آموں کی طرح درختوں پر؟'' ریتا نے پوچھا۔

''جہاں میں رہتا ہوں'' افریقی چھوکرا ہریش کو بتانے لگا'' وہاں بڑے بڑے سیبوں کے انگنت درخت ہیں''۔

''اچھا؟''

''ہاں، اگر تم ساری عمر بھی کھاتے رہو تو ختم نہ ہوں'' افریقی چھوکرا شاید سوچ رہا تھا کہ سیب کا ذائقہ کیا ہوتا ہے'' وزُونگو انھیں بوریوں میں بند کر کے شہر بھیج دیتا ہے''۔

''تم لوگ بہت سیب کھاتے ہو گے؟''

''نہیں، ہم مکئی کا آٹا اُبال کر کھاتے ہیں۔ میرا بابا کہتا ہے کہ یہ بہت مزیدار ہوتا ہے—''

''ست نام سری واہگورو''

جھیل تک پہنچنے کے لیے اب ہم بائیں طرف ایک تنہا پگڈنڈی پر ہو لیے جہاں انسانوں کی بجائے جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگتے نظر آتے تھے۔ تاریک براعظم کی دیگر بے شمار اجڑی پگڈنڈیوں پر رینگتے ہوئے انواع و اقسام کے دوسرے کیڑوں کی مانند جو اجنبیوں کے پاؤں تلے روندے جاتے ہوئے چیخے بغیر دم توڑ دیتے ہیں۔

چار پانچ سال پہلے انتہا پسند کالوں کی ایک خطرناک جماعت نے اس علاقے میں بڑا اودھم مچا رکھا تھا جیسے کئی بار کیڑے بے چین ہو ہو کر کلبلانے لگتے ہیں مگر اب کے؟ اب تو یہاں موت کا سا سناٹا ہے جو ایک اینڈ کو چند پکنک منانے والے اجنبیوں کے قہقہوں سے مزید گھنا معلوم ہونے لگتا ہے۔

دفعتاً ایک کیڑے نے مجھے ٹخنے پر کاٹ کھایا، میں نے درد سے بلبلاتے ہوئے اسے بڑی بے رحمی سے دیکھا اور مسل کر پرے پھینک دیا۔

''ماں جی، کبھی یہ علاقہ بڑا خطرناک تھا''۔ میری بیوی ماں جی کو سمجھانے لگی۔ ''کالے مشٹنڈوں نے یہاں اپنا گڑھ بنا رکھا تھا خود ہی کرنیل جرنیل بن بیٹھے تھے۔ بڑے

www.taemeernews.com

ظالم تھے، وہ تو بھلا ہو سرکار کا جو ایک ایک کو ڈھونڈ نکالا، ورنہ ہم سب پر آفت آ جاتی، بنے بنائے کام چھوڑ کر بھاگنا پڑتا''۔

''ممی'' سریش نے سینہ تان کر کہا ''میں بڑا ہو کر جرنیل بنوں گا اور یوں پستول چلاؤں گا— ٹھا!'' اس نے انگلی سے پستول بنا کر ایک افریقی چھوکرے پر نشانہ باندھتے ہوئے زور سے 'ٹھا' کہا۔

''ہاں بیٹا، شاباش! ماں جی، یہ لوگ آہورو تو مانگتے ہیں مگر کوئی ان جنگلیوں سے پوچھے کہ آہورو لے کر کیا کریں گے۔ پہلے ذرا پڑھ لکھ تو لیں۔ راج پاٹھ کا کام چلانا کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہوتا''۔

''ہاں بیٹی، تم سچ کہتی ہو، انگریجوں کا راج کھرا بہت ہے''۔

''ہم نے بھی اپنے دیش کی آزادی کے لیے بہت جتن کیا'' گویا میری بیوی اپنے آپ کو سمجھانے لگی ''مگر ہماری بات دوسری ہے۔ ہمارا اور ان گنواروں کا کیا مقابلہ؟ ذرا سوچیے ماں جی، ہمارا کلچر— کلچر یعنی دھرم کتنا پرانا ہے، انگریزوں کے دھرم سے بھی کئی ہزار سال زیادہ پرانا۔ ماں جی، ان لوگوں نے تو آج ہی بم بنانے سیکھے ہیں مگر رامائن میں لکھا ہے کہ صرف ایک رام بان سے ہی سارے سنسار میں پرلے آ سکتی ہے''۔

''ست نام سری واہگورو! تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی۔ ہمارا دھرم تو مہان ہے۔ ہندو دھرم تو بڑا ہُن کرنے کے سے ملتا ہے۔ اسی لیے تو میں بوئی کو رسوئی میں قدم نہیں رکھنے دیتی۔ نہ جانے یہ لوگ کون کون سا کچا پکا گوشت کھاتے رہتے ہیں''۔

اتنے میں ہمیں سامنے سے اچھل اچھل کر آتا ہوا ایک ہٹا کٹا ننگ دھڑنگ نوجوان افریقی نظر آیا جو بائیں ہاتھ میں ایک بہت بڑی چھری پکڑے ہوئے تھا، دھوپ میں چمکتی ہوئی، نہایت تیز دھار والی اور سرخی مائل جیسے ابھی ابھی اس پر سے خون پونچھا گیا ہو۔

خوفزدہ کپکپاہٹ محسوس کر کے میں منہ گول کر کے سیٹی بجانے لگا۔

''جامبو!'' جب وہ ذرا قریب آیا تو میں نے بدستور ڈرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

''جامبو، بوانا'' اس کی آواز میں کسی مست جنگلی ہاتھی کی چنگھاڑ تھی ''جھیل دیکھنے

www.taemeernews.com

آئے ہو؟''۔

''ہاں''۔میری آنکھیں ابھی تک اس کی چھری پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہاں قریب ہی ایک وزونگو کا فارم ہے بوانا'' مانو اس اَن پڑھ گنوار نے میرے خیالات فرفر پڑھ لیے ہوں۔''وہ کبھی کبھی اپنی بھیڑیں مجھ سے ذبح کروایا کرتا ہے بڑی پلی ہوئی بھیڑیں ہیں اس کی''۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جب اس نے میری طرف گرسنہ نظر اٹھائی تو مجھے یوں لگا جیسے میں بھی کوئی نہایت پلی ہوئی لذیذ بھیڑ ہوں۔

''سگریٹ پیو گے؟'' اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے میں سچ مچ چھری کے نیچے بندھی ہوئی کسی بھیڑ کی مانند ممیایا۔

''نہیں بوانا، ایسے شوق ہم غریبوں کے لیے نہیں ہوتے۔ ہاں اگر دو چار سینٹ دے دو تو ٹھیک ہے، جامبو، ماما مضے، جامبو، ماما ڈوگو'' مجھے جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھ کر اس نے ماں جی اور میری بیوی سے بڑے ادب سے کہا۔

''سانٹے بوانا کوبا! سانٹے سانا'' مجھ سے سمونی لیتے ہوئے جنگلی ہاتھی اپنی چنگھاڑ بھول کر کسی پالتو کتے کی طرح خرخر کرنے لگا اور میں نے نہایت اطمینان سے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے قدم آگے بڑھایا۔

ہماری ٹھوکریں کھا کھا کر آخر پگڈنڈی نے ایک جگہ دم توڑ دیا۔

''یہی لیک کیکویو ہے!''

ہمارے سامنے نیچے کی طرف گیلی گیلی دھرتی کا ایک وسیع ٹکڑا گویا ہماری بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو کر کسی بچے کی طرح روتے روتے ہنس دیا۔

''ہاں بوانا کوبا، یہی لیک کیکویو ہے۔ اوپر زمین ہی زمین نظر آتی ہے اور نیچے کئی میل گہرا پانی ہے''۔

''بڑی عجیب بات ہے''۔ اس عجیب بات کو دیکھتے ہوئے میری نگاہیں ایک اور عجیب بات پر پھسلنے لگیں۔ وہ کوئی امریکی لڑکی معلوم ہوتی تھی اور اپنے دو چار ٹورسٹ ساتھیوں کے ہمراہ جھیل پر اچھل کود کر رہی تھی''کتنی عجیب بات ہے''۔

''وہ دیکھیے، کئی جگہوں پر پانی سے بھرے ہوئے گڑھے نظر آ رہے ہیں، کئی گڑھے

www.taemeernews.com

ایک آدھ گز زمین کی تہہ سے ڈھکے ہوئے ہیں لیکن کئی ایسے بھی ہیں جن میں گر کر آدمی کا نشان تک نہیں ملتا''۔

ہمارے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر گجراتی جوڑا بیٹھا تھا۔ مرد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ کالا چھوکرا لوگ لیک کا چپہ چپہ جانتا ہے۔ ایک گڑھے میں اتر کر دوسرے سے باہر جا نکلتا ہے''۔

اچھا؟''

''اگر تم ان گڑھوں میں کنگوترہ پھینکے گا تو یہ لوگ پھورن نکال لائے گا'' گجراتی سیٹھ نے اپنے کوٹ کے اندرونی گڑھے میں ہاتھ ڈالا، شاید یہ سوچ کر کہ کہیں اس کا بٹوہ نہ نکال لیا گیا ہو'' سالا بڑا ہوشیار لوگ ہے؟''

ہم سب بھی وہیں ڈیرا جمانے کی تیاری کرنے لگے۔

''تم ان گڑھوں کے اندر اتر سکتے ہو؟'' میں نے ایک افریقی لڑکے سے پوچھا۔

''دو سال ہوئے اس کا بڑا بھائی ایک شلنگ کے لیے وہاں جا اترا'' ایک اور کالا لڑکا مجھے بتانے لگا' یہاں، اس گڑھے میں، ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا سارا بدن جھیل کے اندر دھنس گیا، نہ جانے کہاں غائب ہو گیا''۔

چھوٹے بھائی کی آنکھوں سے پانی کی ایک دھار پھوٹ آئی جیسے اس گیلی دھرتی پر جگہ جگہ گھاس کے نیچے ان گنت دھاریں پھوٹ رہی تھیں۔

''تمھیں نیچے جاتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟''

''نہیں، بوانا، سب نے ہنس ہنس کر کہا۔ وہ چھوٹا بھائی بھی آنسو پونچھ کر ہنسنے کی کوشش کرنے لگا''نہیں بوانا!''

''ست نام سری واہگورو!''

''چلو بیٹھو، سب روٹی کھالو، پھر تمھیں نیچے جھیل میں لے جائیں گے''۔ میری بیوی نے بچوں سے کہا اور ٹفن کیریر کھول دیا۔

''پیدل چل کر میری بھوک تو بہت چمک اٹھی ہے''۔ میں نے جلدی جلدی روٹی میں انڈوں کی سبزی رکھ کر اس کا سینڈوچ بنایا اور نگلنے لگا۔

www.taemeernews.com

''اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے؟ بالکل بچے ہیں آپ بھی!''

تیز تیز کھاتے ہوئے میری نظر اچانک ان افریقی بچوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ چپ چاپ بوڑھے سے نظر آتے ہوئے ایک طرف بیٹھے ہماری جانب دیکھ رہے تھے۔ جب بچوں کا بوڑھا بننا معیوب نہ ہو تو بوڑھوں کا بچے بن جانا بھی عین مناسب سمجھا جاتا ہے۔ میں نے بالکل کسی بچے کی مانند ضد کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا ''نہیں یہ سبزی تھوڑی ہے اور دو؟''

جب ہم سیر ہو کر کھا چکے تو برتن صاف کرنے سے پہلے افریقی لڑکوں نے ہمارا بچا کھچا آپس میں بانٹ لیا۔

''اس سے ان بے چاروں کا کیا بنے گا؟'' میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''وہ مٹھائی بھی انھیں دے دو''۔

''تھوڑی دیر میں بچوں کو پھر بھوک لگی تو انھیں کیا دوں گی؟''

''بہت دیالو معلوم ہوتے ہو، بابو'' گجراتی سیٹھ کہنے لگا۔

''جی؟'' میں نے ایسی شکل بنالی جیسے واقعی اس کے الفاظ کو سن نہ پایا ہوں۔

''میں نے کہا تم بڑے دیالو نجر آتے ہو''۔

پیٹ بھر جانے کے بعد اگر کوئی تعریف کرنے والا مل جائے تو دل اپنے آپ خوشی سے بھر کر جھوم اٹھتا ہے۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں سیٹھ جی، میرا بیٹا تو نراست جگی ہے''۔

میری بیوی نے مٹھائی کا لفافہ سنبھال کر پرے ٹوکری میں رکھ دیا اور میں نے ذہنی لذت محسوس کرتے ہوئے مسکرا مسکرا کر اپنے آپ سے کہا کہ سیٹھ ٹھیک کہتا ہے، ماں جی بھی بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔

پھر میں ذرا ستانے کے لیے نیم دراز ہو گیا، سگریٹ سلگایا اور سیٹھ جی سے بہت پیار سے بہکی سی آواز میں پوچھا ''آپ نیروبی میں کہاں رہتے ہیں سیٹھ جی؟''

تھوڑی دیر میں بچوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ نیچے جھیل میں چلیں۔

جب ہم نے جھیل کی دھرتی پر قدم رکھے تو اسے ہلتا ہوا پا کر ہمارے دل بھی ذرا ذرا

www.taemeernews.com

ہلے لیکن ہم بظاہر مسکراتے ہوئے بڑھتے گئے، پہلے ہولے ہولے احتیاط سے، پھر کچھ دور جا کر ڈر دور ہوا تو تیز تیز، اور پھر اوروں کو اچھلتے کودتے دیکھ دیکھ کر ہم بھی بے پروائی سے دوڑنے لگے۔

''بڑی عجیب بات ہے'' میں کسی اسکول کے بچے کی مانند لرزاں زمین پر اچھلنے لگا۔

''یہ لیک بھی قدرت کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ دیکھو''۔ میں اپنی بیوی کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے بہت سرعت سے اچھلا۔ میرے قدموں کے نیچے دھرتی یوں کانپی جیسے کسی افلاس زدہ افریقی کا دل۔ جس پر بیسیوں آلام پھدک پھدک کر قہقہے لگاتے رہتے ہیں۔

کسی ایشیائی تاجر کے شاندار بنگلے میں دن رات کام کرتا ہوا یہ بوئی (مجھے اپنی ننھی ژائی سے ملے آج پورے دو برس ہو گئے ہیں۔ اب وہ کیسی لگتی ہوگی؟'')

کسی فارغ البال انگریز نوآباد کی تصاویر کی نمائش گاہ میں نہایت محنت سے تصویریں ٹانگتا ہوا یہ کالا مزدور (یہ کام تو آج شام کو ہی ختم ہو جائے گا۔ کل کیا کروں گا؟)

ٹیکنیکل کالج میں تعلیم پاتا ہوا کسی مفلس افریقی گھرانے کا یہ ہونہار سپوت!

(''میاؤں، اگر تم کل بھی فیس نہ لائے تو تمھارا نام کالج کے رول سے کاٹ دیا جائے گا''۔ میاؤں کسی کتے کی طرح بھونکنا چاہتا تھا'' مگر بیمار مسکین بلی بنا دودھ کی خالی ہنڈیا چاٹتا رہا ''میاؤں — میا — ؤ — ں!'')

میری بیوی مجھ سے کہہ رہی تھی'' یہ عجوبہ آپ کو دنیا بھر میں کہیں نہ ملے گا''۔ دراصل اس کا یہ مطلب تھا کہ میرے ہی ماں باپ نے آپ کو اس ملک میں منگوایا تھا، ورنہ آپ کو ایسے عجوبے دیکھنے کہاں نصیب ہوتے؟'' دیکھیے نا! وہ بھی جھیل کی کانپتی دھرتی پر زور سے اچھلی۔

''ہائے رام'' یکا یک وہ ہریش کی چیخ سن کر تیزی سے پلٹی۔ بھاگتے بھاگتے ہریش ایک چھوٹے سے گڑھے میں جا گرا تھا۔

گڑھے نے اونچی اونچی گھاس سے سر اٹھا کر گویا نہایت مودّب انداز میں ہم سے کہا ''گھبرائیے نہیں ہم چھوٹے چھوٹے ادنیٰ گڑھے بھلا، آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟''

www.taemeernews.com

ہمارے ساتھ آیا ہوا ایک افریقی لڑکا لپک کر ہریش کو گڑھے سے باہر نکال لایا اور میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی ملتجی آنکھوں سے کہا ''ساب بخشیشی؟''

میں نے تانبے کے دو چار سکے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''ست نام! شکر ہے تیرا کرنی والے! بیٹا آج ہی بھگوان کے مندر میں ایک من اناج دے آنا''۔

''چلیے اب واپس چلتے ہیں'' میری بیوی نے ہریش کو اپنے بازوؤں میں زور سے بھینچ رکھا تھا۔

''ماں کوکا کولا'' ہریش نے سسکیاں بھرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''نہیں ایسا بھی کیا خطرہ ہے۔ آگے نہیں جاتے گھڑی بھر کے لیے یہیں بیٹھ جاتے ہیں''۔

ہم سب وہیں ایک طرف کٹی ہوئی صاف گھاس پر بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں ہمیں کچھ فاصلے سے امریکی ٹورسٹ لڑکی کی باریک اور شیریں آواز سنائی دی۔ ''یہ گڑھا کتنا گہرا ہے؟''

''بہت گہرا ہے میم ساب، بہت گہرا''۔ ایک افریقی لڑکے نے اسے جواب دیا۔

''لو، ہم اس میں ایک شلنگ پھینکتے ہیں۔ ایک دو۔ تین۔ اور یہ لو چھ اور جاؤ نکال لاؤ''۔

''نہیں میم صاحب، یہ بہت گہرا ہے''۔

سب امریکی ٹورسٹ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے اور وہ افریقی لڑکا تنہا وہیں کھڑا لالچی نظروں سے اس گڑھے میں جھانکتا رہا۔ نو شلنگ! نو شلنگ!! وہ کچھ دور جا کر پھر وہیں پلٹ آیا۔ ہمارے ساتھ آئے ہوئے کالے چھوکرے بھی اس کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ان سب کی سہمی سہمی آنکھیں گڑھے کی گہرائی ناپ رہی تھیں۔ اب اس انجانی گہرائی میں نو چمکیلے سکے ڈھونڈ رہی تھیں۔

آخر سب لڑکے نہایت مایوسی اور تاسف سے سر ہلا ہلا کر وہاں سے چلے آئے، مانو امریکی لڑکی کی بجائے خود ان ہی کا نو شلنگ کا نقصان ہو گیا ہو۔

www.taemeernews.com

''ماں کوکا کولا؟''

چار پانچ منٹ میں مجھے اپنا ایک نوجوان واقف کار، مسٹر لیش ویر اپنی بیوی کے ہمراہ آتا دکھائی دیا۔

''ہیلو'' میں نے اسے پکارا۔

''ہیلو، کیا حال ہے؟''

''کہیے'' سنڈے منایا جارہا ہے۔ آیئے، بیٹھیے۔

''نہیں، ذرا گھومتے ہیں''۔ لیکن جب اس کی بیوی میری بیوی کے پاس بیٹھ گئی تو وہ بھی میرے قریب آ بیٹھا۔

''کہیے دل تو خوب لگ گیا ہے نا؟'' لیش ویر چند ماہ پہلے کینیا میں پہلی بار آیا تھا اور نیروبی کے کسی اسکول میں ٹیچر تھا۔

''یہاں تو اپنے آپ دل لگتا ہے جی۔ دیکھیے چاروں طرف کیا فرسٹ کلاس نظارے ہیں''۔ پھر اس نے اپنے لہجے میں دانائی پیدا کرتے ہوئے کہا ''مگر ایک بات ہے۔ اس ملک کی کلچرل اور سوشل لائف بڑی پوَر ہے۔ ہمارے شہروں جیسی بات نہیں''۔

مسز لیش ویر میری بیوی سے کہہ رہی تھی ''مسٹر ویر انڈیا کے لڑکوں کی طرح نہیں دیکھیے کتنا سمارٹ ہیں، بالکل یہیں کے لڑکوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں''۔ مسز لیش ویر یہیں پیدا ہوئی اور پلی تھی۔ اس کے باپ کو جب یہاں اپنی بیٹی کے لیے کوئی پڑھا لکھا اور مناسب ورنہ مل سکا تو وہ اسے شادی کے لیے انڈیا لے گیا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں'' میں نے لیش ویر سے کہا۔ یہاں کا تہذیبی معیار واقعی بہت پست ہے'' جیسے یہ کہہ کر میں نے لیش ویر کو یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ میں خود بڑا تہذیب یافتہ ہوں۔

''وِنے صاحب آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں'' لیش ویر کہنے لگا۔ ''کبھی ملا کیجیے، یہاں تو سمجھ بوجھ والے آدمی نظر ہی نہیں آتے''۔

''ہاں، ہاں، ضرور!'' میں نے خوش ہوکر کہا'' وِنے صاحب آپ کی بھی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ میرے پرانے دوست ہیں۔ دلّی میں وہ اور میں ہر شام کو چاٹ کھانے

www.taemeernews.com

کے لیے چاندنی چوک جایا کرتے تھے''۔

''وہاں کی چاٹ کی کیا بات ہے جی! آدمی سارا دن کھاتا رہے مگر جی نہیں بھرتا۔ دیکھیے نا، اب یہاں کوئی کام کی چاٹ بھی نہیں بنا سکتا۔ یہ بھی کوئی ملک ہے؟''

''یہاں کی بات چھوڑیے آپ، یہ لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تو کہتا ہوں کہ تنخواہ یہاں کی ہو، اور رہنا دلّی کا۔ مزا آجائے''۔

''واقعی مزا آجائے۔ آتے ہی مجھے آٹھ سو شلنگ ماہوار ملنے لگے ہیں''۔

''ہاؤس الاؤنس ملا کر مجھے آج کل چودہ سو ملتے ہیں''۔ میں نے ذرا اونچی آواز میں کہا تاکہ اس کی بیوی بھی سن لے۔

''مگر بہن'' میری بیوی مسز لیش ویر سے کہنے لگی ''پتہ نہیں لگتا اتنا جاتا کہاں ہے''۔

میرا ذہن گھڑی بھر کے لیے بینک بیلنس کے ہندسے گننے لگا۔ ''لیش ویر جی، آپ سچ کہتے ہیں۔ یہاں کے جیون میں وہ بات نہیں، وہ اعلیٰ کلچر نہیں''۔

میرے تینوں بچے ہمارے آس پاس ناچنے لگے۔ لیش ویر نے اسکول ماسٹر سا نظر آتے ہوئے انھیں آرام سے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بھی کھڑا ہو کر ان کے ساتھ ساتھ اچھلنے لگا۔ دیکھا دیکھی ہم سب چھلانگیں مارنے لگے، ماں جی بھی بیٹھی بیٹھی اپنی ٹانگیں ہلانے لگیں۔ ہانپتے کانپتے دھرتی کا دم پھول گیا۔

''ہہ ہہ ہہ ہا—ہہ!''

افریقی بچے چپ چاپ ہمارے منہ تکتے رہے۔

''کیا معجزہ ہے!''

''واقعی ایسی جھیل ساری دنیا میں نہیں ملتی''۔

''دی ایٹتھ ونڈر آف دا ورلڈ!''

''چلیے، اب ذرا آگے جا کر گھومتے ہیں'' مسز لیش ویر نے اپنے شوہر سے کہا۔

''چلیے کنارے پر چلیں۔ کوئی اپنی چیزیں نہ اڑا لے جائے، وہیں گھومیں پھریں گے''۔ میری بیوی نے مجھے ہدایت کی۔

''ہاں چلو''۔

www.taemeernews.com

کنارے پہنچ کر ہم سب جمگھٹا سا بنا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ قریب ہی ایک درخت کے نیچے ایک ادھیڑ عمر افریقی اخبار پڑھنے میں منہمک تھا۔ میں اس کے نزدیک چلا آیا وہ کڑوی سی سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں بڑے دوستانہ لہجے میں گویا ہوا— ''ہمارے قدموں کے نیچے جھیل کی زمین تھرتھر کانپتی ہے— کتنا بڑا معجزہ ہے!''

اس نے نہایت خشک انداز میں جواب دیا۔

''مگر میں تو اسے ایک معجزہ سمجھتا ہوں کہ آپ کے قدموں کے نیچے صرف جھیل ہی کی زمین کیوں کانپتی ہے۔ سارے افریقہ کی زمین کیوں نہیں کانپتی؟''

''ست نام سری واہگورو''۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

نازائیدہ

رانا پلیس کے بار میں چند دوست بیٹھے شراب پی رہے تھے اور متعجب تھے کہ دو بڑے بڑے ٹاٹ حلق سے اتار لینے کے باوجود نشے کا احساس کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

''ایک تو یہ ہوسکتا ہے'' سمپت کہنے لگا'' کہ ساری شراب ہی اچھی نہ ہو''۔

''مگر شراب کی بوتل پر مہر وغیرہ تو میں نے چیک کر لی تھی''۔ رام سنگھ نے اسے بتایا۔

''مہر کو چھوڑو یار'' جمال نے کہا۔ نوکری اور بیوی ملنے سے پہلے مہر تو میری بھی بڑی سختی سے چیک کی گئی، مگر مجھے معلوم ہے کہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں''۔

''تو دوستو، نتیجہ یہ نکلا کہ شراب تو اچھی ہے، شاید ہم ہی برے ہیں''۔

''شاید کیوں؟ مجھے تو یقین ہے کہ میں ہی برا ہوں''۔

''رام سنگھ سب کے لیے ایک ایک اور تگڑا سا ٹاٹ بنانے لگا۔

''نہیں، اگر تم واقعی برے ہو مہربان سنگھ، تو اب تک تم پر شراب کا اچھا نشہ طاری ہونا چاہیے تھا... میرے گلاس میں تھوڑی اور ڈال دو رام سنگھ'' سمپت نے اپنا گلاس رام سنگھ کی طرف سرکا کر کہا'' میرا تو یہ خیال ہے کہ ہم اچھے ہیں نہ برے، بس جیسے ہیں ویسے ہی ہیں، ورنہ نشہ نہیں چڑھا تو ہم کم سے کم ہوش میں تو ہوتے''۔

''میں تو پورے ہوش میں ہوں'' رام سنگھ سمپت کے گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

''پورے ہوش میں؟... ہہ ہہ ہا... ہہ!.... ہہ!...''

مہربان سنگھ نے قہقہہ لگایا۔'واہ بھائی جی واہ!... تم ہی ایک خوش نصیب ہو رام سنگھ جسے آج نشہ چڑھا ہے''۔

''ہاں بھئی، آج کل تو ہمارا خدا بھی پورے ہوش میں نہیں۔ جو شخص بھی دنیا میں بھیج

www.taemeernews.com

رہا ہے، ہم جیسا... چند لوگ اچھے ہوں چند برے، کوئی گھمسان کا یدھ ہو اور جینے دینے کا ذرا مزہ آئے...''

''ہاں''۔ رام سنگھ انھیں سمجھانے لگا۔ ''اسی لیے میں اپنے آپ سے چوبیس گھنٹے لڑتا رہتا ہوں، اپنی اتنی پٹائی کرتا ہوں پر مجال ہے ایک خراش بھی آجائے''۔

''نہ بابا، مجھے تو مار کٹائی سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خون اتنا میٹھا ہے کہ ذرا بھی زخم آجائے تو بھرنے کا نام نہ لے''۔

تم ٹھیک کہتے ہو مہربانے، ہم لوگوں کی سوچ کو بھی ذیابطیس ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا غصہ آبھی جاتا ہے تو ہم زخم کے ڈر سے ہنسنے لگتے ہیں۔ یار کوئی مزیدار جوک سناؤ، رام سنگھ''۔

''وہ تو اپنا جوک سنا چکا ہے کہ پورے ہوش میں ہے''۔

''سمپت میرے بھائی''۔ مہربان نے کہا ''میری آنکھوں میں سگریٹ کا دھواں کیوں چھوڑ رہے ہو؟...''

''تاکہ چبھن سے تمھاری آنکھوں سے گندہ پانی اتر جائے مہربانے، اور تم صاف صاف دیکھنے لگو''۔

''صاف صاف دیکھنے سے بھی کون سا واہگورو نظر آجائے گا یارو''۔ مہربان سنگھ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ ''لاؤ رام سنگھ، تھوڑی اور ڈالو۔ اپنے سردار بھائی ہو پر ہر بار دوسروں سے کم ڈال جاتے ہو''۔

''ہاں سردار بھائی۔ میں بڑا کمینہ آدمی ہوں۔ کسی سالے کو اپنا سمجھ کر فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تو بے چارے کو مجھ سے الٹا نقصان پہنچ جاتا ہے''۔

''لو مہربان''۔ سمپت نے سگریٹ سلگا کر پیش کش کی۔ ''اس سے پہلے کہ میں اپنا خیال بدل لوں، میری حماقت کا فائدہ اٹھاؤ اور اس راؤنڈ کا میرا یہ بقیہ حصہ بھی پی جاؤ۔ جلدی کرو بھائی!...''

''کوئی نیکی کرنے کا خیال آتے ہی ہم اپنے آپ کو احمق کیوں سمجھنے لگتے ہیں؟'' جمال نے منہ اتنا معصوم بنالیا کہ سمپت کا جی چاہا، اسے ڈانٹ دے، چپ! بڑوں کی باتوں میں بچے نہیں بولتے۔

www.taemeernews.com

''بتاؤنا، کوئی نیکی کرنے کا...''

''ارے بتائیں کیا؟'' سمپت نے اسے ٹوکا ''نیکیاں کرنا صرف نیک آدمیوں کا کام ہے۔ ہمیں اوپر والا کوئی اسپیشل الاؤنس تھوڑا ہی دیتا ہے جو اپنا کام بڑھاتے چلے جائیں''۔

''اس میں بے چارے اوپر والے کا کیا دوش؟ وہ تو اوپر کے چند لوگ ہی اس کی ساری نعمتوں کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں'' جمال کو سر کھجانے کی خواہش ہو رہی تھی لیکن اپنی ٹوپی اتار کر اسے سر کھجانا یاد نہ رہا۔ ''اور باقیوں کو جیتے جی جہنم میں ہانک دیتے ہیں''۔

''میرا وا ہگورو تو میری سنے گا نہیں، جمال''۔ مہربان سنگھ نے کہا ''پر تم اتنے برے نہیں ہو۔ کبھی فرصت میں اپنے خدا کو ساری باتیں کھول کر سمجھا آؤ''۔

''سمپت ہنسنے لگا۔'' ساری شراب ہی جب بے اثر ہے تو خدا سے باتیں کرنا کیوں کر ہوگا؟... بوائے، اور بھجیا لاؤ...''

''بھجیا سے ہی پیٹ بھر لوگے سمپت، تو شراب کہاں ڈالو گے؟''

''سر میں، رام سنگھ! میں پیتا ہوں تو صرف اس لیے، کہ اپنا سر شراب میں ڈبودوں اور میری ساری سوچیں مردہ ہو کر سطح پر ابھر آئیں...''

جمال کو اچانک سر کھجانا یاد آ گیا اور وہ ٹوپی پہلو میں ڈال کر سر کھجانے لگا۔ مگر اب کے اسے وہ بات بھول گئی جسے کہنے کے لیے اس نے منہ کھولا تھا۔

''میں بھی جب خوب پی لیتا ہوں دوستو''۔ مہربان سنگھ انھیں بتانے لگا ''تو میری سوچوں کے لاشے ابھر ابھر کر اندرونی کھوپڑی کو چھونے لگتے ہیں اور میں بے چین ہو کر اپنے سر کو اور زور سے کھجانے لگتا ہوں، اور میری مردہ سوچیں جوؤں کی جون میں جھڑنے لگتی ہیں...''

''تمھیں زندہ یا مردہ سوچوں سے کیا غرض، مہربان سنگھ؟'' جمال کو سر کھجا کر چین آ گیا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''تمھاری جوئیں ہی جوؤں کی جون لے کر جھڑتی ہوں گی''۔

گرم گرم بھجیا آ گیا تو چاروں نے بیک وقت پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔

''شراب کے ساتھ ہمیں اچھی خوراک کھانی چاہیے۔'' رام سنگھ نے منہ کو بھجیا سے

www.taemeernews.com

بھرلیا۔

"بھجیا میں رکھا ہی کیا ہے؟"

"ہاں بھجیا میں کباب کہاں سے آجائیں گے؟... بوائے! کباب کی بھی ایک پلیٹ لے آؤ!"

"پر تم تو گوشت خور نہیں ہو، سمپت؟"

"جب سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ گھاس پھوس میں بھی جان ہوتی ہے میں نے ہر جاندار کا گوشت کھانا شروع کر دیا ہے"۔

"انسان کا بھی، سمپت؟"

"انسان کا بھی کھالیتا لیکن مجھے گوشت کی جگہ پلاسٹک کھانا پسند نہیں... ارے سنو، باہر مارکیٹ میں شور کیوں ہو رہا ہے؟..."

سینکڑوں قہقہے باہر سے سرپٹ دوڑتے ہوئے ان کے کانوں میں آگھسے اور ناک یا منہ یا آنکھوں میں تیز تیز پھدکنے لگے۔

"آؤ، باہر جا کے دیکھتے ہیں"۔

چاروں باہر آگئے اور دیکھا کہ انگنت لوگ مارکیٹ کے فرسٹ فلور کے جنگلے پر جھکے بے تحاشہ ہنستے ہوئے گراؤنڈ فلور کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

سمپت سب کے آگے آگے جنگلے کی طرف ہولیا۔ وہ اس قدر احتیاط سے چل رہا تھا کہ صاف پیے ہوئے معلوم ہوتا تھا... ارے!... اچانک وہ کسی سے ٹکرا گیا اور اس بھلے مانس کو ہدایت کرنے لگا کہ شراب پی کر گاڑی چلانا منع ہے۔ وہ ہنسنے لگا تو یہ بولا، ارے بھائی، گاڑی ہی تو چلاتے ہو۔ نشے میں ٹوٹ پھوٹ گئے تو ساری عمر پھک پھک کرتے بیتے گی۔ ارے بھائی رام سنگھ" اس نے اچانک اپنا منہ رام سنگھ کی طرف موڑ لیا "جنگلی کی بوتل وہاں میز پر ویسے ہی چھوڑ آئے ہو، کوئی بیرہ یا منیجر اٹھا کے اتنی ہی پانی سے بھر دے گا"۔

"ہاں"۔ مہربان بولا "میں کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کے ساتھ ہی لے آیا ہوں"۔ جنگلے کے آس پاس بھیڑ کو چیر کر وہ بھی نیچے دیکھنے لگا۔

"کہاں ہے؟"

www.taemeernews.com

''کیا؟ کون؟...''

''وہ...وہ دیکھو!...''

انھوں نے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

ایک نوجوان عورت اپنے گھاگرے کو ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے ایک دوکان کے سامنے ننگی کھڑی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر بھی کئی آدمی اس کے اردگرد جمع ہوکر چلا رہے تھے۔ ان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں، اعصاب تنے ہوئے اور وہ ایک دوسرے کو جھٹک جھٹک کر گویا بڑے دھیان سے دیکھنے کو کہہ رہے تھے۔

''او بھوری...!''

''اری بھوری، ادھر بھی تو دیکھو!...''

''لو دیکھ لو!'' بھوری بولنے والوں کی طرف ناچنے کے انداز میں مُڑ مُڑ کر ویسے ہی ننگی کی ننگی کھڑی ہو جاتی ''لاؤ، کیا دو گے؟''

''ادھر بھی، بھوری!'' کسی نے اس کی طرف دو کا نوٹ پھینک کر خواہش ظاہر کی۔

اور بھوری نے ہنستے ناچتے نوٹ اٹھا کر اس کی طرف منہ کر لیا۔ ''لو!''

اس کے سامنے کی دوکان والے نے اس سے ہاتھ جوڑ کر کہا'' جاؤ، بھوری، بھگوان کے لیے جان چھوڑ دو''۔

بھوری نے اپنا گھاگرا کندھوں تک اوپر اٹھا کے گلے میں لپیٹ لیا اور دوکاندار کی طرف سر اٹھا کر مسکرائی'' پہلے پانچ روپے دو، پھر چھوڑوں گی''۔

''پولیس!... پو...!...''

بھوری نے دھڑاپ سے گھاگرا نیچے گرا لیا اور مُڑ کر دیکھنے لگی، مگر یہ اطمینان کر کے کہ کسی نے یونہی مذاق کیا ہے، گھاگرے کو پھر اوپر اٹھا لیا اور لوگوں نے پھر اپنی نظریں اس کی رانوں میں ٹھونس لیں۔

دوکاندار نے بڑبڑاتے ہوئے روپے روپے کے دو تین سکے اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا'' جاؤ موری ماں، بھاگو اب...!''

''ڈٹی رہو. بھوری ڈرو نہیں...لو!...''

www.taemeernews.com

''لاؤ'' بھوری نے بولنے والے کی طرف مڑ کر کہا۔

لو!...لو!...ل...!...

یکبارگی کئی تماشائی اس پر چاروں طرف سے چھوٹے موٹے سکے پھینکنے لگے۔

''ارے!...ارے! میری جان کے بیری کیوں ہو گئے ہو؟'' بھوری اپنے وجود کو گھما کر بولی'' کنکر کیوں مار رہے ہو؟ نوٹوں اور نجروں سے مارو...''

سمپت!...سم...''سمپت جنگلے پر جھکے نیچے لڑھک جانے کو تھا کہ جمال نے اسے تھام لیا'' اس بھوری بھینس کے پاس پہنچنا ہے تو اِدھر سیڑھیوں سے نیچے جاؤ۔ یہ راستہ تو سیدھا جہنم کو جاتا ہے''۔

تو کیا ہوا، میرے یار؟ تم بھی تو میرے ساتھ ہو گے...''

رام سنگھے، تمھاری پتلون کوئی گھاگرا تو نہیں جو تم بھی اسے بار بار اوپر اٹھا رہے ہو''۔

''نہیں مہربان، بات یہ ہے کہ وہ اپنا گھاگرا اوپر اٹھاتی ہے تو مجھے لگتا ہے میری پتلون نیچے سرک رہی ہے''۔

''سرکنے دو، سنگھے،... پر کیا فائدہ؟ پتلون کے نیچے تم نے اپنا کچھا صاحب پہن رکھا ہوگا''۔

اسی اثنا میں اوپری منزل سے دو تین دوکاندار بھوری کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اس پر پانی کی بالٹیاں انڈیلنے لگے اور وہ سرعت سے گھاگرے کو ٹانگوں پر گرا کے چیختی ہوئی مارکیٹ کے باہری گیٹ کی طرف بھاگنے لگی اور اس کے پیچھے ساری بھیڑ۔

''بھوری تو گئی لیکن چلو، ہماری بھوری بوتل تو موجود ہے''۔

''تمھاری بھوری کس کام ہے رام سنگھ؟...دیکھو نا، جو بھوری نشہ آور تھی، اس کا کاک آپ ہی آپ بھپ سے کھل گیا،...وہ آپ ہی آپ منہ سے آ لگی اور اس سے پہلے کہ لوگ اسے غٹ غٹ پی جائیں، وہ آپ ہی آپ پھر سے اُڑ گئی...''سمپت اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔'' بڑی خاص چیز تھی''۔

''وہ تو گئی بابا، پر یہ جو ہے۔ جیسی بھی ہے، اسے کیوں چھوڑتے ہو؟...آؤ''۔

''چلو!''سمپت چلنے کی تیاری کرنے لگا۔'' سالی اتنی آبدار شے تھی کہ اس کے جانے

www.taemeernews.com

کے بعد بھی لگ رہا ہے اسے گھونٹ گھونٹ پیے جا رہے ہیں''۔ اس نے پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''جو چیز ہاتھ سے نکل جائے سمپت''۔ جمال اسے سمجھانے لگا۔''اسے بھول جانے میں ہی بھلائی ہوتی ہے''۔

''کیا اسے بھول کر آپ اپنا بھلا کر چکے ہیں، مولوی صاحب؟''

''نہیں، مجھے تمھارا بھلا کرنا مقصود ہے۔ میرا تو یہ ہے کہ جو بھی بری خواہش میرے بس سے باہر ہوتی ہے اسے پورا کرنے کے لیے کوئی ایسی بری خواہش پوری کر لیتا ہوں جو میرے بس میں ہو''۔

''تو جاؤ، اس پیشاب گاہ میں اپنی خواہش پوری کر آؤ...آؤ سمپت''۔

''نہیں ٹھہرو''۔ سمپت نے چاروں طرف نظر دوڑا کر کہا''ابھی ابھی میلا لگا ہوا تھا مگر اتنی سی دیر میں ہی اب کوئی دکھائی نہیں دے رہا ہے''۔

''دکھائی کیسے دے؟ وہ سبھوں کو اپنے گھاگرے میں سمیٹ کر لے گئی ہے''۔

''ہہ ہہ...ہہ...!''سمپت اپنے شرابی قہقہے سے گدگدی محسوس کر کے اور زور سے قہقہانے لگا''ہہ ہہ ہا!...سبھی حرامی پلے بڑی امید سے ماں کے گھاگرے میں جا سمٹے ہیں کہ شاید اس طرح پیدا ہو جائیں گے، پر ان سے پوچھو وہ بانجھ انھیں جنے گی کیسے؟... ہہ...ہا!...''

◆◆◆

www.taemeernews.com

بجھتے سورج کا سمے

''چلو ڈاڈو، آج تمھیں لیڈر پارک لے چلتے ہیں''۔

''وہاں کیا ہے، انو؟''

''اوپرا ایئر تھیٹر۔ آج وہاں شیکسپیئر کی ٹریجڈی 'اوتھیلو' کھیلی جا رہی ہے''۔

''انو کا دادا ہنسنے لگا۔ ''ہائی بھائی، زندگی ہو یا ڈرامہ، تمھارے امریکی اسے ہنستے کھیلتے رو لیتے ہیں''۔

''او ڈاڈو، ڈونٹ بی فنی!'' انو نے اپنے بال جھٹک کر اپنے دادا سے کہا، جو پچھلے ہفتوں سے اپنے بیٹے کے یہاں وزٹ پر امریکہ آیا ہوا تھا۔ ''چلنا ہے تو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پورے ساڑھے چھ بجے شروع ہو جائے گا''۔

''ساڑھے چھ کا اعلان ہے انو، تو کم سے کم سات تو بجائیں گے ہی''۔

''نہیں ڈاڈو۔ یہ تمھارا ہندوستان نہیں۔ خواہ ایک بھی آدمی نہ پہنچے، پورے ساڑھے چھ پر شروع ہو جائے گا''۔

''کیا وہ پاگل ہیں بیٹی؟ کوئی ہوگا ہی نہیں، تو شروع کس کے لیے کریں گے؟ اپنے لیے؟'' دادا پھر ہنس پڑا ''مگر تم ٹھیک کہتی ہو۔ امریکی آپ ہی سب کچھ کرتے ہیں اور آپ ہی اپنے سامنے بیٹھ کر اپنے کیے پر خوش ہوتے رہتے ہیں''۔

''ڈونٹ بی ناٹی، ڈاڈو۔ دس پندرہ منٹ میں تیار ہو کر نیچے گیراج میں آ جاؤ''۔

''دادا کو کہاں لے جا رہی ہو انو؟'' دادا کی بہو ایشا بھی آ گئی۔

''کسی کالے شوہر نے اپنی سفید بیوی کو قتل کر دیا ہے۔ بہو، اور پھر اس کی بے گناہی کا یقین ہونے پر اپنی جان بھی لے لی ہے''۔

www.taemeernews.com

''کہاں، کیا یہیں ہمارے پڑوس میں، چلو، میں بھی چلتی ہوں''۔

''ڈاڈو، ممی کو بنا کیوں رہے ہو؟ ہم لیڈر پارک میں شیکسپیئر کا ڈرامہ دیکھنے جارہے ہیں ممی''۔

''میں بھی چلوں گا'' راہو بھی اسی اثنا میں اپنے اسکول ٹیبل ٹینس کا میچ کھیل کر لوٹ آیا۔ ''میں نے ابھی تک شیکسپیئر کا ایک بھی پلے نہیں دیکھا''۔

''دوسروں کے دیکھے ہیں؟'' دادا نے پوچھا۔

''ہاں، ڈاڈو، مجھے وہ ڈرامے بہت اچھے لگتے ہیں جس میں تلوار کی لڑائی ہو''۔ پھر وہ بتانے لگا ''میں نے تلوار چلانے کی کلاس بھی جوائن کرلی تھی مگر ڈیڈی نے روک دیا''۔

''ہاں، بیٹے، ہوا میں تلوار چلانا اچھا لگتا ہے''۔

''مگر تلوار تو صرف ہوا میں ہی چلائی جاتی ہے''۔

''ٹھیک کہتے ہو بیٹے۔ ایک بات بتاؤں؟'' دادا کو خیال آیا کہ اگر اس وقت اس کا بیٹا امیر یہاں موجود ہوتا تو اس کے اس تکیہ کلام پر اسے ضرور ٹوک دیتا۔ ''سچ مچ کسی کی جان لینا ہو تو اپنی جان کا خطرہ کیوں مول لیا جائے، کیوں نہ دور پار سے ہی اس پر پستول چلا دیا جائے؟...''

''راہو کا دماغ پہلے ہی الٹی سیدھی باتوں سے بھرا پڑا ہے ڈاڈو''۔

''ہاں، پپا''۔ ایشا نے اپنی بیٹی کو روک کر سر کو مخاطب کیا ''اسے تم مہابھارت اور رامائن اور انڈین کلچر کا بتایا کرو''۔

''کیوں، ممی، میں اب کوئی بچہ تھوڑا ہی ہوں''۔

''نہیں''۔ دادا نے منہ پکا کر کے اپنے پوتے کو یقین دلانا چاہا۔ ''تم تو ہم سبھوں کے باپ ہو بیٹے۔ لیڈر پارک میں میرا ہاتھ مت چھوڑ دینا، ورنہ میں راستہ بھول جاؤں گا''۔

ان کے جانے کے بعد داد، تھوڑی دیر میں تیار ہو کر نیچے گیراج میں پہنچا تو انو اپنی ماں اور بھائی کو ساتھ لیے ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھی بے صبری سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ دادا اپنے پوتے کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ''تھوڑی دیر اور دیکھ لیتے بہو، تو امیر بھی کام

www.taemeernews.com

سے لوٹ کر ہمارے ساتھ ہو لیتا''۔

''مجھے معلوم ہے پپا، امیر کو شیکسپیئر سے الرجی ہے''۔ دادا کی بہو ذرا رک کر وضاحت کرنے لگی۔ ''ایک دفعہ ہم کنگ لیئر کی فلم ورژن دیکھ کر آئے تو اس نے دو تین روز چھینک چھینک کر اپنی حالت غیر کر لی۔ کیوں انو، ٹھیک ہے نا؟''

''مگر صرف باتوں اور خیالوں سے الرجی کیسے ہو سکتی ہے؟''

''جس بات کا علم نہ ہو''۔ انو میڈیکل سائنس کے آخری سال کی طالبہ تھی۔ ''اس میں ٹانگ مت اڑایا کرو ڈاڈو۔ الرجی از دے ویری اَیبس ٹریکٹ، ویری کامپلیکس فینامینن!''

جتنی دیر میں دادا نے اپنی پوتی کی جانب فخر مندی سے دیکھا، اتنے میں ہی ان کی گاڑی باہر سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگی۔

''ذرا آہستہ، بیٹی!''

''تیز نہیں چلاؤں گی تو چالان ہو جائے گا''۔

''مگر ہمارے ہندوستان میں تو تیز چلانے پر چالان ہوتا ہے۔''

''تمھارا ہندوستان اسی لیے تو منزل پر صدی بھر لیٹ پہنچتا ہے''۔

''حفاظت سے پہنچ تو جاتا ہے''۔

''مگر کیا فائدہ پپا؟'' دادا کی بہو نے مداخلت کی۔ ''ان کے پہنچنے پر منزل کوئی صدی بھر آگے پہنچ چکی ہوتی ہے''۔

''ایک بات بتاؤں؟'' دادا سے رہا نہ گیا۔ تم امریکی بھی تو اتنے میں منزل سے صدی بھر آگے جا پہنچتے ہو''۔

دادا اُداس سا ہو کر سوچنے لگا، یہی تو مصیبت ہے۔ میرے پوتا پوتی کہیں اپنے آگے ہی آگے نہ معلوم کہاں پہنچے ہوتے ہیں مگر میں اپنی سست رفتاری میں اپنے پیچھے کہیں بھائیوں بہنوں کی گزرگاہوں میں رکا رہ جاتا ہوں اور ان سے باتیں کرتے کرتے وہاں سے بھی کوئی پون صدی پیچھے ننھا منا سا اپنے دادا کی گود میں جا بیٹھتا ہوں اور حالاں کہ دادا جب میرا منہ چومنے کے لیے مجھ پر سر جھکا لیتے ہیں تو مجھے ان کی سفید مونچھوں کی چبھن

www.taemeernews.com

سے وحشت ہونے لگتی ہے، پھر بھی ان کے بوسے کی شاد ماں حدت سے میں ان کی گود میں ایسے کودنے لگتا ہوں، جیسے کسی وسیع میدان میں، اور اس دوران مجھے آگا یا پیچھا یاد ہی نہیں رہتا۔ جو آپ ہی ابھی منا سا پوتا ہو، اسے کیا احساس کہ اسی دم پون صدی آگے اس کے پوتا پوتی اتنے بڑے، اتنے کارگر نکل آئے ہیں۔ یہی تو مصیبت ہے... دادا نے اپنے آپ کو بتایا... یکساں مقامیت نہ ہو تو ہمارے آگے ہی آگے ہمارے بچے نہ معلوم کہاں اوجھل ہوتے ہیں اور اس گمشدگی میں اتنے مانوس... نہیں اتنے اجنبی معلوم ہوتے ہیں کہ خون میں ہی کہیں محسوس ہوں تو ہوں... ان اجنبیوں کو کلیجے سے لگا لینے کو جی ترس جاتا ہے مگر اس گھور بڑھاپے میں کوئی انھیں پیدا کیسے کرے، ان سے انہی کے وجود میں کیسے مل پائے؟

اسی دوران گاڑی میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی... دادا کی بہو نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا... ہاں... نہیں!... کیوں؟... ٹھیک ہے... اگر ضروری ہے تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے؟... ٹیلی فون سے فارغ ہو کر اس نے سر دادا کی طرف موڑ لیا... ''امیر آفس سے سیدھا واشنگٹن جا رہا ہے''۔

''کیوں، خیر تو ہے''۔ دادا نے گھبرا کر پوچھا۔

''سب خیر ہے، پپا۔ اس نے اپنا ایک سائنسی پروجیکٹ وہاں کاپی رائٹس بیچنے کے لیے دے رکھا ہے۔ آج آفٹر ڈنر بات چیت ہوگی اور کچھ طے ہو گیا تو امیر کل اور پرسوں وہیں رہے گا''۔

''مگر پرسوں تو میں واپس جا رہا ہوں'' مگر دادا اپنے الفاظ پر شرمندہ ہو کر سوچنے لگا۔ تو کیا ہوا؟ تمھیں واپس جانے سے کس نے روکا ہے؟ تمھارا تو اس دنیا سے ہی جانے کا وقت سر پر کھڑا ہے۔ کیا تمھارا بیٹا اپنے کام روک کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے تمھارے ساتھ بیٹھا رہے، کہ تمھاری چھٹی ہو تو اسے بھی چھٹی نصیب ہو؟... ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔

دادا کی بہو نے پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور پھر اسے دادا کی طرف بڑھا دیا۔

''امیر تم سے بھی بات کرنا چاہتا ہے پپا''۔

''ہیلو؟... نہیں، امیر بیٹے، کوئی بات نہیں... نہیں، جانے والوں کو رُکنے پر اختیار نہیں ہوتا... نہیں، میں فلسفہ نہیں بگھار رہا۔ ایسے ہی ہوتا ہے۔ کیوں نہیں؟ اب دیکھو نا، میں بھی

www.taemeernews.com

پرسوں جارہا ہوں... کیا میں خود کو روک سکتا ہوں؟... تم آرام سے جاؤ بیٹے... سکھی رہو!... خوش رہو!...'' دادا کے منہ میں اور کئی دعائیں اُمڈی چلی آرہی تھیں مگر ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع ہوجانے پر اس نے ریسیور اپنی بہو کی طرف بڑھادیا۔

''ڈاڈو!'' انو کی نظریں سڑک پر بدستور آگے کا راستہ چیرتی ہوئی سرپٹ بھاگی جارہی تھیں...'' باقی کی دعائیں مجھے دے دو''۔

''ہاں، بیٹی، جتنی چاہو لے لو۔ میرے پاس دعاؤں کے سوا اور ہے ہی کیا؟''

''تمھیں معلوم نہیں پپا؟'' دادا کی بہو کہنے لگی...'' امریکن قوم اسی لیے دولت مند ہے دولت، نیک سے نیکی، بد سے بدی اور...''

''تمھاری بات سمجھ میں آگئی ہے ممی...'' راہو نے اپنی ماں کو ٹوکا'' کیوں اسے لمبا کیے جارہی ہو؟''

''تمھاری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا''۔ دادا کو اپنے پوتے کو ٹوکنے کی خواہش نے گدگدایا۔'' پہلے سمجھ لو۔ بات یہ ہے کہ امریکی ساری نیکی اور ساری بدی بٹور کر اپنے پیٹ میں اسٹور کر لیتے ہیں''۔ دادا کو کوئی تیکھی سوچ آتی تو ہنسے بغیر نہ رہ سکتا...'' ایک بات بتاؤں؟ امریکی کسی آئندہ ورلڈ وار سے بچاؤ کی تدبیر کرتے ہوئے دراصل اپنے ہی پیٹ کی مہابھارت سے بے حال ہورہے ہوتے ہیں...''

دادا کی بنگالی بہو کچھ یاد آنے پر ذرا سی اچھلی'' میرے ڈیڈی کہا کرتے تھے پپا، ہندوستانیوں کے پیٹ کی آگ اتنی بھڑک چکی ہے کہ انھیں وار فٹنگ پر مقابلہ کرنا چاہیے''۔

''وہی تو ہم کررہے ہیں بہو، مثلاً ہندوستانی والدین کا فوجی ڈسپلن دیکھو۔ محاذ پر ڈٹے رہنے کی خاطر وہ اپنے بچوں کو بھی عربوں کی اونٹ دوڑ کے لیے بیچ دینے سے دریغ نہیں کرتے...ایک بات بتاؤں...'' دادا نے اپنا لہجہ وشال کرلیا تھا تاکہ وہ انھیں بتائے کہ اس نے آج ہی اخبار میں کیا پڑھا ہے۔'' ایک یورپی خاتون نے ایک ہندوستانی باپ کو معقول رقم دے کر اس کے بچے کی پیدائش سے پہلے ہی معاہدہ کرلیا کہ وہ اسے گود لے لے گی... بچے کے طبی معائنہ پر اس میں فیکٹر نائن کی خطرناک حد تک کمی پائی گئی... بچے کا باپ گھبرا کر یورپی خاتون کو یقین دلانے لگا کہ وہ اپنے پیسے واپس نہ لے تو آئندہ نو ماہ کے

www.taemeernews.com

اندر ہی وہ اسے ایک اور فرسٹ کلاس بچہ پیدا کر دے گا...'' دادا کو ادھر چند سال سے یہ عادت پڑ گئی تھی کہ کوئی بات سوچ سوچ کر ہی اسے معلوم ہونے لگتا کہ وہ اسے بیان کر چکا ہے۔

''رک کیوں گئے ڈاڈو؟ وہ بات بتاؤ'' مگر راہو دادا کی کمزوری سے واقف تھا، اس لیے اسے اپنی سوچ کے چکر سے نکالنے کے لیے اس نے فونی سی آواز میں کہا'' ہندوستانی کیا اسی لیے اپنی آبادی بڑھنے سے نہیں روکتے کہ بچے بیچ بیچ کر پیٹ پالتے رہیں؟'

''تم تو امریکی ہو بیٹا، جانتے ہی ہو، پیدا تو اسے ہی کیا جاتا ہے جو بک سکے۔ بیٹا یا باپ''۔

''یو آر ویری، ویری نائی، ڈاڈو!'' انو نے دادا کے جواب پر قہقہہ لگایا'' جانتے ہو، آج کل میں اپنے پپا کے ساتھ کس پروجیکٹ پر کام کر رہی ہوں؟...ہم چاہتے ہیں ہیومن سپرمز اور اوا کو سالہا سال تک محفوظ کیا جا سکے، تا کہ بچے بہ ضرورت پیدا کیے جا سکیں، خواہ اسی وقت، خواہ ان کے ماں باپ کی موت کے سو سال بعد...''

''سو سال بعد؟''

''ہاں، اور کیا؟''

''تو پھر ان کے ماں باپ کون ہوں گے؟...وہ خود آپ ہی؟''

''ناؤبی ریشنل، ڈاڈو!...جو بھی انھیں خرید لے''۔

''اور اگر کوئی خریدار نہ ہو؟''

''تو اس وقت انھیں پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

''ارے!'' گاڑی کے باہر نظر دوڑا کر راہو نے پیچھے سے اپنی بہن کا کندھا جھٹکا ''ہم لیڈر پارک سے آگے نکل آئے ہیں''۔

''او مائی گاڈ!'' انو نے جھٹکے سے گاڑی روک لی۔'' ڈاڈو کی باتوں پر کان دھر کر کس کے حواس بجا رہ سکتے ہیں؟'' وہ گاڑی پیچھے موڑنے لگی۔

''نہیں، انو بیٹا!'' دادا نے اسے جواب دیا۔'' تم امریکی اپنے پورے ہوش و حواس میں منزل سے آگے نکل آتے ہو۔ پتہ نہیں کہاں جانے کے لیے''۔

www.taemeernews.com

''تمھیں کہاں جانا ہے ڈاڈو؟''

''مجھے؟'' دادا کی سمجھ میں نہ آیا کہ انو کو کیا جواب دے۔ ''اور کہاں؟ میں تو دلّی ہی جاؤں گا بیٹا''۔

''مگر ڈاڈو، وہاں پہنچ کر بھی تم اپنے بدن سے باہر کہیں تھوڑا ہی جا پہنچو گے''۔

اپنی پوتی کی ذہانت پر جھوم کر دادا نے اس سے کہا ''ہاں، کہیں جانا تو تبھی ہوتا ہے جب بدن سے باہر آ جائیں''۔

''تو پھر جب تک اپنے بدن میں ہی ہو ڈاڈو، تمھیں کہیں بھی نہیں جانا ہے''۔ پوتی نے اپنے دادا کی دادی بن کر اسے ہدایت کی ''پپا کہا کرتے ہیں، یو ڈونٹ نو ہاؤ سٹوپڈ وس گیم آف لائف از، بٹ اِٹ اِز انٹرسٹنگ بیکاز اٹ اِز سٹوپڈ!''

(۲)

لیڈر پارک میں گاڑی پارک کر کے انو اور راہو نے خورد و نوش کا سامان اٹھایا اور اپنی ماں اور دادا کو اشارہ کر کے یہ دیکھے بغیر کہ وہ پیچھے آ رہے ہیں، آناً فاناً دور ایک موڑ پر جا پہنچے۔

''ٹھہرو، انو!'' دادا کی بہو نے چلا کر کہا۔

''ڈاڈو کے ساتھ دھیرے دھیرے آ جاؤ''۔ راہو نے رُک کر جواب دیا۔

وہ دونوں ہانپتے ہوئے ان کے قریب جا پہنچے۔

''مجھے اندر میدان کا راستہ معلوم نہیں''۔ ایشا نے ذرا دم لے کر اپنے بچوں کو بتایا۔

''ہمیں بھی کہاں معلوم ہے ممی، دیکھ دیکھ کر جا ہی پہنچیں گے''۔

دادا کی بھٹکتی ہوئی نظر اچانک پہلو کی ایک خاردار جھاڑی کے عقب میں جا کر اٹکی جہاں دو نوجوان ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنی بوسہ بازی میں مگن تھے... دادا ٹھٹک کر انھیں گھورنے لگا تو راہو کی کھلنڈری آواز اسے کھینچ کر اپنے پیچھے لے آئی۔

''بی، میرز، ڈاڈو! اپنی راہ چلتے آؤ''۔

''وہی تو کر رہا ہوں بیٹے، وہ آپ ہی سامنے آ گئے ہیں...''

''تو آنکھیں بند کر لو''۔ دادا کی پوتی نے مشورہ دیا۔

www.taemeernews.com

''مگر آنکھیں بند کر کے اپنی راہ بھی کیسے چلوں؟''

وہ ذرا آگے بڑھ آئے تو انو اسے بتانے لگی ''یہ گے لوگ ہیں ڈاڈو۔ ان کا قول ہے کہ جنس کا نشانہ نسل کی افزائش نہیں ہوتا''۔

''مگر بیٹی، جنسی عقدہ کھلتا تو اسی دم ہے جب بچہ پیدا ہو جائے''۔

''اوڈاڈو! یو آر اے...'' وہ گویا بور کی متعاقب صفت ڈھونڈنے کے لیے رُک گئی۔ ''یو آر اے بِگ ڈارلنگ بور! سمجھتے کیوں نہیں؟ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نسلی بڑھاوے کی للک سے جنسی رشتہ اپورا رہ جاتا ہے''۔

''دادا ٹھوکر کھا کر گرنے لگا تو راہو نے اسے فوراً سنبھال لیا۔

''ایک بات بتاؤں بیٹا؟...'' دادا کو حسبِ عادت پھر صرف سوچ سوچ کر ہی لگ رہا تھا کہ وہ بول رہا ہے۔ ''اگر یہ سب ہوتا تو میرا باپ مجھ سے اور میں تمھارے باپ سے اور تم اپنے باپ سے محروم رہ جاتیں، یعنی کوئی ہوتا ہی نہیں، یا ہوتا تو پتہ نہیں عدم کے ویرانوں میں کہاں اپنی تلاش میں بھٹک رہا ہوتا...''

''ہیومن رائٹس، پپا!'' دادا کی بہو نے اپنے سسر کو سمجھانا چاہا۔

''جو بھی جیسا چاہے کرے، سٹیٹ یا سوسائٹی کو کیوں تکلیف ہوتی ہے؟... ارے! دیکھو، ہم آ گئے!''

دونوں طرف اونچی اونچی باڑھ میں گھری ہوئی پگڈنڈیوں سے برآمد ہو کر انھوں نے اپنے آپ کو ایک طویل و عریض سرسبز میدان کے کنارے کھڑے پایا۔ جہاں ایک وسیع چبوترہ نما اسٹیج کے گرد و پیش بہت سے لوگ چھوٹے موٹے گروہوں میں بٹ کر بیٹھے تھے... نہیں، کئی لیٹے ہوئے بھی تھے... ڈرامہ شروع ہو چکا تھا مگر ابھی تک پہلے ایکٹ کے پہلے سین سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ ڈیسڈیمونا کا باپ برابینشیو اسٹیج سے رہائی دے رہا تھا:

او ہیومن! اوٹریژن آف بلڈ!

فادرز فرام ہینس ٹرسٹ ناٹ یور ڈاٹرز مائینڈز بائی واٹ یو سی دَیم ایکٹ۔

''نان سنس!'' انو نے برابینشیو کی دہائی سن کر اپنے ردِعمل کا اظہار کیا'' کیا یہ بڈھا پاگل ہو گیا ہے ڈاڈو؟'' اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ڈائرکٹ کرنے لگی۔'' آؤ،

www.taemeernews.com

بیٹھنے کے لیے پہلے کوئی جگہ ڈھونڈتے ہیں''۔

میدان میں اترتے ہی چند قدم پر انھیں ایک چھوٹا سا ٹیلہ مل گیا جہاں بیٹھ کر ابھی انھوں نے ٹانگیں بھی نہ پساری تھیں کہ راہو نے تجویز کیا'' پہلے کچھ کھا پی لیا جائے''۔

''مگر بیٹا، ڈرامہ...''

''وہ بھی ساتھ ساتھ چل ہی رہا ہے''۔ اس نے امریکی سرعت سے، پہلے گھاس پر ایک فولڈنگ اسٹینڈ نصب کیا اور پھر بیگ سے خورد ونوش کی اشیاء نکال کر انھیں اسٹینڈ پر سجادیا۔'' ہاتھ بڑھاؤ، ڈاڈو''۔ اس نے سب سے پہلے اپنا ہاتھ بڑھایا ور بیف سینڈوچ ریزہ ریزہ اپنے حلق سے اتار کر پیٹ میں محفوظ کرنے لگا۔'' آپ کے ویجیٹیرین سینڈوچ وہ رکھے ہیں ڈاڈو''۔ اور پھر وہ اسٹیج پر سرسری سی نگاہ دوڑا کر اوتھیلو کے بارے میں سوچنے لگا۔'' ڈاڈو، سبھی گوروں میں وہ اکیلا کالا کون ہے؟ کوئی امریکی نیگرو؟... میں انو دیدی کو سمجھاتا رہتا ہوں، ان کالے ناگوں سے ہمیشہ بچ کے رہو''۔

''شٹ اپ!'' انو نے اپنے بھائی کو ڈانٹا۔'' ناگ سفید رنگ کے بھی ہوتے ہیں''۔

''سفید رنگ کے؟ کیا تم نے کبھی سفید رنگ کا ناگ دیکھا ہے، ڈاڈو؟ سفید رنگ کے ناگ کتنے خوبصورت ہوتے ہوں گے، انو دیدی!''

''مگر دونوں کے زہر کا رنگ ایک سا ہوتا ہے''۔ ایشا نے اپنی رائے دی۔'' مجھے تو بھورے رنگ کے ناگ اچھے لگتے ہیں''۔

''کیا ان میں زہر نہیں ہوتا، ممی؟'' انو نے اپنی ماں سے استفسار کیا۔'' جو سانپ بے زہر ہوتے ہیں، زہر والے سانپ انھیں کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں''۔

''یہ تم نے ٹھیک کہا ہے دیدی۔ اس سانپ کی شان ہی کیا جس میں زہر نہ ہو۔ ہے نا؟''

''میں تو سبھی مردوں کو زہریلے ناگ ہی مانتی ہوں''۔ انو استعارے سے راست بیانی پر اتر آئی۔'' جو ازل سے عورتوں کو ڈستے چلے آرہے ہیں''۔

''ہماری دیدی یہاں فیمینسٹ کلب کی لیڈر ہے ڈاڈو''۔

''بھئی، پہلے مجھے اپنی دال اور ڈال کے چکر سے نکالو''۔ دادا نے راہو سے پوچھا

www.taemeernews.com

''انو کو تم دیدی کہتے ہو اور مجھے ڈاڈو؟''

''کیوں کہ تم ڈاڈو ہو ڈاڈو، اور دیدی، دیدی''۔

''ہاں، واقعی، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ ایک بات بتاؤں؟ اسکول میں میرے ساتھی مجھے ڈڈو کہا کرتے تھے''۔ دادا کے لہجے میں بڑی نرمی آ گئی۔ ''مجھے اچانک لگا ہے جیسے مجھے کسی بڑے پکے پرانے یار نے اتنے سال پیچھے سے آواز دی ہے''۔

''مگر میں تو تمھارے سامنے بیٹھا ہوں ڈاڈو''۔ راہو نے اپنا سینڈوچ اسٹینڈ پر رکھ کر دادا کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ ''ڈاڈو، پھر کب آؤ گے؟''

''تمھاری شادی پر''۔

''شادی پر کیوں؟ شادی تو میری ہوگی''۔

''ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ پھر تم ہی چلے آنا''۔

''نو، ڈاڈو۔ میرا اسکول کا فائنل ایئر ہے۔ اس کے بعد کسی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ہے۔ اس کے بعد...''

دادا نے اپنا منہ اسٹیج کی طرف پھیر لیا جہاں ڈیسڈیمونا ڈیوک آف وینس کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

مائی ہارٹ از سبڈیوڈ
ایون ٹو۔ دا ویری کوالٹی آف مائی لارڈ
آئی سا اوتھیلوز ویسج ان مائی مائینڈ

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''اوتھیلو کی بیوی''۔ دادا انھیں بتانے لگا۔ ''اوتھیلو اس سے از حد محبت کرتا ہے مگر تھوڑی دیر میں تم دیکھو گے کہ ایک ولین اس کے کانوں میں زہر اگل کر کس طرح اسے اپنی نیک اور پاک بیوی سے بدظن کر دے گا''۔

''نیک اور پاک!'' انو نے اپنا تمسخرانہ قہقہہ روکنا ضروری قرار نہ دیا۔

''ہنس کیوں دی ہو، انو دیدی، ڈاڈو نے تو صرف کہانی سنائی ہے''۔

''نہیں، انو نے ٹھیک ہی سوچا ہے۔ مردوں کو اتنا ہی شوق ہے تو خود کو آپ ہی نیک

www.taemeernews.com

اور پاک بن کر ساری عمر گھونگھٹ میں کیوں نہیں گزار دیتے؟''

''اری دیدی، وہ دیکھو میڈم بیلی''۔

وہ سب راہو کی انگلی کی سیدھ میں دیکھنے لگے۔ وہاں اسٹیج کے قریب ایک ادھیڑ عمر عورت اپنے ایک ہاتھ سے شراب کے گلاس اور دوسرے سے ایک نوجوان کو دبوچے گھاس پر نیم دراز تھی۔

دادا کی بہو نے اسے بتایا کہ بیلی ایک بہت بڑے انڈسٹریل کامپلیکس کی واحد مالک ہے۔ ''ایک بار ایک بزنس ڈنر پر امیر کے ساتھ ہمارے گھر بھی آئی تھی''۔

''وہ لڑکا کیا اس کا بیٹا ہے؟''

دادا کی بہو ہنس پڑی ''نہیں رکھیلا ہے۔ خوشحال عورتیں یہاں شوہروں پر تنخواہ دار مرد پراسٹی چیوٹوں کو ترجیح دیتی ہیں''۔

''ابھی تک پیپسی کیوں نہیں نکالا راہو؟''

راہو پیپسی کین نکال کر باہر رکھنے لگا۔ ''مگر ڈاڈو، تمھارے لیے میں پپا کی خاص وہسکی بھی اٹھالایا ہوں۔ یہ دیکھو!'' دادا کو بوتل دکھا کر اس نے ایک گلاس بھی نکال لیا اور اس میں وہسکی انڈیلنے لگا۔

دادا نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''سوڈا بھی لائے ہو؟''

''ہاں اور کیا؟ یہ دیکھو!'' راہو وہسکی میں سوڈا ملانے لگا۔

''ارے بھئی، ہم بھی صرف پیپسی کیوں پئیں؟'' دادا کی بہو بولی۔

''مگر میں ایک ہی گلاس لایا ہوں''۔

''تو کیا ہوا؟ وہسکی کو پیپسی کین میں ہی ڈال دو''۔

''میرے میں بھی''۔ انو نے تقاضا کیا۔

''تو پھر میں اکیلا ہی کیوں رہ جاؤں؟''

''نہیں، راہو، بالکل نہیں!'' راہو کی ممی نے ہدایت کی۔ ''اٹھارہ سال کا ہونے میں تمھارے ابھی پورے ڈھائی ماہ باقی ہیں''۔

''نہیں، تم کچھ بھی کہو، آج تو لے کے ہی رہوں گا''۔

www.taemeernews.com

''ٹھیک ہے، پھر تھوڑی سی''۔

راہو نے آگے بڑھ کر اپنی ماں کا منہ چوم لیا۔''میری وہ گرل فرینڈ ہے نا... سنی، اس نے مجھ سے کہا تھا، تم بہت خوش قسمت ہو راہو، میری ممی تو نری جیلر ہیں مگر تمھاری تمھیں سب کچھ کرنے دیتی ہے''۔

''کیا سب کچھ؟'' دادا کی بہو نے گھبرا کر اسے پرے دھکیل دیا۔

''سب کچھ، یعنی سب ہی کچھ''۔ وہ سبھوں کے پیپسی کے ڈبے کھول کھول کر ان میں وہسکی ملانے لگا۔

دادا نے اپنا وہسکی کا گلاس اٹھا کر اسٹیج کی طرف نگاہ اٹھائی جہاں کیسیو نشے میں اپنے ساتھیوں کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ نشے میں نہیں۔

دِس از مائی رائٹ ہینڈ، اینڈ دِس از مائی لیفٹ ہینڈ

دادا کا ابھی سترواں سال بھی پورا نہ ہوا تھا مگر اس کے حواس بعض اوقات اچانک سلب ہونے لگتے تھے اور اسے سامنے کی بھی سجھائی نہ دیتی تھی، مثلاً اس وقت وہسکی کا ایک ہی گھونٹ اندر اترنے پر وہ اپنے ذہن پر زور ڈال ڈال کر سوچ رہا تھا کہ اپنا گلاس وہ دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہے یا بائیں میں۔ اس نے جھلا کر ایک ہی ڈیک میں گلاس خالی کر دیا۔''او!''

''آہستہ پیو، ڈاڈو''۔ انو نے اس کی طرف سرک کر اپنا بازو پیار سے اس کے کندھے پر ٹکا لیا۔''ٹھیک تو ہو؟''

''ہاں، بالکل ٹھیک ہوں، بیٹا''۔ شاید کیسیو کی لائن اس کے ذہن میں بدستور گونج رہی تھی۔''یہ دیکھو، یہ میرا دایاں ہاتھ ہے اور یہ بایاں''۔ اور پھر وہ خود پر یہ واضح ہو جانے پر مسرت سے چمک اٹھا کہ وہ اپنا گلاس دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔

انو نے وہسکی کی بوتل راہو سے لے لی۔''بس!''

''بس کیوں؟''

''اچھا، ڈاڈو، تھوڑی سی لے لو''۔

''تھوڑی سی کیوں؟''

www.taemeernews.com

واٹ وُ ڈُو ڈُوایور ہیل بَٹ بائی ڈِگریز۔

آئی آگو کے الفاظ کانوں میں پڑنے پر دادا سوچنے لگا کہ ہم تو بتدریج اور زیادہ بیمار ہوتے جا رہے ہیں اور اب مرض کے کلائمکس پر ہماری موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

''ڈاڈو!'' انوا سے بلا رہی تھی۔ ''میری سمجھ تو جواب دے رہی ہے''۔

''تم نے کوئی سوال ہی نہیں پوچھا تو جواب کیا دے گی؟''

''نہیں، ڈاڈو، میں پوچھ رہی ہوں، اگر تم دائیں ہاتھ میں گلاس پکڑے ہوئے ہو تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو جاتا ہے تم ٹھیک ہو؟''

دادا اپنی پوتی کے مستعد ذہن پر جی ہی جی میں خوش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر بولا ''لوگ ایکٹروں کو کتنی بے دھیانی سے سن رہے ہیں''۔

اس کی پوتی نے اسے جواب دیا ''امریکی صرف اپنے اصل کام کی طرف دھیان دیتے ہیں''۔

''وہ اصل کام ہے کیا؟''

''ارے!'' ایکا ایکی راہو نے اسٹیج کی طرف انگلی اٹھا کر اُن تینوں کو مخاطب کیا ''اُدھر دیکھو!''

انھوں نے کیا دیکھا کہ ایکٹروں نے تماشائیوں کا کھیل زیادہ دلچسپ پا کر اپنا کھیل روک دیا ہے اور اسٹیج کے کنارے آ جمع ہوئے ہیں اور بڑی منہمک توجہ سے میڈم بیلی کے تنخواہ دار رکھیلے کو اپنی مالکن کے پورے وجود پر ہانپ ہانپ کر گرتے اٹھتے، گرتے اٹھتے دیکھے جا رہے ہیں۔

اسی دوران بجلی میں شاید کوئی خرابی واقع ہو جانے پر بتیاں اچانک گل ہو گئیں اور دادا کی آنکھوں میں شیکسپیئر کے ڈرامے کا آخری سین گھوم گیا جس میں اوتھیلو دیوانہ وار بولے جا رہا ہے:

پٹ آؤٹ دا لائٹ اینڈ دین پٹ آؤٹ دا لائٹ۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

مہابھارت

پہلا ادھیائے

دروپدی نے مہابھارت کے پاٹھ سے فارغ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ ماتھے پر باندھ لیے اور بڑی خلوص دِلی سے دعا مانگنے لگی۔

''اے بھگوان، ایسی لاج رکھنا جیسی ماتا دروپدی کی رکھی تھی—!''

''تمہارا تو دھندا ہی جسم بیچنے کا ہے، پھر لاج کیسی؟'' اس نے مجھے جواب دیا۔

''اگر آبرو بنی رہے تو جسم بیچنے سے کیا ہوتا ہے؟ میری تو یہی دعا ہے کہ پردے پردے میں میرا دھندا چلتا رہے اور آبرو سے روٹی ملتی رہے—!''

دوسرا ادھیائے

شب گناہ کے بعد جب دروپدی کی پُرنم آنکھ کھلتی تو یوں لگتا جیسے رات کے پچھلے پہر تک یہ عورت ہنس ہنس کر، تھک تھک کر سوگئی تھی اور خواب میں لگاتار روتی رہی تھی اور رو رو کر اس کی ساری تھکن دُور ہوگئی تھی۔

''دروپدی''۔

''ہاں''۔

''کیا تمھیں رو کر آرام ملتا ہے؟''

''ہاں! جب میں روتی ہوں تو میرا بابل میرے سرہانے آ کھڑا ہوتا ہے، میرا کھانڈ را بھائی بھی دیواروں سے نکل کر میرے سر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور یہ راحت آگیں

www.taemeernews.com

یادیں رونی کے گالوں کی طرح میرے گرم گرم آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں اور میرے دل کے زخم دھونے لگتی ہیں''۔

''پھر تم اپنے آپ سے چھپ کر کیوں روتی ہو؟''

''اس لیے کہ مجھے کہیں اپنے خریداروں پر باپ بھائی کا گمان نہ ہونے لگے''۔

تیسرا ادھیائے

''دروپدی''

''کہو''۔

''میری ایک بات مانو گی''؟

''کہو''۔

''یہ دھندا چھوڑ دو''۔

''کیوں—؟''

''جب کسی کی میلی نظر تمھارے گورے گورے رُوپ پر پڑتی ہے تو میں آپے سے باہر ہو جاتا ہوں''۔

''روپ گورا لگتا ہی اس وقت ہے جب نظر میلی میلی ہو۔ بھگوان کرشن نے کہا ہے کہ...''

اور اسے یاد آیا کہ وہ تو مہابھارت پڑھنے بیٹھی تھی، اور اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے میری طرف سے منہ موڑ لیا۔

چوتھا ادھیائے

مہابھارت دروپدی کی من بھاتی دھارمک پُستک تھی۔

''زندگی ایک یُدھ ہے''۔ وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔ ''اگلے وقتوں میں لوگ تلواروں سے لڑا کرتے تھے مگر آج کل دشمن کے خون سے تلواریں نہیں رنگی جاتیں، مسکانیں رنگی جاتی ہیں—ہاں، آج کوئی بیری سامنے آ کھڑا ہو تو اسے بس ایک مسکراہٹ سے ہی جیت کر لیا

www.taemeernews.com

جاتا ہے''۔

مسکرا مسکرا کر اس نے مجھے پچھاڑ دیا۔

''اور اس کا کارن یہ ہے کہ آج کل سب ایک دوسرے کے بیری ہیں۔ سبھی لوگ بیری ہوں تو آدمی یا تو بم گرا کر ساری دنیا کو ایک دم ختم کر دے، یا ہنستے ہنستے ایک ایک کو''۔

اس کے لہجے میں یک بیک رزمیہ عزم سے تناؤ آ گیا ''جب تک سارے سنسار کا نشان نہیں مٹ جائے گا، ہم اسی طرح اپنے بھائیوں اور دوستوں کو پھسلا پھسلا کر ان کا ناش کرتے رہیں گے— نہیں!'' وہ اپنے آپ کو درست کرنے کے لیے ذرا رک گئی ''ہمارے کوئی بھائی اور دوست نہیں— بھگوان کرشن نے ارجن کو اُپدیش دیا تھا کہ تیرا کوئی بھائی نہیں، کوئی چچا نہیں، کوئی مِتر نہیں، تیرا کوئی نہیں، کوئی کسی کا نہیں،— کوئی کسی کا نہیں—''

لیکن اس کے خیال کا بہاؤ اچانک ایک نشیب کی طرف مڑ گیا اور اس کی آواز تیز رو ہو گئی۔

''بھگوان کرشن مہان ہیں، وہ میرے سوامی ہیں۔ ایک بار وہ سوئے پڑے تھے کہ ارجن اور دریودھن یُدھ میں ان کے سہیوگ کے لیے آئے۔ ارجن پائینتی بیٹھ گیا اور دریودھن سرہانے۔ جب بھگوان کی آنکھ کھلی تو ارجن سے کہنے لگے، پہلے میں نے تمھیں دیکھا ہے، بتاؤ میری ساری سینا لینا چاہتے ہو یا صرف مجھے؟ دریودھن گھبرا گیا کہ کہیں ارجن سینا نہ مانگ لے، لیکن ارجن نے بلا جھجک کہا، بھگوان صرف آپ کو!''

شردھا سے دروپدی کی آواز گویا گنگا میں غوطے کھا کھا کر اپنے گناہ دھو رہی تھی۔

''مہابھارت کے اس ادھیائے پر پہنچ کر میرا من بھی ہمیشہ ارجن کے ساتھ ساتھ بول اٹھتا ہے، بھگوان، صرف آپ کو! مجھے پوری سینا نہیں چاہیے، آپ مجھے صرف اپنا آپ دے دیجیے!''

میں سوچنے لگا کہ دروپدی بھی دریودھن کی طرح بھگوان کے سرہانے آ بیٹھی ہوگی، اسی لیے اس کے مقدر میں مردوں کی ساری فوج لکھی گئی۔ اگر اسے ایک بھگوان مل جاتا تو وہ بھی کسی سہاگن کی طرح جیون کا رن جیت لیتی۔

www.taemeernews.com

آج شام کو اپنے دھندے پر نکلنے کی بجائے وہ بھگوان کرشن کی آرتی اُتارتی رہی۔

پانچواں ادھیائے

دوسرے دن صبح کو بھی دروپدی بھگوان کرشن کی آرتی اُتار رہی تھی۔ اس کا دُھلا ہوا گول، سفید چہرہ چاندی کے بے داغ تھال کی طرح چمک رہا تھا اور آنکھیں گھی سے بھرے ہوئے دو چراغوں کی طرح جل رہی تھیں۔

کئی دن سے میں دروپدی سے متعلق بہت سوچنے لگا تھا۔

''شاید—شاید—!'' میں اپنا سر جھٹک دیتا۔ ''نہیں، یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے اس سے محبت نہیں۔ محبت تو کچھ اور ہی ہوتی ہوگی''۔

''آج صبح کام پر جانے کی بجائے میں نے اپنا منہ اس کے گھر کی جانب موڑ لیا اور راستے میں اپنے آپ کو سمجھاتا رہا۔ ''یہ محبت نہیں، میرے دل و دماغ کی ایک بے چین عادت ہے اور میں—''

وہ آرتی اتارتے ہوئے بھگوان کو پکار پکار کر، گا گا کر بلا رہی تھی۔

''تم سوامی، میں مورکھ!''

میں ایک طرف بیٹھ گیا اور محسوس کرنے لگا کہ میں ہی اس کا سوامی ہوں۔ اس کا بھگوان ہوں جسے نیکی کے رسمی تصور نے پتھر کی ایک بھلی سی مورت میں ڈھال رکھا ہے۔

''تم سوامی، میں مورکھ!''

یہ آواز؟— گویا پاپ پُن میں منہ چھپا کر اپنا گلا گھونٹ لینا چاہتا ہو!

''دروپدی!'' (کیا پتھر کی مورت بول سکتی ہے؟)

وہ میری طرف متوجہ نہ ہوئی، گویا کھوج کھوج کر اسے اب اپنی کھوئی ہوئی شے کی پہچان بھی نہ رہی ہو۔

تم سوامی، میں مورکھ!

آرتی ختم کر کے وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

''آج کام پر نہیں گئے—؟''

www.taemeernews.com

''نہیں — میں — ایک بات کہوں دروپدی؟ — میں تم سے پریم کرتا ہوں''۔

''کیا اسی لیے کام پر نہیں گئے؟''

''دروپ —''

''نہیں تم مجھ سے پریم نہیں کرتے، اپنی اِچھا سے پریم کرتے ہو''۔

''دروپدی، آؤ شادی کرلیں''۔

''بڑے بھولے ہو۔ شادی بھی ہم کسی منشیہ سے نہیں کرتے، کریں تو اپنی اِچھاؤں سے ہی کرتے ہیں''۔

''دروپدی —''

''پریم اور بیاہ کی باتیں صرف کنواریوں کا جی بہلانے کے لیے کی جاتی ہیں۔ رنڈی پر ایسی باتوں کا کیا اثر ہوگا — ؟ تم بھلے آدمی ہو، میرے پاس چلے آتے ہو، یہی کافی ہے — جاؤ، اب تم کام پر جاؤ''۔

میں اس کی طرف ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔

''جاؤ معاملہ اتنا گمبھیر نہیں۔ مزے سے کام پر جاؤ اور لوٹو تو سیدھے یہیں چلے آنا، آج میں تمھاری دُلہن کے سارے کرتوپ نبھاؤں گی''۔

چھٹا ادھیائے

آج کی رات!

ساری رات میرے ذہن میں ان گنت بتّیوں کی روشنی جگمگاتی رہی اور فضا باجوں کے سُروں کو اپنے سینے پر اُچھال اُچھال کر بے حال ہوگئی۔

پھر میں نے اپنی دُلہن کا گھونگھٹ اٹھایا، میرا نصیب کھول گیا، باچھیں کِھل گئیں!

یہ دروپدی تھی، سرتاپا دُلہن، میری ایک رات کی دلہن!

''دروپدی، تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟''

دروپدی مسکرانے لگی۔

''تمھاری دلہن ہی تو ہوں''۔

www.taemeernews.com

''نہیں، میں بڑے سچے من سے کہہ رہا ہوں''۔

''تم جھوٹ بولتے ہو تو مجھے بہت بھلے معلوم ہوتے ہو، مگر شاید تم جھوٹ بھی نہیں بول رہے، ہمارا جیون نام ہی پَل پَل کی آشاؤں کا ہے''۔ اس نے اپنی رنگ برنگی چوڑیوں والا ہاتھ میرے کندھے پر ٹِکا لیا۔

''یقین کرو دروپدی، میں تمھیں ساری زندگی کے لیے اپنی دُلہن بنانا چاہتا ہوں''۔

''دُلہن، ایک ہی رات کی دُلہن ہوتی ہے میرے دولہے، تمھیں بچوں کی ماں سے دلچسپی ہے یا دُلہن سے؟—''

ساتواں ادھیائے

''ایسی لاج رکھنا اے بھگوان، جیسی ماتا دروپدی کی رکھی تھی—''!

''دروپدی، ماتا دروپدی کے پانچ خاوند تھے؟''

''ہاں—پانچوں پانڈو ماتا دروپدی کے پتی تھے''۔

''عجیب قصہ ہے؟''

''ہاں، جب راج ماتا کُنتی جی کو یُدھشٹر جی نے بتایا کہ وہ ایک بڑی انوکھی چیز لائے ہیں تو راج ماتا نے کہا، بیٹا! اس شے کو پانچوں بھائی آپس میں بانٹ لو۔ آ گیا کاری پُتر اپنی ماں کی آ گیا کیسے ٹال دیتے؟ انھوں نے دروپدی میّا کو آپس میں بانٹ لیا اور دروپدی ماتا چُپ چاپ ان میں بٹ گئی''۔

''اور یہ اس کی لاج کا کیا قصہ ہے؟''

''ایک دفعہ پانڈوؤں سے بھول ہوگئی اور کرشن بھگوان نے دروپدی میّا کی رَکشا کی''۔

''کس طرح—؟''

''اسے ننگا ہونے سے بچائے رکھا''۔

www.taemeernews.com

آٹھواں ادھیائے

لیکن اس دروپدی کو برہنگی سے بچانے کے لیے کوئی کرشن آسمان سے نہ اُترا۔ ایک بار کئی دن بعد جب میں اس کے گھر میں داخل ہوا تو وہ بڑی زرد، مایوس اور پریشان نظر آرہی تھی۔

''کیا بات ہے؟''

''میں— کل یہاں سارا محلّہ ٹوٹ پڑا۔ پولس بھی آئی''۔

''ہوا کیا؟''

''وہی جو ہونا تھا۔ میں نے کئی بار تمھارے بارے میں سوچا مگر تم شریف لوگ جان بوجھ کر رنڈیوں کو اپنے ٹھکانوں کا پتہ نہیں لگنے دیتے''۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

''آخر ہوا کیا؟''

''محلے والوں کو پتہ چل گیا ہے کہ پیشہ کرتی ہوں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ غریب، بے سہارا عورت بے کار کیسے رہ سکتی ہے؟ بے چاری پیشہ نہ کرے تو اپنے بچے کو بڑا کیسے کرے گی؟''

''بچے کو—؟''

''ہاں، بچے کو! میں اپنے بچے کی ماں ہوں۔ وہ مسوری میں پڑھتا ہے، وہیں رہتا ہے۔ میں اپنا پیٹ تو کاٹ سکتی ہوں لیکن اس کا کیا کروں؟ پیشہ نہ کروں تو—''

تمھارا بچہ بھی ہے؟''

''ہاں، اور تمھارا بھی!''

''میرا؟!'' میں گھبرا گیا۔ ''میرا سمبندھ تو تم سے صرف دو سال سے ہے؟''

''تمھارا نہیں تو کسی اور کا ہوگا! نہ جانے کس کا ہے؟ لیکن میرا تو ہے ہی۔ مجھے اپنی رُسوائی کی تو پروا نہیں— (ایسی لاج رکھنا جیسی ماتا دروپدی کی رکھی تھی!) لیکن میرے جگنو کا کیا بنے گا—''؟

ساری دنیا گویا کوروؤں کی طرح اس کا چیر اتارتی رہی اور وہ سر جھکائے کروکشیتر کو لال لال دھرتی پر اپنے جگنو کا خون سونگھتی رہی۔

''میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا بھی مجھے ننگا دیکھ لے۔ میرا بیٹا—''

www.taemeernews.com

اس کی غمناک خاموشی جیسے اپنی ساری نسل سے مخاطب ہو۔

''میں ننگی نہیں ہوں''۔لیکن وہ تھی تو ننگی ہی''!

ایک تھامنا جگنو بُجھ کر بھی اپنی ماں کی برہنگی کو کیسے ڈھانپ لیتا؟ لاچاروں کی آبرو کا مذاق اُڑانے کے لیے تو سنسار میں مصنوعی روشنیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

دروپدی مایوس کھڑی رہی، بالکل ناامید کہ اس کے لاتعداد شوہروں میں سے ایک بھی آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داری سنبھال لے گا۔ اپنے بھگوان سے بھی مایوس، کہ اس کا روپ بھی مرد کا سا تھا!

پراچین بھارت کی دروپدی مایا کے صرف پانچ خاوند تھے۔لیکن یہ پانچوں پانڈو نیک، بہادر اور سیدھے سادے تھے اور دروپدی مایا کا بھگوان بھی اس کے ساتھ تھا، ایسی حالت میں استری کے لیے اپنی آبرو سنبھالنا مشکل ہی کیا ہے؟

دروپدی نے اپنا جُھکا جُھکا سر میری طرف اٹھایا اور شکست خوردہ آواز میں گویا ہوئی۔

''میں اکیلی اپنی آبرو کی یہ مہابھارت کیسے جیت سکتی ہوں؟''

◆◆◆

www.taemeernews.com

تمنا کا دوسرا قدم

کستوری لعل براہمن کو یکلخت یاد آیا ہے کہ یہ وقت تو لندن کے بھارتیہ چینل پر رامائن شروع ہونے کا ہے۔ اس نے لیٹے لیٹے سرعت سے ہاتھ پیچھے کر کے بستر کی بالائی پشت سے ٹی۔ وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھایا ہے۔ مگر کنٹرول کا بٹن دبنے پر اسکرین پر بی۔ بی۔ سی آ گیا ہے۔ اس نے بٹن دوبارہ دبایا ہے، مگر تصویر نہیں بدلی ہے۔ ٹی۔ وی مکینک نے اسے چند ہی روز پیشتر سمجھایا تھا کہ وہ ہر چینل سیٹ کرنے کے بعد یادداشت کا بٹن ضرور دبایا کرے، مگر وہ ہمیشہ بھول جاتا ہے کہ یادداشت کا بٹن کون سا ہے۔ یہ تو ٹیلی ویژن کا بٹن ہے، اسے تو خود اپنی یادداشت کے بٹن کا بھی علم نہیں۔ اس کی بیوی کو مرے کئی سال ہو گئے ہیں۔ لیکن اب بھی اپنی قمیص کا کوئی بٹن ٹوٹا ہوا پا کر وہ اسے بے اختیار پکارتے ہوئے کمرے سے اس طرح باہر نکل آتا ہے، گویا اس کی لیلاوتی کچن میں جوں کی توں بیسن کے سامنے کھڑی جوٹھے برتن دھو رہی ہوگی... ''ارے بھئی، یہ دیکھو... میرا بٹن ٹوٹ گیا ہے''۔

''تمھارے دشمنوں کا بٹن ٹوٹے...'' لیلاوتی اپنے شوہر کی ہر چھوٹی بڑی مصیبت اس کے دشمنوں کے کھاتے میں ڈال دیتی تھی... ''لاؤ، میں ابھی نیا بٹن لگائے دیتی ہوں''۔

مگر اب تو لیلاوتی کی بجائے کچن میں مسز ڈ برتن دھو رہی ہوتی ہے۔ وہ ہنس کر اسے جواب دیتی ہے... ''کئی بار کہہ چکی ہوں، مجھ سے ہندوستانی میں مت بولا کرو''۔

''کیا بولوں، مسز ڈ؟ میری انگریزی بھی تو تمھاری سمجھ میں آسانی سے نہیں آتی''۔

''کچھ نہ کچھ تو آ جاتی ہے''۔

تین چار سال پہلے کستوری لعل براہمن کی اکلوتی اولاد، امرت لعل براہمن اپنی میم

www.taemeernews.com

اور اس کے گزشتہ شوہر کے دو بچوں کے ساتھ اپنے الگ فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا۔ بیٹے کی رائے پر ہی براہمن نے اپنے تھری بیڈروم فلیٹ کا ایک روم... یہ تیسرا ماسٹر بیڈروم براہمن نے اپنی روز افزوں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بعد میں بنوایا تھا... مسز وڈ کے پاس اٹھا دیا تھا اور ادھیڑ عمر مسز وڈ اور بوڑھا براہمن چند ہی ماہ میں اتنے گھل مل گئے تھے کہ مسز وڈ کو وہ اپنے مرحوم شوہر کے مانند لاچار سا معلوم لگا اور ممتا کی ماری نے اس کے کھانے پینے کے انتظام کی ذمہ داری رضا کارانہ اپنے سر لے لی، اور براہمن بھی اس سے کرایہ وصول کرنا ایسے بھول گیا کہ کبھی یاد بھی آجاتا تو وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگتا... مسز وڈ سے کرایہ مانگوں؟... اپنی مسز وڈ سے...؟

''مسز وڈ، تمھارا کھانا صاف ستھرا تو بہت ہوتا ہے''۔ براہمن اس سے مذاقاً کہا کرتا۔ ''مگر بڑا پھیکا ہوتا ہے''۔

''میرا جیکل بھی چٹخارے کا مارا ہوا تھا''۔ وہ اپنے شوہر کو اسی نام سے یاد کرتی تھی۔ ''اسی لیے ہمارا کچن اسی نے سنبھال رکھا تھا۔ تمھیں تو میرے کام سے لوٹنے تک ٹیبل پر چائے تیار رکھنا بھی کھلتا ہے''۔

''دراصل ہماری عورتیں ہمیں بگاڑ دیتی ہیں مسز وڈ''۔

مگر براہمن کی سورگیہ پتنی اس کے کچن میں ہاتھ بٹانے پر اصرار کرتی تو وہ اسے دوٹوک جواب دیتا، گھر کا کام صرف تمھارا کام ہے، یا پھر میرے بینک کا کام تم سنبھال لو اور تمھاری بیوی بن کر کچن میں لیے لیتا ہوں... پر اب تو وہ کام وام سے ریٹائر ہو کر گھر میں پڑا رہتا ہے۔ دفتر تو مسز وڈ جاتی ہے... وہ ہنس دیتا ہے... مسز وڈ تمھاری بیوی تھوڑا ہی ہے... وہ تو... وہ تو... وہ اپنی سوچ پر خجل سا ہوا ٹھتا ہے... اپنی مسز وڈ سے کرایہ مانگوں...؟

ٹی۔وی میں بی بی سی چینل بدستور چل رہا ہے اور اسکرین پر چند ایک انگریزوں کی تصویریں برٹش وے آف لائف پر اتنی منہمک سرگرمی سے بحث کیے جا رہی ہیں جیسے اپنی باتیں اوروں کو سنانے کے بجائے انھیں خود آپ ہی سننا ہوں۔

براہمن نے ساری عمر لندن میں بتا دی ہے، مگر اسے ہمیشہ یہی معلوم ہوتا رہا ہے کہ انگریز اسے کوئی سچ مچ کا آدمی نہیں سمجھتے... بس کوئی ہے جو آدمی جیسا دِکھتا۔ وہ بھی یہی سمجھتا

www.taemeernews.com

رہا ہے کہ انگریز اپنا ہو بہو آپ ہونے کی بجائے محض اپنی تصویریں ہیں...نہیں مسز وڈ کی بات کچھ اور ہے۔ اس کے جھریاتے چہرے میں تو ہمارے گاؤں کے میٹھے بیر لٹک رہے ہوتے ہیں۔

کستوری لعل براہمن کا گاؤں سبھوں کے منہ پر بیر والا گاؤں کے نام سے ہی چڑھا ہوا تھا۔ گاؤں کے بوڑھوں کی بددعائیں بھی یوں ہی تھیں، تیری بیری سوکھ جائے، اور دعائیں بھی یوں ہی... تیری بیری ہری بھری رہے۔ ہر گھر کے کچے آنگن میں بیری کی شاخیں مٹی کی دیوار سے اوپر اٹھ اٹھ کر پڑوسی کے گھر میں جھک آئی ہوتیں اور بچے بالے گھروں کے اندر ہی اندر شاخوں سے کود کر ایک دوسرے کے پاس جا پہنچتے، اور کبھی باہری دروازوں سے نکل پڑتے تو ان کی مائیں فکرمند ہو ہو کر ان کے انتظار میں آدھی ہونے لگتیں... ہائے، تالاب اتنا چڑھا ہوا ہے، مر گئے، کہیں وہیں نہ جا پہنچے ہوں!

کستوری کی ماں نے تو اسے گاؤں کے تالاب میں ڈوبنے سے بچا بچا کر اونچا کیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اونچا ہو کر وہ سمندر میں جا ڈوبے گا؟ اپنے کسی دوست کے ساتھ کام کی تلاش میں ایک بار جو وہ گھر سے باہر نکلا تو باہر ہی باہر دھرتی کے کنارے تک آ پہنچا اور یہاں بمبئی میں بھی کام نہ ملا تو بلا جھجک سمندر میں اتر گیا۔ لندن سے اس کے گاؤں کے ہی ایک پرانے دوست رحمت اللہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ ایک بار ہمت کر کے یہاں پہنچ جاؤ اور باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ سو، جو ہو سو ہو، کہہ کر کستوری لعل براہمن بڑے اتھلے پن سے گہرے پانیوں میں جا ڈوبا اور کنارے پر آ لگنے کے بعد حواس ذرا بحال ہوتے ہی جب اسے پیروں کے نیچے خشکی کی پختہ سطحوں کا احساس ہونے لگا تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی نئی نویلی دلہن لیلاوتی اور بیٹے امرتی... امرت لعل اس کی روانگی کے بعد پیدا ہوا تھا اور اس نے ابھی تک اس کا منہ بھی نہ دیکھا تھا... اور بوڑھے ماں باپ کو اپنے پاس وہیں بلا لے۔ لیلاوتی اور امرتی تو اس کے پاس آ گئے مگر اس کے ماں باپ کے لیے تو لندن ایک سنی سنائی جنت کا نام تھا، چنانچہ وہ اپنے بیٹے کو ڈھیروں دعائیں بھیج کر اپنی موت کے انتظار میں وہیں گھر کی سوکھی بیری تلے پڑے رہے اور ماننے والی بات تو نہیں، تاہم جب اپنی بہو اور پوتے کی روانگی کے چند ہی ماہ میں انھوں نے یکے بعد دیگرے دم توڑ دیا تو کستوری لعل

www.taemeernews.com

براہمن کو اپنے لندن کے ایک کمرے کے کرایے کے فلیٹ میں نہ صرف ان کی پرچھائیاں دکھائی دینے لگیں، بلکہ بعض اوقات ان کے کھانسنے کی آوازیں بھی سنائی دیتیں۔

کستوری لعل براہمن اپنے بستر پر سر جھکائے بیٹھا ہے اور ٹی۔ وی۔ اسکرپٹ پر ایک انگریز طیش میں آکر اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا ہے، آپ کس برٹش وے آف لائف کی بات کر رہے ہیں؟ جس نے ہماری سڑکوں پر افریقیوں اور ایشیائیوں کی بھیڑ سے گھبرا کر عقبی گھروں میں جا پناہ لی ہے...؟

براہمن کی عادت ہو چکی ہے کہ غصہ آنے پر بس ایک ذرا سا ہنس دے۔ عجیب قوم ہے! چالیس پینتالیس سال پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو اس وقت بھی ان لوگوں نے یہی راگ الاپ رکھا تھا... ارے بھئی! تمھارا برٹش وے آف لائف ہم سے خواہ مخواہ بدکتا ہے۔ مزے سے پھلتا پھولتا رہے، ہمارا اس سے کیا جھگڑا؟ ہم تو روٹی کی تلاش میں بھٹک بھٹک کر تمھارے راستوں میں آپہنچے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہمارے باپ دادا تمھاری روٹی توڑتے تھے اور یہاں اب تمھارے ملک میں ہم... وہ پھر پھیکے پھیکے ہنس دیا ہے... تم سمجھتے کیوں نہیں؟ ہم تو پیٹ بھر کر اپنی بھدی سی انگریزی میں تمھارا شکریہ ادا کرنے کے لیے منہ کھولتے ہیں، اور نہ معلوم کیا اول فول بک جاتے ہیں جو تمھیں اپنے وے آف لائف کے تعلق سے خطرہ لاحق ہونے لگتا ہے۔

اسی موضوع پر اکثر مسز وڈ کو اپنی قوم کی امن و آشتی کی خو کا یقین دلاتے ہوئے وہ اپنا کھانا بھی بھول جاتا ہے۔ مسز وڈ کو اس پر ترس آنے لگتا ہے۔ ''کھاتے ہوئے بولا مت کرو کستوری، صرف کھایا کرو''۔

''منہ صرف کھانے پینے کے لیے نہیں بلایا جاتا چوبی''۔ وہ ایک دوسرے کو آج کل پہلے نام سے ہی بلایا کرتے ہیں۔ ''آدمی کے بولنے کی بھوک بھی پوری ہونا چاہیے، نہیں تو وہ سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے''۔

کستوری لعل براہمن کو بی۔ کام۔ کے آخری سال میں اپنی یونیورسٹی کے ایک آرینوریکل کانٹسٹ میں سب سے اچھا بولنے پر گولڈ میڈل ملا تھا، جس کا ذکر اس نے ہندوستان میں اپنی نوکری کی ہر درخواست میں خاص طور پر کیا تھا، مگر نوکری چپ چاپ کوئی

www.taemeernews.com

اور چرا لے جاتا۔ بھلا ہو رحمت اللہ کا، جس کی بدولت وہ انگلینڈ میں پاؤں جمانے میں کامیاب ہو پایا۔ رحمت اللہ اسے ہر انٹرویو پر تنبیہ کر کے بھیجتا کہ بڑی بڑی باتیں مت بنانا، بس اتنا اور ایسے ہی بولنا جتنا اور جیسے ضروری ہو۔ اس مانند دوسرے تیسرے انٹرویو میں ہی اسے اپنے بینک میں جونیئر اسسٹنٹ کیشیئر کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا جہاں وہ کیشیئر بن کر باعزت ریٹائر ہوا اور اب نہ صرف بینک کی بلکہ سیکورٹی پنشن پر بھی ٹھاٹ سے اپنے ذاتی فلیٹ میں رہ رہا ہے۔

''مگر کیا خاک ٹھاٹ سے...؟''

جس دن وہ اپنے بینک سے ریٹائر ہوا، اسی دن اس کی لیلاوتی کو سینے میں جو درد اٹھا تو ہزار جتن کے باوجود قابو میں آنے میں نہ آیا اور بالآخر پتہ چلا کہ لیلاوتی کو پھیپھڑوں کا کینسر ہے اور چوں کہ مرض اپنے آخری مرحلے پر آن پہنچا ہے اس لیے دعاؤں کے سوا اب کوئی اور کارگر علاج ممکن نہیں۔

''کیا تمھاری بیوی نے پچھلے دو ایک سال میں کبھی درد کی شکایت نہیں کی؟'' ڈاکٹر متعجب تھا کہ مرض تو شروع سے ہی شروع ہو کر دھیرے دھیرے آخری اسٹیج تک پہنچا ہوگا۔

''ہماری چھوٹی موٹی تکلیف پر بھی اس کی جان نکل جاتی ہے، مگر...''

برٹس ڈاکٹر نے براہمن کو ٹوک دیا ''ہر کسی کی جان اس کی اپنی تکلیف پر ہی نکلتی ہے مسٹر...آئی ایم ساری!...ڈونٹ میک اے پائس کنفیوژن...''

واقعہ یہی ہے کہ لیلاوتی کے مرض کی تشخیص سے پہلے کا تمام عرصہ براہمن نے پارسائی گومگو میں ہی بتایا۔ کبھی کبھی لیلاوتی کے چہرے پر مسکراہٹوں کے دردناک دباؤ کے باعث وہ اندیشوں میں تو گھر جاتا تھا، تاہم سر جھٹک کر وہ اپنے شک کو وہم پر محمول کرنے لگتا اور اس کے سامنے بینک کا کوئی نیا قصہ چھیڑ دیتا۔

آخری دنوں میں براہمن بیوی کو اسپتال سے گھر لے آیا۔ لیلاوتی کو اب چوبیس گھنٹے سیڈے ٹویز پر رکھا جا رہا تھا اور پھر بھی وہ درد کی تاب نہ لا پاتی تو پیتھیڈین کا انجکشن دے کر اسے سلا دیا جاتا۔ اس دوران ان کے فلیٹ میں براہمن کی ماں کا سایہ منڈلاتا رہا۔ لیلاوتی انجکشن لگوا کر سوئی پڑی ہوتی یا اگر جاگ رہی ہوتی تو اس پر سخت غنودگی طاری ہوتی

www.taemeernews.com

اور وہ اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے لبالب بھر کے اس کی پائینتی بیٹھا ہوتا اور اس کی ماں کے سائے میں اس کا سچ مچ کا ہاتھ برآمد ہو کر اس کی پیٹھ سہلا رہا ہوتا اور اس کے کانوں میں ماں کی آواز بھر رہی ہوتی۔ ''حوصلہ رکھو بیٹے... سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

سب ٹھیک ہو گیا اور اس کی لیلاوتی جس کے منہ سے ہنسوڑ صدائیں گری پڑتی تھیں، خواب ہی خواب میں درد سے بلبلاتے ہوئے چل بسی... اس کا بیٹا...؟ پہلے اس کی کہانی تو سن لیجیے... جب اس کی ارتھی کو لے جانے کے لیے وین میں رکھا گیا تو وین کی اگلی سیٹ پر افریقی ڈرائیور کے ساتھ اس کا ایک پاکستانی شریک کار بیٹھ گیا اور وہ پیچھے ارتھی کے پہلو میں اور وین دھچکے سے اسٹارٹ ہو کر ہوا سے نہ جانے کیا باتیں کرنے لگی اور اڑوس پڑوس میں بھی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ کوئی مر گیا ہے... یا پھر: بیوی کو کینسر تھا اور بوڑھے سے اتنا بھی نہ ہوا کہ علاج کے لیے رپورٹ کر دے... چ... چ... نہیں، یہ لوگ اسی طرح ہوتے ہیں... ہاں، دِکھتے ضرور ہماری طرح ہیں پر ہماری طرح نہیں ہوتے... تمھیں کیا لینا دینا ہے... آؤ...!

بی۔ بی۔ سی چینل کی بحث میں بھی ایک اسپیکر اپنے ساتھیوں کو یہی بتا رہا ہے کہ ان کالے پیلے لوگوں کو انہی کی کالی پیلی قدروں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

''مگر انسان کی بنیادی قدروں میں تو کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا''۔ براہمن نے بولنے والے کے لہجے سے محسوس کیا کہ وہ کوئی غیر ملکی یورپی ہے۔

''ہوتا ہے۔ کسی انتھروپالوجی کے اسٹوڈنٹ سے پوچھ کر تسلی کر لیجیے''۔

''میں آپ کی یونیورسٹی میں اینتھروپالوجی ہی پڑھاتا ہوں''۔

براہمن نے بور ہو کر سوچا ہے، بھارتیہ چینل پر جب بی۔ بی۔ سی آ گیا ہے تو شاید بی۔ بی۔ سی پر بھارتیہ چینل کی رامائن آ رہی ہو، لیکن بی۔ بی۔ سی پر بی۔ بی۔ سی ہی آ رہا ہے اور وہاں بھی وہی لوگ اپنی بحث جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی گوری چٹی شکلوں پر آنکھیں جمائے براہمن کو خیال آیا ہے کہ لیلاوتی کہا کرتی تھی... یہ تم نے مجھے کہاں ان فرنگیوں میں لا بٹھایا ہے... سبھی ایک جیسے لگتے ہیں... کسی ایک سے ملتے ہوئے لگتا ہے کسی دوسرے سے مل رہے ہیں... براہمن کو اپنی بیوی کی باتیں بھی اس کے پکوان کی طرح بڑی مزیدار لگتی

www.taemeernews.com

تھیں...'' جانتے ہو فرنگی اتنے گورے، اتنے کورے کیوں لگتے ہیں؟''

'' کیوں؟''

'' کیوں کہ وہ صرف سوچتے ہیں۔ محسوس بھی کریں تو ہماری طرح پک پک کر بھورے ہو جائیں، ان کی الگ الگ شکلیں نکل آئیں۔ پچھلے ہفتے ہماری پڑوسن کی لڑکی اپنے اسکول کے ایک لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی۔ میری شامت جو آئی تو اس سے ہمدردی کرنے جا پہنچی۔ اس نے مجھے اپنے دروازے پر ہی روک دیا اور پوچھنے لگی، کس سے ملنا ہے؟... ایسے بے مہر لوگوں کی کوئی پہچان کیسے بنے؟''

کیا فائدہ؟... براہمن نے ٹھنڈا سانس بھرا ہے۔ جو اتنی گاڑھی پہچان بنا لیتے ہیں وہ بھی کہاں رہ جاتے ہیں؟

جونیئر اسسٹنٹ کیشیئر اپنے بینک میں کرنسی نوٹ گن گن کر شام کو بہت لیٹ گھر پہنچتا اور چوں کہ اوور ٹائم کے ہر گھنٹے کا ڈبل معاوضہ ملتا تھا، لہٰذا وہ لیٹ چھٹی ملنے کا برا نہیں مانتا تھا، مگر گھر پہنچتے پہنچتے وہ بہت تھک جاتا تھا اور رات کو جب اس کی بیوی اپنی دُھن میں اسے دن بھر کے گھریلو قصے سنا رہی ہوتی تو اچانک اسے خراٹے بھرتے ہوئے پا کر اپنا سر پکڑ کر رہ جاتی، تاہم اسے بخوبی احساس ہوتا کہ اس کا مرد سوتے میں بھی اسے بڑے دھیان سے سن رہا ہوتا ہے۔ کئی دفعہ وہ اسے غصے میں جھٹک کر جگا بھی دیتی، مگر وہ اس کی تسلی کی خاطر اس کی ساری کہانی جوں کی توں سنا دیتا، اور وہ اسے ہنس کر متنبہ کرتی، ٹھیک ہے، ابھی تو تھکے ماندے گھر لوٹتے ہو، پر ریٹائرمنٹ کے بعد سارا دن اور ساری رات تمھیں اپنے سامنے بٹھا کر اپنی باتیں سنایا کروں گی۔

کستوری لعل براہمن کو لیلاوتی اپنے باتونی پن کے باعث بھی بہت محبوب تھی۔ اس نے اپنے ریٹائرمنٹ کے سارے دنوں کو برٹش پونڈوں کے نوٹوں کی طرح گن گن کر، انھیں ماہ و سال کی گتھیوں میں باندھ باندھ کر بڑے قرینے سے اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر رکھا تھا، مگر ایک وہ ہی نہ رہی تو عمر بھر کی جوڑی ہوئی یہ پونجی وہ کیسے خرچ کرتا؟ کس کے لیے؟۔

اس کا بیٹا، امرٹ لیل بریمن... بریمن کو بچپن میں سب پیار سے امرتی کہہ کر بلایا

www.taemeernews.com

کرتے تھے... امرتی کی طرح کی گول مٹول، رس بھرا، میٹھے اور مکھن میں لت پت، جو بھی اسے دیکھتا، بے اختیار منہ کی طرف بڑھائے چلا جاتا۔ وہ ماں کی گود میں لیٹے لیٹے ہی باپ کے پاس لندن آ پہنچا تھا۔ اس قدر خوب رو اولاد کو بازوؤں میں لپیٹ کر براہمن نہال ہو گیا تھا، مگر جھٹ ہی یہ سوچ کر بے حد اداس بھی کہ اس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کے منہ سے امرتی کو چھین لیا ہے اور وہ اب خالی منہ ہلا ہلا کر اس کی باتوں سے ہی پیٹ بھر کر سو جاتے ہوں گے۔

امرتی صرف دیکھنے میں انگریز بچہ معلوم نہ ہوتا، وہ پنگھوڑے میں ہی بڑی صاف انگریزی میں رونے اور ہنسنے لگا تھا۔ جب چار سال کی عمر میں اس کا پری اسکول شروع ہوا تو کلاس میں انگریز بچے بھی اس کے پیچھے ٹوئینکل ٹوئینکل لٹل اسٹار دہراتے ہوئے گویا اس سے انگریزی بولنا سیکھ رہے ہوتے۔ اسے دیکھ کر ماں کو تو چومنے چاٹنے کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہ تھا اور خزانچی باپ کا حال یہ تھا کہ اس نے بیٹے کو آنکھوں میں بھر بھر کے گویا پورے ایک سو ہزار پونڈ کے نوٹوں کی گتھیاں دل میں سجا کر نکالیں اور دل کو مقفل کر لیا۔

مگر پل پل کی خوشیوں کی چوکیداری ساری عمر تو نہیں کی جا سکتی۔ چند ہی سال میں ہندوستانی والدین کا انگریز بیٹا امرتی یونیورسٹی میں داخل ہو کر امرٹ لیل بریمن بن گیا اور اسے اپنے والدین کے طور طریقے اُجڈ اور اجنبی معلوم ہونے لگے، مثلاً یہی کہ اس کا باپ دھن میں آجانے پر بیروں کی تلاش میں سارا لندن چھان مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے... نو ڈیڈنو! آئی کین نو لانگر اسٹینڈ یور انڈین نیس...!

کستوری لعل براہمن کی ماں اپنے سایہ سایہ کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنے بوڑھے بیٹے کی گچھا مچھا پیٹھ سہلا سہلا کر اس کا حوصلہ بندھا رہی ہے۔ اسی اثنا میں بی۔ بی۔ سی بحث کے شرکاء میں سے ایک بھاری بھرکم آواز کانوں میں پڑنے پر وہ اپنے ذہن سے برآمد ہو کر گرد و پیش میں لوٹ آیا ہے۔ ایک بوڑھا انگریز بول رہا ہے'' ایشیائی اور افریقی امیگرینٹس کی بڑھتی ہوئی آبادی سے تم بے وجہ خوفزدہ ہو اور ان سے خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے ہو...''

''لیکن...''

www.taemeernews.com

''نہیں، سب کچھ آپ ہی آپ ٹھیک ہو جائے گا۔ ان لوگوں کے بچے تو یہیں پیدا ہوئے ہیں، ان بچوں کی پرورش بھی یہیں ہوئی ہے۔ انھیں کوئی چارہ ہی نہیں کہ ذرا قد نکالتے ہی اپنے غیر ملکی والدین سے کوئی سروکار نہ رکھیں، یا صرف اتنا ہی رکھیں، جتنا آپ اور میں...''

براہمن کے جوانی کے دنوں میں بھی بعض انگریزوں کے ایسے ہی بیان اخباروں میں چھپا کرتے تھے اور وہ ہنس ہنس کر سوچا کرتا تھا کہ یہ مسخری قوم اتنا بھی نہیں جانتی کہ ہمارے شرون کمار بڑے ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ بوڑھے ماں باپ کو آگے پیچھے بہنگی میں اٹھائے تیرتھ یاترا پر لیے پھریں اور انھیں بیکنٹھ تک پہنچانے سے پہلے گھر نہ لوٹیں... براہمن کے ماں باپ کا گڈمڈ سایہ ایک دم اس کی آنکھوں میں پھڑ پھڑا کر غائب ہو گیا اور ان کے تئیں اپنی غفلت پر شرمندگی کے احساس کو دبا کر وہ لیلاوتی کی طرف مڑ گیا۔ ''تم نے انگریزوں سے زیادہ بے وقوف لوگ دیکھے ہیں لیلو؟''

ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری ملتے ہی امرٹ لیل بریمن انگریزی کاروں کی ایک کمپنی میں بڑی اچھی پوسٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دو چار سال کے اندر ہی کمپنی کے اہم تر اراکین میں شمار کیا جانے لگا۔ جن دنوں اس کی ماں کی موت واقع ہوئی، کمپنی نے اسی دوران کوئی سال بھر کے لیے اسے کینیا میں ایک برانچ کھولنے اور مقامی اسٹاف کی تربیت کے لیے بھیج رکھا تھا۔ اپنے باپ سے ٹیلی فون پر ماں کی موت کی خبر سن کر اسے واقعی دُکھ ہوا تھا۔ باپ کے استفسار پر کہ کیا وہ ماں کا منہ دیکھنے کے لیے اگلی صبح تک پہنچ جائے گا، اس نے حامی تو بھر لی مگر بڑا صاحب اپنی زندگی کے اس موٹو کا کیا کرتا کہ پہلے وہی کرو جو پہلے کرنا ضروری ہو۔ پہلے تو یہی کرنا ضروری تھا کہ وہ اپنی کمپنی کے نئے کینین پروجیکٹ پر ان دنوں ہمہ وقت موجود رہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک ذاتی پروجیکٹ بھی اس کی روانگی میں مانع تھا۔ کینیا پہنچ کر وہ ایک مقامی انگریز ہائی لینڈر کی نوجوان بیوہ، مارگرٹ بلیچ کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ مارگرٹ نے اپنے مرحوم شوہر کا سارا ہائی لینڈ ایک افریقی چیف کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اس تعلق سے مارگرٹ کو دو ہی روز میں لینڈ رجسٹریشن آفس میں پیش ہونا تھا۔ اتنے اہم کام کی انجام دہی کے لیے وہ مارگرٹ کو اکیلا چھوڑ کر کیسے چل دیتا؟ سو

www.taemeernews.com

اس نے مارگی سے مشورہ کر کے اسی شام لندن سے فون ملایا اور بڑے بھاری لہجے میں باپ کو بتایا کہ اس کی فوری روانگی ممکن نہیں، لہٰذا لاش کو پروگرام کے مطابق اس کی غیر موجودگی میں ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اپنی بات ختم کرنے سے پہلے اس نے اپنے باپ کو ٹوک کر اضافہ کیا، ڈیڈ، تمھیں شاید ماتمی اخراجات کے باعث دقت درپیش ہو، اس لیے میں تمھارے بینکرز کو بذریعہ ای میل، پندرہ سو پونڈ بھیج رہا ہوں۔ جیسا کہ امرٹ لیل بریمن اپنی ماں کو جانتا تھا، اسے ڈر تھا کہ بڑھیا کے رواں رواں میں ہندوستان دھنسا پڑا ہے۔ وہ مر کر بھی دم سادھے پڑے رہے گی کہ جانے سے پہلے ایک بار بیٹے سے مل لے... مگر... اس نے کندھے اچک کر اپنے آپ کو بتایا... میں کیا کر سکتا ہوں۔

بریمن کی ماں کی موت کو ابھی دس دن بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ اس نے مارگی سے اپنی شادی رجسٹر کروائی اور اپنی دلہن اور اس کے دونوں بچوں کو ہائی لینڈ سے نیروبی میں اپنی رہائش گاہ میں لے آیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا باپ ابھی ماتمی لہر میں غوطے کھا رہا ہوگا، چنانچہ وہ کوئی مہینہ بھر رکا رہا اور پھر اپنے ٹھہرے ٹھہرے مختصر لیٹر میں اسے اپنی نئی صورتِ حال سے مطلع کیا اور لکھا کہ چھ آٹھ ماہ میں وہ اپنی بیوی مارگرٹ اور بچوں کے ساتھ لندن پہنچ جائے گا... مارگی اور دونوں بچے، چھوٹا فرید اور بڑی شینا، اس سے مل کر بہت خوش ہوں گے اور یہ کہ وہ فلیٹ میں کم سے کم دو کمرے ان کی فوری رہائش کے لیے تیار کروا کے رکھے، کوئی مناسب فلیٹ ملنے پر وہ وہاں نقل کر جائیں گے۔

بریمن کے لندن لوٹ آنے پر براہمن کا گھر اتنا لد گیا کہ انھیں ساری فالتو اشیاء نکال کر پھینکنی پڑیں۔ براہمن کو تعجب ہونے لگا کہ وہ دیگر فالتو چیزوں کے ساتھ اسے بھی ڈسٹ بن میں کیوں نہیں اُلٹ آئے۔ اپنے بیٹے کے ساتھ اس کا محض فنکشنل ریپو تھا اور بہو تو لندن پہنچنے کے بعد بھی بدستور کینیا میں رہ رہی تھی۔ ان کے بچے؟... وہ اسے ڈسٹنٹ سر کہہ کے بلاتے تھے۔ گرین پا کیوں کر سمجھتے؟ ان کے باپ کو تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ہمت کر کے ان کے والدین کی موجودگی میں انھیں اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی، مگر بریمن بول اٹھا، نو ڈیڈ، میں نے ہدایت کر رکھی ہے کہ تمھیں ڈسٹرب نہ کیا کریں۔ براہمن اپنے بیٹے کی خیر خواہی پر شک نہیں کرنا چاہتا تھا، تاہم

www.taemeernews.com

وہ بخوبی جان چکا تھا کہ اس کا ایم۔ بی۔اے بیٹا ایک سہولت کی خاطر سو جذبے بلا تامل ویسٹ پیپر باسکٹ میں ڈال دے گا۔ اپنی بیوی کے آگے پیچھے اگر وہ بھی چل بسا ہوتا تو بریمن اپنی فیملی کے لیے مزید مکانیت کی سہولت کو غنیمت سمجھ کر خدا کا شکر بجالاتا۔ بہر حال اسی سہولت کی خاطر وہ اپنی آمد کے چند ماہ بعد ہی اپنے باپ کے یہاں سے کرائے کے فلیٹ میں چلا گیا، مگر ان کے جانے کے بعد براہمن کو اب اپنا فلیٹ یکسر خالی معلوم ہونے لگا، جس میں مانو وہ اپنا آسیب سا اپنی مرحوم لیلاوتی کے ساتھ رہ رہا ہو۔

سن رہی ہو لیلو؟ یہاں ہم کیا کرنے کو رُکے پڑے ہیں؟ چلو اب کوچ کر جائیں؟

کہاں؟

اگلے جہان میں، اور کہاں؟

وہیں تو آ پہنچے ہو، نہیں تو ہمارا میل کیسے ہوتا؟

لیکن پھر یہ ہوا کہ امرٹ لیل بریمن نے باپ کی تنہائی کے پیشِ نظر مسز وڈ کو اس کے یہاں لا بٹھایا۔

ایکا ایکی شنکھ اور شادیانے کی آواز سن کر براہمن چونک پڑا ہے اور اس نے دیکھا ہے کہ بی۔ بی۔ سی چینل ابھی اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور اسکرین پر بھارتیہ چینل کی رامائن آرمبھ ہوگئی ہے۔ شری رام چندر اپنے چودہ سالہ بن باس سے اجودھیا لوٹ آئے ہیں۔ براہمن کِھل اٹھا ہے۔ وہ بھی اجودھیا واسیوں کی شادماں بھیڑ میں شامل ہو کر ان کے ساتھ ناچنا چاہتا ہے۔ مگر پگلے چینل کی یادداشت پھر ایک دم کھل گئی ہے اور اسکرین پر بحث کے وہی شرکاء آنمودار ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سٹپٹا کر ٹی۔ وی آف کر دیتا، اسے ڈور بیل سنائی دیتی ہے... ارے! چوبی اپنے دفتر سے لوٹ بھی آئی اور میں نے ابھی تک چائے تیار نہیں کی.... اس نے لپک کر دروازہ کھولا ہے اور دروازے کے فریم ورک میں مسز وڈ کو مسکراتے ہوئے کھڑے پا کر وہ گویا اس کی تصویر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھیں جھپک کر مسز وڈ کے سراپا پر نظر دوڑائی۔ وہ وہی ڈریس پہنے ہوئے ہے جو اس نے اس کے پچھلے برتھ ڈے پر دی تھی۔

''بیوٹی فل...!''

www.taemeernews.com

''کون؟ میں یا تمھاری ڈریس؟''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور معافی مانگنے کے لہجے میں ہندوستانی میں بڑبڑانے لگا۔ ''آج پھر میں چائے بنانا بھول گیا ہوں چوبی''۔

محبت بھرے پچھتاوے کے بول لاطینی میں ہوں یا ہندوستانی میں، مسز وڈ انھیں بھانپ کر فوراً پگھل جاتی ہے۔ ''یونانی بوائے... تمھیں میری کیا پروا ہے؟''

''نہیں''۔ وہ بوکھلایا سا نظر آرہا ہے۔ ''آج میں تمھارے لیے رات کا کھانا بھی بناؤں گا''۔ کئی دن سے وہ لیلاوتی کی انگوٹھی جیب میں رکھے ہوئے ہے اور فیصلہ نہیں کر پارہا ہے کہ اسے مسز وڈ کو پہنادے یا نہیں۔ اس نے سر جھٹک کر انگوٹھی اپنی جیب سے نکالی ہے اور مسز وڈ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلی میں ڈال دی ہے اور گھبرا گیا ہے کہ اس نے کچھ غلط تو نہیں کیا۔

''ہاؤ سویٹ!'' مسز وڈ کے چہرے کی جھرّیاں تمتما اٹھی ہیں اور اس نے سرعت سے براہمن کا منہ چوم لیا ہے۔ ''تم بیٹھو... میں چائے لے کر آتی ہوں''۔

مسز وڈ کمرے سے باہر جارہی ہے اور بی۔بی۔سی پر وہی بوڑھا دانشور اپنے ساتھیوں کو سمجھا رہا ہے ''نہیں! دنگا ونگا کیوں؟ ان لوگوں کے بچے تو یقیناً ان کے نہیں رہتے، پر یہ خود آپ بھی اپنے کہاں رہتے ہیں...؟''۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

نہیں رحمٰن بابو

پہلے بھی لوگ جھوٹ بولا کرتے تھے رحمٰن بابو، مگر تھے بڑے ایمان پرست، اسی لیے عدالتوں نے فیصلہ کرلیا کہ ہر مقدمے سے پہلے انھیں خدا اور ایمان کی قسم کھانے کو کہا جائے... ہاں، یوں ہر مجرم مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی دھرلیا جاتا۔

ہاں، اسی وقت سے عدالتیں خدا کی قسم سے ہی ہر کیس کی چھان بین شروع کرتی آرہی ہیں...

بجا کہتے ہو، بابو۔ اب تو خدا کی گواہی کا موقع پاکر مجرم اتنا کارگر جھوٹ بولتے ہیں کہ بے گناہ فوراً اپنے جرم کا اقبال کرکے عدالتی رحم کے لیے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔

◆◆

میرے کلینک میں آج ایک روبو آنکلا، رحمٰن بابو، چیک اپ کے بعد میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بتانے لگا، میں تھکا تھکا سا رہنے لگا ہوں، ڈاکٹر۔

اور اس کی شکایت سن کر مجھے یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ کہیں اس میں جان تو نہیں پڑ گئی۔

◆◆

دونوں پڑوسی ملکوں کے سربراہوں نے غم وغصہ سے پاگل ہوکر اپنا ہاتھ نیوکلیئر میزائل کے بٹن کی طرف بڑھادیا۔

مگر بابو، بٹن دبانے سے عین پہلے دونوں کے ہاتھ نامعلوم کیوں کر مٹی ہوکر رہ گئے اور ان کے پیچ وتاب کے باوجود اس وقت تک مٹی کے مٹی رہے جب تک انھوں نے ٹھنڈے ہوکر ارادہ نہ بدل لیا۔

www.taemeernews.com

کیا مٹی میں بھی جان ہوتی ہے بابو؟

◆◆

نہیں، رحمٰن بابو، تم خواہ مخواہ تعجب کر رہے ہو؟ میرے بھی تو ایک کی بجائے دو سر ہیں— کیسے؟— ایسے بابو، کہ اپنے ایک سر سے میں کچھ اچھا سوچتا ہوں اور ایک سے، کچھ برا— ہاں، اسی لیے کچھ اچھا ہوں اور کچھ برا— ہر ایک کے ساتھ یہی تو ہوتا ہے— نہیں، تم اس بچے کی ہیئت پر بلاوجہ تعجب کر رہے ہو۔ اس کے بھی دو سر ہیں تو کیا ہوا؟— ہاں، بابو، راون کی طرح پورے دس سر ہوں تو ضرور تعجب کی بات ہے، مگر تو کسی راون کے ہی ہوں تو ہوں۔

◆◆

نہیں، رحمٰن بابو، میں پاگل نہیں ہوں— کیا؟— اپنے آپ سے باتیں کیوں کرتا رہتا ہوں؟ تم ہی بتاؤ رحمٰن بابو، گم شدگان تک اور کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟

◆◆

ہم سب ہم مذہب ہیں رحمٰن بابو، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہر کسی کو اپنی اپنی بساط کا ہی خدا ملتا ہے۔

◆◆

تمھاری رائے سے مجھے اتفاق ہے رحمٰن بابو۔

تم کہتے ہو، دشمن سے ہمیشہ دوستی سے پیش آؤ۔ میں نے ساری زندگی یہی کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دشمن سے سدا دوستی سے ہی پیش آتے رہو تو وہ جیتے جی مر جاتا ہے... کیسے؟ ایسے بابو، کہ میں بھی اپنے قابو میں کہاں تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اپنا سب سے بڑا دشمن میں خود آپ ہوں۔ پھر بھی میں اپنے آپ سے دوستی سے پیش آتا رہا۔ حتّٰی کہ میری روح میرا جسم چھوڑ کر آسمان کو پرواز کر گئی۔

نہیں بابو، اب کیا ہو سکتا ہے؟ مرے ہوئے کو بھی کوئی زندہ کر سکتا ہے؟

◆◆

کیا سمجھنا چاہتے ہو رحمٰن بابو؟ ساری عمر سمجھ بوجھ سے ہی کام لے لے کر تو کنارے

www.taemeernews.com

پر آ لگے ہو۔نہیں رحمٰن بابو، اب آگے کی خبر لینا چاہتے ہو تو بے خبر ہو جاؤ۔

◆◆

نہیں، رحمٰن بابو، ایلورہ کے گپھاؤں میں تو پراچین کال کی مورتیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

نہیں، پہلے گپھا میں ہی میں حیرت سے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

اَن گنت اپسرائیں اور دیوتا باہم ناچ رہے تھے— نہیں، بابو، سچ مچ ناچ رہے تھے اور ناچ ناچ کر بے سدھ ہو رہے تھے۔

ہاں، مجھے یہی لگا کہ وہ سب لوگ زندہ ہیں اور صرف ایک میں، مورت کا مورت!

◆◆

تم بولتے بہت ہو بابو، اسی لیے میری سمجھ میں نہیں آتے۔

ہاں، یہی تو۔ذرا چپ ساتھ لو تو جھٹ سمجھ میں آ جاؤ۔

◆◆

میری ایک کہانی کے دو کردار مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے بابو۔تھوڑی دیر بعد جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو میں نے کہا ''آؤ! تمھیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں''۔

''کہاں؟''

''افسانے پر ایک بحث میں حصہ لینے کے لیے''۔

''نہ بابا! ہمیں زندگی سے فرصت کہاں، جو تمھارے قصوں کہانیوں میں الجھے رہیں''۔

◆◆

میری ماں کو مرے پندرہ برس ہو لیے ہیں رحمٰن بابو،

آج میں نے اس کی تصویر دیکھی تو رنجیدہ ہو کر سوچنے لگا، تصویریں ہی اصل ہوتی ہیں جو رہ جاتی ہیں: ماں تو محض گمان تھی جو گزر گئی۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

پرندے

بسے ہوئے لوگ

میرے ناول کے ہیرو اور ہیروئن دونوں مجھ سے ناراض تھے، کیوں کہ جب ان کی شادی کے اسباب آپ ہی آپ عین فطری طور پر انجام پا رہے تھے تو میں نے ان کا بنا بنایا کھیل چوپٹ کر دیا اور اپنی ترجیحوں کو ناول پر لاد کر انھیں آخری صفحے تک ایک دوسرے سے جدا رکھنے پر اُڑا رہا۔

مگر وہ دونوں تو موقع کی تاک میں تھے۔ ایک دن نظریں بچا کر اچانک غائب ہو گئے۔ میں نے ناول کے مسودے کی ایک ایک سطر چھان ماری اور ہر مقام پر انھیں اپنے ناموں کی اوٹ میں ڈھونڈتا رہ گیا۔ وہ وہاں ہوتے تو ملتے۔

مجھے بڑا پچھتاوہ محسوس ہونے لگا۔

اگر وہ مجھے کہیں مل جاتے تو میں فوراً ان کا نکاح پڑھوا دیتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟— میں منہ سر لپیٹ کر پڑ گیا۔

آپ حیران ہوں گے کہ کئی سال بعد ایک دن وہ دونوں بہ اتفاق مجھے اپنے ہی شہر میں مل گئے۔

نہیں، وہ مجھے بڑے تپاک سے ملے اور اپنے گھر لے گئے۔

میرے ناول کے پنّوں سے نکلتے ہی انھوں نے اپنی شادی کی تدبیر کر لی تھی۔ اور اتنے سال بعد اب تین پھول جیسے بچوں کے ماں باپ تھے اور ان کا گھر بار خوب آباد تھا۔

نہیں، انھیں اپنے سنسار میں اس قدر پھلتے پھولتے پا کر مجھے حوصلہ ہی نہ ہوا کہ انھیں

www.taemeernews.com

اپنے ناول میں لوٹ آنے کو کہتا۔

◆◆◆

کارگِل

پہاڑیوں کی ایک کھونٹ میں دو لاشوں پر نظر پڑنے پر عبدل دبے پاؤں ان کے قریب چلا آیا۔ ایک ہندوستانی فوجی تھا اور دوسرا پاکستانی مجاہد۔

دونوں کی بندوقیں ان کے درمیانی فاصلے میں گری پڑی تھیں، مگر عبدل کو بندوقوں سے کیا غرض؟ بندوقوں سمیت کبھی پکڑ دھکڑ میں آجاتا تو فوج اسے بھی کوئی مجاہد سمجھ کر دھر لیتی۔ سب لوگ گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مگر اس نے وہیں کہیں پہاڑوں کے اندر کسی مخفی شگاف میں آپناہ لی تھی اور اسی مانند موقع ملنے پر لاشوں کی جیبوں سے کام کی جو شے بھی اس کے ہاتھ لگ جاتی، اللہ کا شکر ادا کر کے اُسے اپنی جیب میں محفوظ کر لیتا۔

مجاہد کی اندرونی جیب سے اسے کسی بچے کی تحریر میں ایک چٹھی ملی، مختصر سی طفلانہ تحریر کی اڑی ٹیڑھی شبیہ پر مسکرا کر وہ اسے پڑھنے لگا—

پیارے ابّو، السلام علیکم، کل میری سالگرہ تھی، مگر کیا پتہ، تم کہاں چلے گئے ہو؟ اس لیے میں اور امّی سارا دن روتی رہیں—

برفیلی ہوا کی سائیں سائیں میں ٹھٹھر محسوس کر کے عبدل ہندوستانی فوجی کی جیبوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فوجی کی باہری جیب میں ہی اسے ایک منّی سی نہایت خوبصورت لڑکی کی تصویر ملی۔

بھولے بھالے چور کو حیرت ہونے لگی کہ مجاہد کی بیٹی کی یہ تصویر ہندوستانی فوجی کی جیب میں کیسے آ گئی۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

ایک بار پھر

''جب آپ کا راکٹ کرۂ زمین سے باہر خلا میں پہنچا تو آپ کو کیا محسوس ہوا!؟''
''مجھے محسوس ہوا، خدا نے ایک بار پھر مجھے جنت سے باہر نکال پھینکا ہے!''۔

◆◆◆

ہیرو

میں اور کیا کرتا؟
ہمیں اپنے نئے فیچر فلم کے لیے چند نئے چہروں کی ضرورت تھی اور ہماری فلم کمپنی کے مالک آپا صاحب نے مجھ سے کہہ رکھا تھا، دوسرے کسی بھی رول کے لیے جسے چاہو رکھ لو، مگر فلم کا ہیرو میرا اپنا آدمی ہی بنے گا۔
آپا صاحب کا اپنا آدمی خصلتاً ولین تھا اور حالاں کہ ہمارے فلم میں اس کا ہیرو بننا بالکل طے تھا، پھر بھی مجھے شاید ذہنی طور پر بدستور ہیرو کی تلاش تھی، یا کسے معلوم، کیا؟ میں نے کیا کیا کہ اپنی رو میں ایک ایسے نوجوان کو ولین کا رول سونپ دیا جو مجھے اپنے ہیرو کے مانند فطرتاً حساس، نیک طینت اور معصوم سا لگا۔
''مگر میں—'' اس نوجوان نے جھجک کر شاید تامل کا اظہار کرنا چاہا۔
''میں وین کیا؟''، ''میں جھلا گیا''۔ جب تک پورے ولین نہیں بنو گے، تمھیں ہیرو کون مانے گا؟''

◆◆◆

آج کے لوگ

ہاں، بھئی، ہاں، میری موت واقعی ہو لی تھی، مگر دیکھ لو، میرا دل کیسے دھائیں دھائیں دھڑ کے جا رہا ہے۔

www.taemeernews.com

ہاں، اور کیا؟ پورے کا پورا مر چکا تھا مگر تم خود ہی دیکھ لو، جوں کا توں زندہ ہوں— کیسے کیا؟ جیسے ہے، ویسے!— جیتے جی جب میری دھڑکن میں خلل واقع ہوا تو ڈاکٹروں نے میرے سینے میں ایک پیس میکر (Pace Maker) فٹ کر دیا اور دعویٰ کیا کہ اب دم نکل جانے پر بھی میرا دل جوں کا توں دھڑکتا رہے گا، سو جو ہے سو ہے— مر کھپ کر بھی— کیا؟— مرا کب؟— کتنے احمق ہو بھئی! جو مر گیا اسے کیا پتہ، وہ کب مرا؟— ہاں، بھئی، اب خدا کا ڈر کاہے کو؟ مر کر خدا کے پاس تھوڑا ہی جانا ہے— ہاں، اور کیا؟ اب تو سدا اپنے ہی پاس رہنا ہے— ہیہ ہیہ ہا!— ٹھیک کہتے ہو، اب تو صرف اسی نیک کام سے نجات وابستہ ہے کہ اپنی مشین نہ بگڑنے دو۔

◆◆◆

کچّا پن

''بابا تم بڑے میٹھے ہو''۔

''یہی تو میری مشکل ہے بیٹا۔ ابھی ذرا کچّا اور کھٹا ہوتا تو جھاڑ سے جڑا رہتا''۔

◆◆◆

موجود

کیا مجال، کوئی جان پہچان والا مر جائے اور وہ اس کے جنازے میں شامل نہ ہو۔
مگر آج ہم اسی کا جنازہ لیے قبرستان کی طرف جا رہے ہیں اور کسی نے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے مجھ سے حیرت سے پوچھا ہے، تعجب ہے آج وہ نہیں آیا؟

◆◆◆

خواب و خیال

''جوگن؟''

''کہو بھائی!''

''تمھارے پپوٹے مُندے مُندے کیوں رہتے ہیں، جوگن؟''

www.taemeernews.com

''یتیم اندر ہو بھائی، تو استری گھر کے کواڑ بند ہی رکھتی ہے''۔

◆◆◆

کھیں

ایک روبو نے ڈرتے ڈرتے اپنے ڈاکٹر سے کہا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے جسم کے فولاد کو پگھلا کر ڈھیر کر دیا جائے''۔

ڈاکٹر فکرمند ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا ''کہیں تمھارے جسم میں جان تو نہیں پڑ گئی؟''۔

◆◆◆

اپنا اپنا

ایک دفعہ سائبیریا کا ایک باشندہ ہمیں بتا رہا تھا— ''پھر کیا ہوا کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عجیب و غریب اُڑن کھٹولا زمین پر اتر آیا۔ اس اُڑن کھٹولے سے دو شکلیں باہر نکلیں۔ بڑی مختلف النوع مخلوق تھی۔ الٹا سیدھا لباس پہن رکھا تھا اور چہروں پر کوئی آلے جما رکھے تھے—''

''کیا انھوں نے بھی آپ کو دیکھا؟''

''نہیں، میں پاس ہی جھاڑی میں چھپ گیا تھا— تھوڑی دیر میں دو میں سے ایک کا آلہ اس کے منہ سے سینے پر گر کر لٹکنے لگا۔ اتنا عجیب چہرہ تھا کہ میرے بیان سے باہر ہے۔ کچھ دیر وہ آپس میں باتیں کرتے رہے—''

''کیا باتیں کرتے رہے؟''

''مجھے ان کی زبان تو نہیں آتی مگر جب ایک نے دوسرے کی طرف دیکھ کر چونکی

www.taemeernews.com

چونکی آواز میں ایک جملہ بولا تو مجھے لگا، اس نے کہا ہے، بے وقوف اپنا آلہ جلدی سے منہ پر چڑھالو، ورنہ آکسیجن کے زہر سے دم توڑ دو گے''۔

◆◆◆

پگلا

اُس پگلے کو دیکھا؟
ہاں، دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی کو اوپر نیچے ہلاتے ہوئے بائیں کی ہتھیلی کو نہ جانے کیا سمجھا جا رہا تھا۔
ہہ ہہ ہا—ہہ ہاہہ—!
اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ اپنے اندر ہی اندر ہم سبھی یہی کچھ تو کرتے ہیں۔

◆◆◆

نازائیدہ

''ارے! تم تو بالکل مر چکے تھے، پھر کھڑے کیسے ہو گئے؟''
''میں بڑا غریب آدمی ہوں جی۔ پھر شتوں کے حساب سے میں ابھی پیدا ہی نہ ہوا تھا، اس لیے ان کی سمجھ میں نہ آیا، میں مر کیسے گیا''۔

◆◆◆

ایثار

''تمھارا صرف ایک ہی شوہر ہے!''
کوٹھے والی نے گھر والی سے کہا۔
''تمھارے بچوں کا باپ، تمھاری حفاظت کا ضامن، بڑا بھولا، بڑا نیک، لیکن میری

www.taemeernews.com

طرف دیکھو''۔کوٹھے والی آبدیدہ ہوگئی۔''میرا ایثار دیکھو، مجھے اُن گنت شوہروں سے نباہ کرنا پڑتا ہے۔میرے بچوں کا کوئی باپ نہیں بنتا۔میرا کوئی پاسباں نہیں۔میرے سب کے سب شوہر بدمعاش ہیں''۔کوٹھے والی گھر والی کی طرح اپنا منہ دوپٹے میں ڈھانپ کر رونے لگی۔

''سب لفنگے ہیں۔لیکن میں پھر بھی ان سے نباہ کیے جارہی ہوں!''

◆◆◆

محض

میں اپنے پیروں کے ٹکاؤ، ہاتھوں کی پینگ اور سر کی چھتری پر ہی اپنی ذات کو محمول کرنے لگا اور میری اصلی ذات سالہا سال بڑے صبر وسکون سے دو عالم میں میرا انتظار کرتی رہی اور ہنستی رہی کہ میں اپنے آپ کو محض جوگندر پال سمجھ بیٹھا ہوں۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

خود وفاتیہ

(بطور پس لفظ)

آپ لاکھ فرض کرلیں کہ آپ کی موت واقع ہوچکی ہے، پر مرے بغیر مرنا تو نہیں ہوتا، مگر میرا یہ ہے کہ کوئی نصف صدی سے کہانیاں لکھ لکھ کر اس دوران میں ایک اپنے سوا ساری کائنات کو جیتا رہا۔ سو یہی لگتا ہے کہ میرے ساتھ جو اور جیسے بھی بیتی وہ میرے مرے مرے ہی بیت گئی، اسی لیے اپنا وفات نگار آپ ہی بنتے ہوئے مجھے کسی لے دے کا سامنا نہیں، ایک اور بات، ایک کہانی کار ہونے کے ناطے میں اس سے غافل نہیں کہ مُردوں کو بھی کیوں کر خود آپ ہی چل پھر کر اپنی کہانیاں پوری کرنا پڑتی ہیں۔ لہٰذا پسِ مرگ بھی سانس لیے جانا اور اپنی موت جیے جانا مجھے غیر فطری معلوم نہیں ہوتا۔ میرے ملنے جلنے والے مجھے اپنے وجود میں نہ پاکر اکثر شکایت کرتے ہیں کہ کیا پتہ، میں کہاں ہوتا ہوں — ہاں، واقعی کیا پتہ، کہاں؟ — اپنے کرداروں میں سے جس کے بدن میں بھی رات آجائے۔ مجھ سے ملنا مطلوب ہو تو جیسے بھی بنے اپنے گمان میں اسی کردار کی ٹوہ میں لگ جایئے، یا پھر بس دعا کیجیے کہ خدا مغفرت کرے، کیا خوب آدمی تھا! — مجھے اوائل سے ہی زندگی کسی کہانی کی طرح پیش آئی۔

بچپن میں، میں خواب میں نہ جانے کہاں جانے کے لیے بستر سے اٹھ کر چلنے لگتا تھا۔ میرے نہایت غریب اور ان پڑھ ماں باپ نے بڑا جتن کر کے اپنے راج کمار کو ماشے

۱۔ Self Obituary یہ خود وفاتیہ میں نے ہندی ماہنامہ ''ہنس'' کی دعوت پر اردو میں لکھا۔

www.taemeernews.com

دو ماشے کا سونے کا چھلا پہنوادیا کہ پنڈت دینا ناتھ نے انھیں بتایا تھا، سونا بڑی شُبھ دھات ہے۔ اسے پہن کر بالا جدھر بھی جا نکلے گا، اپنے جسم سے باہر نہیں نکل پائے گا۔ بابا مجھے کانوں کی مُرکیاں بھی پہنوانا چاہتے تھے مگر جب بڑی مشقت کے بعد وہ چار پیسے جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اچانک اپنے دمے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر پڑ جاتے اور وہ پیسہ دوادارو میں اٹھ جاتا۔ بہرحال ہماری بھیانک غریبی سے جو بھی ہوا، یہ بھی ہو گیا کہ میری خواب میں چلنے کی بیماری تو ایک طرف دھری رہ گئی، میری نیند ہی اُڑ گئی اور یوں میری بے خوابی کے عالم میں میرے ماں باپ بوڑھے ہوتے چلے گئے اور میں جیسے تیسے بھی پڑھ لکھ کر خوب جوان نکل آیا۔

اور پھر؟—

پھر یہ ہوا کہ ملک تقسیم ہوا اور ہمارے پیروں تلے سے وہ زمین ہی کھسک گئی جس پر ہم آباد تھے اور اس بھگدڑ میں— مجھے بخوبی یاد ہے— مجھے قتل کر دیا گیا اور میں نامعلوم کس کا وجود اوڑھ کر پرانے ہندوستان سے نئے ہندوستان کے کنارے پر آ لگا اور حالاں کہ بہ ذہن اور بہ صورت ویسے ہی غلام تھا، پنڈت نہرو کے اخباری بیان پڑھ پڑھ کر مجھے یقین ہونے لگا کہ میں ایک آزاد شہری ہوں اور اگرچہ اپنے اس ملک میں ہمارا ایک اینٹ کا بھی گھر نہیں، ہم سارے ملک کے مالک ہیں۔

انبالہ شہر کے کنجروں کے بازار کی ایک گری پڑی گلی میں آخر ہمیں ایک ٹوٹا پھوٹا گھر مل گیا جس کی ایک کوٹھری میں شاید کسی پہنچے ہوئے فقیر کی قبر تھی اور مشہور تھا کہ وہ سبز پوش سفید ریش نصف شب کے بعد اپنی قبر سے اٹھ کر مکان کی دوسری کوٹھریوں میں مرغ بولنے سے پہلے یہ دیکھنے کے لیے طواف کرتا رہتا ہے کہ سبھی مُردے آرام سے تو پڑے ہیں۔ اس مکان میں ہم ابھی پاؤں بھی نہ جما پائے تھے کہ ایک دن اچانک سمندر پار سے ایک سوداگر اپنی دختر کے ساتھ وارد ہوا اور سیدھے سیدھے یہ سودا طے پایا کہ وہ میری ڈولی برٹش افریقہ اٹھوا لے جائیں گے جہاں مجھے اپنے بی۔ اے کے تھرڈ ڈویژن کے باوجود کسی سرکاری

www.taemeernews.com

اسکول میں بڑی موٹی تنخواہ پر رکھ لیا جائے گا۔ انبالہ شہر میں سپریٹا دودھ بیچتے ہوئے مجھے لگنے لگا تھا کہ مجھے اب آئندہ دو تین جنم بھی یہی کام انجام دیے جانا ہے۔ چنانچہ انگریزی راج سے آزاد ہوکر مجھے انگریزوں کی متوقع غلامی بڑی خوش آیند معلوم ہونے لگی۔ میں اسے اپنی کمینگی— نیک نیت سی کمینگی پر محمول کرتا ہوں کہ کینیا میں میں نے اپنے خوبصورت فلیٹ کے سامنے نئی بے بی فیاٹ میں بیٹھ کر اس لیے اپنا فوٹو اتروایا کہ اسے ہندوستان میں اپنے پرانے دوستوں کو بھیجوں گا اور— ارے!— وہ چونک کر اپنی آزادی کی زنجیروں کو کاٹ نہ پانے پر بلبلا اٹھیں گے۔

مگر انہی دنوں کینیا کے افریقی اپنی غلامی کی زنجیریں کاٹ نہ پانے پر بلبلا رہے تھے۔ انگریز کو قاعدے قانون کا بڑا پاس ہوتا ہے۔ اس نے اپنا یہ پاس نبھانے کی خاطر قاعدے قانون کو ہی اپنی سہولت کے مطابق وضع کر رکھا تھا۔ ایشیائی تاجرانہ خوش اخلاقی کا وہاں یہ حال تھا کہ دو پیسے سے زیادہ دے کر ایشیائی دوکاندار کو دو اور گالیاں بھی دے دیجیے تو کوئی حرج نہیں۔ ایشیائی اور یورپی اپنے باپ دادا کی وراثت کو بڑے بھرے پیٹ فخر سے سنبھالے ہوئے تھے، لیکن کالے لوگ اپنی روز افزوں بھوک اور بیماری سے بے حد نالاں تھے۔ قاعدہ قانون کو توڑنے پھوڑنے میں انھیں ذرا بھی تامل نہ تھا۔ موقع ملنے پر انھیں اس لیے بھی قتل کے ارتکاب سے گریز نہ تھا کہ اتنے پیسے تو مقتول کی جیب سے نکل ہی آئیں گے کہ آج کا کھانا پینا اطمینان سے ہو جائے۔

کینیا میں اپنے قیام کے اسی دور میں میں نے ایک بڑی اچھی کہانی ''جامبو، رفیقی'' (سلام، اے دوست) کو خواہ مخواہ یہاں وہاں ہانک ہانک کے بے دم کر دیا: ایک افریقی اندورنِ ملک سے ساحل کی طرف جا رہا ہے اور ایک ساحل سے اندرون۔ دونوں دوئی جنکشن پر اپنی اپنی گاڑی سے اتر کر منہ پر چھینٹے مارنے کے لیے پانی کے نل پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔

''جامبو، رفیقی''۔

www.taemeernews.com

''جامبو''۔

''کہاں جارہے ہو؟''

''باہر''۔

''کہاں سے آئے ہو؟''

''اندر سے''

''باہر کیوں جارہے ہو؟''

''کام کی تلاش میں''۔منہ پر پانی کا چھینٹا مار کر اس کی بھوک چمک اٹھی ہے۔''کیا تمھارے پاس کھانے کو بھی کچھ ہے؟''

''ہاں، یہ بریڈ لو''۔اس نے اپنی جیب سے بریڈ کا ایک ٹکڑا نکالا ہے۔''پوری بریڈ تھی، پچھلے اسٹیشن پر میں نے ایک مہندی (ہندوستانی) کے اسٹال سے چرالی تھی''۔

دونوں ہنسنے لگے ہیں۔

''تم کہاں جارہے ہو؟''

''اندر''۔

''کہاں سے آئے ہو؟''

''باہر سے''۔

''اندر کیوں جارہے ہو؟''

''کام کی تلاش میں''۔

جس ملک میں غیر ملکیوں کے لیے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ملازمتیں محفوظ ہوتی تھیں، وہاں کے باشندوں کو چوری ڈکیتی کا کام میسر تھا، یا گھریلو نوکروں کا، جو اپنے سرونٹ کوارٹرز سے اس لیے جیل بھیج دیے جاتے کہ وہ چوروں کو پناہ دیتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہندوستان میں مجھے غریبی اور بے کسی کے عذاب کا اتنا شعور نہ تھا جتنا اب افریقیوں کی حالتِ زار دیکھ کر۔ مرتے وقت تو آدمی صرف مرتا ہے، موت کے فلسفے پر غور وخوض کیوں کر کرے؟

www.taemeernews.com

میں بہر حال چودہ سال ایک موٹے معاوضے کے عوض اسکول ماسٹر کی خود پارسائی سے بڑی صحیح انگریزی میں کردار و اخلاق کے درس دیتا رہا اور آخر اڑتیس اُنتالیس کی عمر میں اپنی چیختی ہوئی آواز سے ہڑبڑا کر مگر ہڑبڑانے کے باوجود پنشن محفوظ کرکے ہندوستان لوٹ آیا اور جب تک یہاں مجھے کوئی کام نہ ملا اس وقت تک اپنے تعلق سے یہ دونوں اطلاعیں مجھے مضحکہ خیز سی معلوم ہوتی تھیں کہ اتنی بڑی عمر میں بھی میں بے کار ہوں یا پھر اتنی چھوٹی عمر میں ہی کام سے پنشن پا چکا ہوں۔

اسی دوران دلّی میں ایک انگریزی ہفتہ وار نے سینئر سب ایڈیٹر کی پوسٹ کا اشتہار دے رکھا تھا۔ میں اپنا کینیا کا ایک بہترین سوٹ پہن کر انٹرویو کے لیے گیا۔ دروازے پر بیٹھا چپراسی پہلے تو میرا رعب داب دیکھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا، مگر جب میں نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تو وہ گویا یہ سوچ کر مسکرانے لگا— اوہ! میں تو سمجھا تھا کہ مالک کو نوکر رکھنے آئے ہو! اخبار کا کھدر پوش مالک انگریزی راج کے دنوں کا رائے بہادر تھا اور آج کل راجیہ سبھا کا ممبر۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے بہت صحیح آدمی کی تلاش ہے، اس لیے وہ بہت تفصیلی انٹرویو کرتا ہے اور صرف ایک امیدوار صبح کے وقت بلاتا ہے اور ایک ہی شام کو۔

اسے اپنی باتوں میں اتنا سرگرم پا کر میں اس سے پوچھے بغیر ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے اچانک مجھ سے سوال کیا کہ میں اپنی کینیا کی اتنی اچھی نوکری چھوڑ کے کیوں چلا آیا ہوں۔

میں نے اسے بڑی بامحاورہ انگریزی میں جواب دینے کے لیے اپنا منہ کھولا لیکن اپنی آواز میں ڈھونگ سا محسوس کر کے رُک گیا۔

''ہاں، ہاں، کہیے''۔ مگر وہ آپ ہی بولتا چلا گیا۔ ''شاید اپنے دیش کی سیوا کرنا چاہتے ہیں—''

میں جی ہی جی میں ہنسنے لگا۔ نہیں، واقعی ہنس پڑا۔

''آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟''

www.taemeernews.com

میں رائے بہادر کو کیا بتاتا کہ میں اپنے کلاس روم میں طلبہ کو ایک نہایت بے ضرر اور بھلا سا مضمون لکھنے کو کہہ رہا ہوں — اف آئی ورد اپرائم منسٹر آف انڈیا۔

رائے بہادر شاید چڑ گیا تھا۔ ''دیکھیے، اگر آپ کو یہاں رکھ لیا گیا تو آپ کی کہانیاں میرے کسی کام کی نہ ہوں گی۔ میں یہاں کئی سنستھاؤں کا چیئرمین ہوں۔ دھیان سے سنیے — نمبر ایک، آپ کو میری مدد کے بغیر میری مرضی کے بھاشن لکھنا ہوں گے۔ نمبر دو، آپ ایک طرح سے میرے کلچرل سکریٹری ہوں گے اور اس فیلڈ میں میری ساری ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوں گی۔ نمبر تین، اپنے ویکلی کا چیف ایڈیٹر تو میں ہی ہوں مگر سارا کام آپ کو ہی سنبھالنا ہوگا، میں صرف پالیسی ہی ٹھہراؤں گا —''

''نمبر چار'' میں نے اپنے آپ کو بتایا'' مجھے یہاں کام نہیں کرنا ہے''۔

تو پھر آپ یہاں آئے کیوں؟ — رائے بہادر کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھنا چاہ رہا ہے — اپنا یہ قیمتی سوٹ دکھانے؟ میرا خیال ہے آپ ہمارے ملک سے واپس اپنے کینیا چلے جائیے۔

۔ پے در پے کئی مایوسیوں کا سامنا ہونے پر میں واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا کہ کینیا لوٹ جاؤں، مگر اب کینیا میں انگریزی راج کہاں رہا تھا کہ اپنے سالوں کی خوشامد کر کے پھر سے نوکری ووکری کا طے کروالوں؟

اہلِ تاریخ نے بے جا طور پر محمد تغلق کو پاگل قرار دے رکھا ہے کہ اس نے دلی سے اورنگ آباد جا بسنے کی ٹھان لی۔ پاگل تو میرے جیسے لوگ ہوتے ہیں جو کہیں پہنچنے کے لیے روانہ نہیں ہوتے بلکہ جہاں بھی جا پہنچیں، اپنے آپ کو یقین دلانے لگتے ہیں کہ انھیں یہیں آنا تھا۔ دلی سے اورنگ آباد پہنچنے پر میں نے فوراً باور کر لیا کہ میں دراصل اسی اجنبی مقام پر ٹھکانا کرنے کے لیے نیروبی چھوڑ آیا تھا۔ یہ مقام مجھے کچھ اس مانند مانوس سی اجنبیت کا حامل معلوم ہوا جیسے اسے میں نے اپنے ہی دل سے کھود کر جیتے جاگتے برآمد کر لیا ہو۔ لوگ کہتے ہیں، پتہ نہیں مرکھپ کر ہم کہاں چلے جاتے ہیں اور کہاں؟ — انہی مقامات پر لوٹ

www.taemeernews.com

آتے ہیں جہاں زندگی سے ہمارے محبوب واسطوں کا اسباب ہوا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں جہاں بھی ہوں یہیں اورنگ آباد کی مٹی میں دبا پڑا ہوں۔ اس شہر میں اتنی قبریں ہیں کہ مجھے یقین ہے قیامت کے دن دو عالم میں سب سے زیادہ یہیں رونق ہوگی۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے اورنگ آباد شہر کو اتنا کھودا جا رہا ہے، مانو آدمی یہاں کہیں اپنی کوئی نہایت قیمتی شے گنوا کر اسے ڈھونڈنے کے درپے ہو گیا ہو۔ میری آمد پر مقامی لوگ مجھے ہدایت کیا کرتے تھے کہ دیر سے چلو، ہمارے پاؤں کے نیچے ہمارا ماضی آباد ہے۔ ان کے باپ دادا نے تو کھود کھود کے، کان لگا لگا کے، جھانک جھانک کے اجنتا اور ایلورہ کے پہاڑوں میں اپنے گم شدہ ماضی کے کئی سانس بھرتے ہوئے یُگ کھوج نکالے تھے۔ ایلورہ کی گپھاؤں میں پہلی بار داخل ہو کر میں گویا اپنا آپ ہونے کے بجائے اپنے پراچین دیوی دیوتاؤں کا ایک مبہم سا خیال تھا۔ مجھے یہی لگا کہ انھوں نے مجھے ذرا سا سوچا ہے اور قابلِ توجہ نہ پا کر پھر اپنے کام میں مگن ہو گئے ہیں۔

اس نہایت پرانے شہر میں ہر گھر کے نیچے ایک گھر ہے۔ جب میں اپنا گھر بنوا رہا تھا تو ایک دوست کہنے لگا، یقین نہ ہو تو کھود کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، میں نے باہری دروازے کے قریب ذرا کھدائی کروائی تو ایک سوراخ سے واقعی ایک نیچے ایک بہت بڑا حوض دکھائی دینے لگا۔ اس شہر کے بعض نہایت شریف بزرگوں کو دیکھ کر ذہن میں یہی آتا تھا کہ یہ مورتیاں زمین دوز بستی سے ہی اوپر آ بسی ہیں، مثلاً انسان کی صدیوں پرانی نیکیوں کے یہ پیکر، ہمارے بھیّا مولوی یعقوب عثمانی مرحوم، یا گووند بھائی شراف — یعقوب عثمانی بھیّا، اللہ کے واسطے سے سبھوں کی مدد کرتے تھے اور بھائی شراف اس لیے کہ خدا تو کچھ کرنے سے رہا، آدمی نے بھی آدمی کے لیے کچھ نہ کیا تو اس کا کیا بنے گا؟ ان دونوں مہاپرشوں کے قریب رہ کر میں نے دیکھا کہ سچا سیکولرسٹ کیوں کر سینٹ سا ہوتا ہے اور سچا سینٹ، سیکولرسٹ سا۔

میرا خیال ہے کہ ہماری زندگی کے سنور نے بگڑنے کے اسباب میں کوئی منطق تو

www.taemeernews.com

کارفرما ہوتی ہی ہے، تاہم ان اسباب میں سے کوئی اہم تر سبب بہ اتفاق رونما ہو جاتا ہے، مثلاً یہی دیکھیے، شراف بھائی نے اپنے کالج کے شعبۂ انگریزی کے ہیڈ اور پروفیسر کے جاب پر ان مخصوص ہنگامی حالات میں اس لیے میرا انتخاب کیا کہ اس وقت مجھے جونیئر لیکچرار کی پوسٹ بھی نہیں مل پا رہی تھی، جب عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے ہیڈ مجھے سمجھا رہے تھے کہ میرے بی۔ اے کے تھرڈ کلاس کے باعث وہ مجھے اپنے یہاں کی پوسٹ کے لیے انٹرویو لیٹر نہیں بھیج سکتے۔ اس وقت شراف بھائی اپنی گاندھی ٹوپی اور بے استری دھوتی کُرتے میں سمٹے ہماری باتیں سن رہے تھے اور میرے گھر لوٹنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر میری بیوی کو سمجھا رہے تھے کہ آپ سب اورنگ آباد چلے آیئے اور میری بیوی انھیں سمجھا رہی تھی کہ ہم جا بجا بھٹک بھٹک کر عاجز آ چکے ہیں اور ہمیں اب حیدرآباد سے کہیں نہیں جانا ہے۔

جب ہم اورنگ آباد آئے تو میری ماں، جو نیروبی سے بیمار چلی آ رہی تھی، اس وقت تک اپنے ذہن سے خارج ہو چکی تھی۔ نیروبی میں اس کا فیمر بون کا آپریشن ہوا تھا لیکن آپریشن کے بعد فیمر بون کا شدید درد اپنی اصل جگہ سے اس کے ذہن میں منتقل ہو چکا تھا، جس میں وہ خود آپ محسوس نہ ہوتی تھی۔ نیم شب کی طلسمی خاموشی میں کھنڈر کے کواڑ اچانک کھٹ کھٹ ہلنے لگتے اور کسی روح کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگتیں۔ پہلے کہیں دور سے، پھر آس پاس سے اور پھر یہیں سے!— یہ کون ہے؟— کون— ک؟— ماں!— چپ ہو جاؤ ماں— ماں!— چپ ہو جاؤ— چپ!— سو جاؤ اور ہمیں بھی سونے دو— سو جاؤ— اور آخر ماں نے چپ چاپ آنکھیں موند لیں— ہاں، واقعی!— اور ہم— میں اور میری بیوی شکر ادا کرنے لگے کہ ماں کو چین نصیب ہو گیا ہے— کہ— کہ ہمیں چین نصیب ہو گیا ہے اور ہم دونوں بڑے سُکھ کے احساس سے رونے لگے اور ہمارے بچے بھی اور پڑوسی بھی— اور جب ہم ماں کو جلا پھونک آئے تو ہمارے دِلوں سے نکل کر اس نے پہلے کے مانند ہمارے لیے بھانت بھانت کے پکوان

www.taemeernews.com

بنائے جنھیں ہم نے خوب سیر ہوکر کھایا اور ایسے سوئے کہ سورج سر پر آجانے پر بھی ہماری آنکھ نہ کھلی۔ مُردوں کو جاگنا تھوڑا ہی ہوتا ہے— ماں! — میں بھی مر چکا ہوں ماں۔ پھر بھی تم کہیں نظر کیوں نہیں آتیں؟

میرے دوست مجھ سے تادمِ آخر پوچھتے رہے، تمھیں معلوم ہے تمھاری کتنی کہانیاں تمھاری ماں نے پوری کی ہیں؟— میں انھیں کیا جواب دیتا؟ ماں کا یہی اصرار تھا— تم بیٹھے رہو جی، تمھیں کچھ کرنا دھرنا تو آتا نہیں، جو کرنا ہے میں آپ ہی کرلوں گی۔

واقعی میری ماں ہی ہمارا سب کچھ کرتی رہی۔ پہلے بابا کا، جو بڑے معصوم اور مفلس تھے، — چارگی کے بت جیسے۔ میرا خیال ہے اگر وہ اتنے معصوم نہ ہوتے تو شاید میری طرح کہانی کار ہوتے۔ وہ چل بسے تو ماں نے اپنی ساری توجہ مجھ پر صرف کرنا شروع کردی، پھر میرے بچوں پر، جنھیں شاید آج اپنے 'اہم' کاموں میں یاد ہی نہیں رہا کہ انھیں کس نے اونچا کیا— اور اس طرح میری ماں ہم سبھوں کا کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے پاگل ہوگئی اور پاگل ہوکر ہمیں کوئی اور ہی معلوم ہونے لگی، اور ابھی ہم کسی نتیجے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ وہ پاگل پن میں ہی اپنے نتیجے پر پہنچ گئی اور انجانے ہی انجانے میں ہمیں متاسف چھوڑ کر ایسی گئی کہ پھر لوٹ کر نہ آئی۔

میں اکثر اپنے آپ سے یہ جاننے کا متمنی رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی اتنے مجرمانہ احساس کے ساتھ کیوں بسر کی۔ کیا اس لیے کہ میں نے ان قدروں کی جارحانہ پیروی نہ کی جو میں نے وارداتی طور پر زندگی سے اخذ کیں؟— اس لیے، کہ زندگی مجھے پیٹ پیٹ کر سمجھاتی رہتی کہ آگے بڑھنے کی خواہش ہو تو بڑی شرافت سے چپ چاپ پیچھے ہٹ جاؤ— بھوک سے دم بھی نکل رہا ہو تو یہ رِجھے ہوئے نظر آؤ (اسی لیے ابھی تک مرغوب کھانوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے مجھے پکڑے جانے کا خوف لاحق رہتا ہے)— کسی کو پیٹنا ہی ہو تو صرف اپنی خواہشوں کو پیٹو (میری خواہشوں کی سوجن بڑھتی چلی گئی)— ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو (مجھے گناہوں کا کوئی موقع ہی کب نصیب ہوا؟)— شریف

www.taemeernews.com
آدمی سدا ہاتھ باندھے رکھتا ہے(میرے ہاتھوں کی رسیاں ٹوٹ گئیں مگر ہاتھ بندھے رہے)— درس!— درس ہی درس!— واردا تیں کچھ اور، درس کچھ اور— سو جو ہوا، اس کے سوائے اور کیا ہوتا؟ زندگی کا پورا پاس رکھنے کے باوجود میں زندگی سے بھاگتا پھرا، چوری چوری جیتا رہا۔ اسی کا نام تو موت ہے، مگر مرے بغیر مجھ سے کہانیاں لکھنا کیوں کر ہوتا؟۔

(۲)

(۱)

کہانیاں؟— میرے بعض بہت پڑھے لکھے دوست میری کہانیوں کے ذکر پر کھلکھلا کر ہنس پڑتے، چلو بھئی، پہلے اسے اپنی کہانی سنا کر خوش ہو لینے دو۔ بات ہم بعد میں کرلیں گے— ان بے عقل علماء کو پتہ نہیں ہوتا کہ باتیں خالی خولی باتیں ہوتی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی جب تک کسی گھٹنا میں گھٹ کر پیش نہیں آتا، اس وقت تک بے سیاق اور غیر آبادکار ہونے کے باعث بامعنی نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو تو وہی ایک سچائیاں ہر نئے دور کے سیاق میں از سرِ نو پیدا ہو کر نئے معانی اختیار نہ کر پائیں۔

میرے اورنگ آباد کے قیام کے دوران نئی کہانی کا بڑا چرچا تھا۔ ہم سبھی نیوں کا فکشن کے نئے امکانات کی نوہ میں نکل پڑنا عین فطری تھا، تاہم اپنی سرگرمی— قابلِ قیاس سرگرمی میں کہانی کو وقوعے کے کھلے میں پاؤں پاؤں نہتے جا لینے کے بجائے ہم راستے میں علوم کی بکتر بند گاڑیوں میں جا براجمان ہوئے اور درس گاہوں میں اتار دیے گئے— اب یہاں اطمینان سے کتابیں دیکھ دیکھ کر کتابیں لکھتے رہو— بہر حال اس سے یہ فائدہ تو ہوا کہ لکھنے والوں میں بھی پڑھے لکھے نظر آنے لگے، مگر اس سارے دوران نئی زندگی کی مستند کہانیاں اپنے شباب میں، بیابانی جھاڑیوں میں اوجھل پڑی رہ گئیں— چلیے، یوں بھی کنواریاں آج عین شباب میں اپنا بیاہ نہیں رچاتیں۔ پہلے کی بیاہتاؤں کو پوچھیے۔ وہ تو کچی عمر میں بھی مانگ کو سندور سے لہولہان کیے رکھتی تھیں۔ رچے بسے وصل کی لذتیں

www.taemeernews.com

بہرصورت ذرا پکی عمر کی دین ہے، چنانچہ نئے لکھنے والوں کو بھی جب کتابی ہوہو کر سانس لینے میں الجھن ہونے لگی تو وہ اپنے عمامے اتار کر آخر ننگے سر علوم کی قلعہ بندیوں سے نکل پڑے تاکہ کتابوں سے کتابیں لکھنے کے بجائے وہ بے حرف زندگی پڑھ پڑھ کر، جانے پہچانے کوجی کر زندگی کے بطن سے ایسی ذی جان کہانیاں پیدا کریں، جو ہر ذی جان کے مانند اپنی زندگی خود آپ کر کر کے بڑی ہوتی چلی جاتی ہیں۔

سیدھے راستے پر یہ پریشانی رہتی ہے کہ ہم گمراہ نہیں ہوتے اور بھٹک، بھٹک کر ہمارا کسی ایسے مقام پر جا پہنچنا نہیں ہوتا جو ہمارے خواب و خیال میں بھی نہ ہو اور جہاں پہنچ کر ہمارے تحیرات کا سماں بندھ جائے۔ اس لحاظ سے مجھے اورنگ آباد کے دنوں کی گمرہی بہت محبوب ہے۔ راہِ مستقیم پر تو ہم اپنی منزل سے پہلے سے ہی واقف ہوتے ہیں اور وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہاں ڈیرا ڈالے ہوتے ہیں۔ کولمبس اپنا راستہ نہ کھوتا تو اسے کیوں کر پتہ چلتا کہ اسے وہاں پہنچنے کے بجائے دراصل یہاں آنا تھا۔ میری بھی گہرے پانیوں کی سائیں سائیں میں بھولے بھٹکے یکبارگی ٹمٹماتی روشنیوں کے ان چھوٹے چھوٹے جزیروں تک رسائی ہوگئی— کچھوا، بازیافت، رسائی، بازیچۂ اطفال، ہرامبے، پیچھے، ربط کا انعقاد— اور ان کہانیوں کے جزیروں سے کچھ ہی فاصلے پر جادو، بیک لین، پناہ گاہ، تیسری دنیا— اور بھی کئی کہانیاں بڑے شکایتی انداز میں میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہیں— میں بھی!—

خدا کرے یہ بالائیں اپنی پوری عمر بھوگیں: میری مشکل یہ تھی کہ ابھی تک میں اپنی 'میں بھی' سے آزاد نہ ہو پایا تھا۔ رامائن میں مہارشی والمیکی کا خیال بھی نہیں آتا— وہاں تو صرف رام جی کی طرف ہی دھیان جاتا ہے۔ مہابھارت میں گیتا کے اشلوک— کون جانے— کس نے رقم کیے تھے، جن پہ کان دھرنے والا کرشن ہی کرشن کی دھن میں کھو جاتا ہے، مگر یہ بھی تو ہے کہ مجھے اپنی کوتاہیوں کا اسی لیے احساس ہوا ہوگا کہ میں کوتاہ تھا۔ بڑا ہوتا تو اپنی کوتاہیوں کے شعور سے بہرہ ور کیسے ہوتا؟ میرے نقادوں کے اپنے الگ اسباب ہوں گے کہ وہ مجھے اس پھولے پن میں پنکچر کرنے کا کوئی موقع نہ کھوئیں، تاہم میں

www.taemeernews.com

پنکچر کیے جانے کے باوجود سرپٹ دوڑتا رہا اور تارتار ہوتا رہا۔ یہ واردات رونما نہ ہوتی تو میری مَیں بے مَیں ہونے سے رہ جاتی اور مجھ پر وا نہ ہوتا کہ ہمارا پیدا کرنے والا کیوں اپنی کائنات میں صرف کائنات کو ہی پیش کرتا ہے، کہ وہ خود آپ کیوں ساری کائنات میں یکسر غائب ہے، اور یہ کہ تخلیق کیوں کر تم ہی تم کے جاپ سے وجود میں آتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اپنے نجی موت کے ادراک نے مجھے گونا گوں زندگی کی راہ پر ڈال دیا۔

(ب)

اگر میں اورنگ آباد نہ چھوڑتا تو— میری بیوی کا خیال تھا اور مجھے اس سے اتفاق ہے— میرے کالج کے آقاؤں کو مجھ سے تمام تر محبت اور اس سے بھی بڑھ کر میری کارکردگی کے اعتراف کے باوجود بڑی مایوسی ہوتی۔ ان کا خیال تھا— اپنا یہ خیال انھوں نے مجھ پر کبھی ظاہر نہیں کیا— کہ میرے غیر مراہٹی ہونے سے ان کے آئندہ پلان کی تکمیل کا سدِ باب ہوگا۔ دیکھا جائے تو اعلیٰ تعلیم کی ایک ایسی درس گاہ کی اتنے سال سربراہی کرتے ہوئے جو مقامی لوگوں کے نزدیک مراہٹی زبان وتہذیب کی علامیہ بھی تھی، مجھے مراہٹی بھاشا کو سیکھ لینا بھی اپنے فرائض میں شامل کر لینا چاہیے تھا۔ مگر یہ بھی ہے کہ میرا سارا کام میری انگریزی اور اردو اور محبت کے ذریعہ بھی بہ احسن وخوبی انجام پا رہا تھا اور میرے مراہٹی نہ بول پانے سے طلباء اور اسٹاف سے میرے ابلاغ میں ذرا بھی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ محبت کے بول کسی بھی زبان میں سیدھے دلوں میں جا اترتے ہیں، جہاں کہ ایک ہی زبان کے بولنے والے آپسی تال میل کی غیر موجودگی میں فی الحقیقت الگ الگ زبان بول رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جانور تو ہر انسانی زبان سے نابلد ہوتے ہیں، پھر ہر کسی کو کیسے چپ چاپ سمجھ جاتے ہیں اور بہ آسانی اپنے دل کی بات سمجھا بھی جاتے ہیں۔ ایک فن کار ہونے کے ناطے بھی مجھے سدا الفاظ کی خارجی خلل اندازی سے چڑ سی رہی ہے۔ فن اور زندگی ہر دو میں بات بنے تو تبھی بنتی ہے جب الفاظ منہ

www.taemeernews.com

چھپائے ہونے سے لگیں اور سب کچھ کرنے جو گنے کی سطح پہ ہوتا چلا جائے۔

میرے لیے پیشہ وری سے نجات حاصل کرنا اب اس لیے بھی لازم ہوتا جارہا تھا کہ ان لکھی کہانیاں مجھے بھوتوں کے مانند گھیرے رکھتی تھیں، مگر جب میرے طلباء نے شکایت کی ہم بھی تو آپ کی ان لکھی کہانیاں ہیں تو میں شرمندہ سا ہوکر انھیں سمجھانے لگا کہ انھیں خود آپ اپنے آپ کو لکھنا ہے۔ اس وقت ایک طالب علم نے نہ معلوم کیا سوچ کر ڈھیلے سے وہی کہا جو یورپ کے ماہرینِ ساختیات منہ پکا کر کے کہہ رہے تھے'' کہانیاں بھی تو خود آپ ہی اپنے آپ کو لکھتی ہیں''۔

(۳)

یقین کیجیے کہ مجھے اپنے پچھلے چاروں جنم ہو بہو یاد ہیں۔ پہلے میں سیالکوٹ میں پیدا ہوا اور بائیس برس کی عمر تک جیا۔ پھر انبالہ میں میری پیدائش ہوئی اور ابھی میں کوئی ڈیڑھ برس کا ہی تھا کہ میرا انتقال ہو گیا اور میں نے نیروبی میں آنکھ کھول لی اور اورنگ آباد میں میرے چوتھے جنم کے دوران میرے ایک دوست پروفیسر صفی الدین صدیقی نے مجھے بتایا کہ تمہارے پُرکھ ضرور کبھی نہ کبھی یہیں آبسے ہوں گے اور یہیں ڈھیر ہوئے ہوں گے، ورنہ تم سمندر پار سے ایک یہیں کیوں آتے؟ ___ اجنتا ایلورہ کی بعض تصویروں میں ڈھیروں عام لوگوں کے اجتماع بھی شامل ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے ہر ایک کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ کر سوچتا، یہی میرا پہلا پُرکھ تو نہیں جو قدروں سے قطعِ نظر صرف پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے بڑی معصومیت سے کرشن یا کنس کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا تھا؟ اور اب اپنے اس پانچویں جنم میں میں دلّی میں آپیدا ہوا۔ مجھے لگتا تھا کہ میں کسی پچھلے جنم میں بھی ضرور یہاں آیا کرتا تھا۔ سب کچھ دیکھا بھالا سا لگتا تھا، جیسے وہی کچھ بدل کر یہ صورت اختیار کر گیا ہو۔

دلّی بے جیسے لوگوں کو اپنے سے باہر پھینک دیتی ہے۔ میں بھی شاید کہاں ہوتا، مگر یہاں آئے مجھے پورا ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ مجھے لندن سے ایک چٹھی آئی کہ بچپن کی عمر

www.taemeernews.com

پر پہنچتے ہی میری کینیا کی چودہ سالہ نوکری کی پنشن اتنی بڑھادی جائے گی کہ میری اورنگ آباد کی پرنسپلی کی تنخواہ سے بھی زائد ہوگی۔ پھر بھی ہم نہیں مانتے کہ پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ہم اس جنم میں بھوگتے ہیں۔ میرے ساتھ تو یہ بھی ہوا کہ اس جنم کا دیکھا ہوا میں نے اس جنم کی زندگی کے حوالے سے لکھا۔ مچاکوس نیروبی سے چند ہی میل پر واقع ہے۔ وہاں کے ایک بلائنڈ ہاؤس میں گھپ اندھیرے چہروں پر پھٹی پھٹی اندھی آنکھیں میرے دل و دماغ میں پیوست ہوگئیں اور پھر کئی سال بعد ہمعصر ہندوستان کی گھور سیاہیوں میں مجھے اپنا پورا ملک ایک بلائنڈ ہاؤس معلوم ہونے لگا اور ہم سب اپنی آنکھوں کے باوصف عادتاً نابینا— اور یوں دیکھ دیکھ کر لکھنے کے بجائے میں اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اپنے ناول ''نادید'' کی تخلیق میں جُٹ گیا۔ میرے ایک دوست نے اسے پڑھ کر مجھ سے کہا تھا کہ پہلے تو اس ناول میں داخل ہونے کا راستہ ہی نہیں ملتا اور پھر داخلے کا سراغ پالینے کے بعد باہر نکلنے کی راہ سجھائی دینے میں نہیں آتی۔ میں یقیناً کسی ریڈر سے سفارش نہیں کروں گا کہ اسے مطالعے کے لیے ہاتھ میں لے لے۔

دلّی آ کر مجھے یہ سہولت فراہم ہوگئی کہ کہانیوں کے ساتھ پڑے پڑے ایک پورا ایگ بتادوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرا یہ تمام عرصہ گھر سے باہر ہی گزرا اور میری خیریت کی اطلاع دوستوں کو میرے کرداروں کے ذریعہ ہی بہم پہنچتی رہی۔ ان دوستوں میں جو نقاد تھے وہ کبھی اتفاقیہ ملاقات پر چھوٹتے ہی میرے کرداروں کے ان ہونے پن کی شکایت کرنے لگتے۔ اب میں کیا کہتا۔ نقاد حضرات واقعیت کا ذکر اس اصطلاح کے جامد معانی میں کرتے ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ ہر کہانی کا کوئی وقوعہ یا کردار بذاتِ خود قابلِ یقین ہوتا ہے، نہ ناقابلِ یقین، بلکہ جیسا بھی ہوتا ہے کہانی کے حوالے سے ہوتا ہے، جیسے ہم، یا ہمیں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، ہماری مخصوص زندگی کے حوالے سے۔ اگر کسی کہانی کا کردار کہانی میں واقعی بس جائے تو بظاہر اَن ہونا معلوم ہونے کے باوجود سچ مچ ہوتا ہے اور کہانی اسی کی طبع زاد منطق کے مطابق ناگزیر طور پر انجام پاتی ہے۔

www.taemeernews.com

کوئی دو سال پہلے اپنا نیا افسانوی مجموعہ ''کھلا'' پیش کرتے ہوئے میں خاص طور پر اس تخلیقی تناؤ میں مبتلا رہا کہ میری افسانوی کائنات کا سلسلہ کتاب سے نکل نکل کے باہر سے کچھ اس طرح ایک جان ہو جائے کہ وہ یہ لگے اور یہ وہ۔ اس مجموعے کی کہانیاں، عفریت، بو، وادیاں، کوئی نجات یا باشندے، اور اس مجموعے کے بعد کھودو بابا کا مقبرہ، مہاجر یا شاید جیسی کہانیاں لکھ کر مجھ پر فکشن کے کئی نئے امکانات روشن ہونے لگے ہیں۔ مجھے مر کر بھی بہر حال فکشن کے ہر امکان کی راہ پر مگن چلتے جانا ہے۔ میں جیتے جی بھی اپنے وجود میں کہاں رہا؟ جتنا جیا اپنے کرداروں کے وجود میں۔ اب مر کھپ کر اپنی ادھوری خواہشیں پوری کرنے کے لیے آئندہ لکھنے والوں کے وجود میں جا پناہ لوں گا۔

(۴)

سارا قصہ یہ ہے کہ میری موت نہ معلوم کب واقع ہوئی! اس کے باوجود میں سانس لیے جا رہا ہوں۔ شاید اپنے بجائے میں اپنا وہ کردار ہوں جو نام اور شکل بدل بدل کے ہمہ وقت زندہ رہا اور ہنس ہنس کے لوگوں کو سمجھاتا رہا، سیدھی سی بات ہے، میرے مانند بس یہ کرو کہ موت کی سمجھ میں نہ آؤ۔

◆◆◆

www.taemeernews.com

پچیس

(جوگندر پال کی پچیس منتخب کہانیاں)

Supplied under RRRLF & GNCTD
Matching Scheme 2010-11

جوگندر پال

اردو اکادمی دہلی

اُردو اکادمی دہلی

کی چند اہم مطبوعات

دلّی والے (جلد چہارم)
مرتب: اظہار عثمانی
قیمت: ۱۲۰ روپے، صفحات: ۳۴۰

اردو میں پاپولر لٹریچر روایت اور اہمیت
مرتبین: ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی
قیمت: ۱۲۰ روپے، صفحات: ۲۳۹

آغا حشر کاشمیری عہد اور ادب
ترتیب: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم
قیمت: ۲۰۰ روپے، صفحات: ۳۷۶

اردو اور عوامی ذرائع ابلاغ
مرتبین: محمد شاہد حسین، اظہار عثمانی
قیمت: ۷۵ روپے، صفحات: ۲۲۶

آج کی سائنس
مصنف: اظہار اثر
قیمت: ۱۰۰ روپے
صفحات: ۲۲۰

خدنگِ ناز
شاعر: شیر سنگھ جین ناز دہلوی
قیمت: ۷۵ روپے
صفحات: ۱۸۴

اردو ادب میں دہلی کی خواتین کا حصہ
مرتبہ: پروفیسر صغرا مہدی
قیمت: ۱۰۰ روپے، صفحات: ۲۶۸

اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت
مرتب: ڈاکٹر خالد محمود
قیمت: ۱۵۰ روپے، صفحات: ۶۵۰

بیسویں صدی کے شعرائے دہلی
مرتب: عظیم اختر
قیمت: ۳۲۵
صفحات: ۱۳۸۹ (دو جلدوں میں)

طرزِ خیال
مصنف: پروفیسر محمد حسن
قیمت: ۸۰ روپے
صفحات: ۳۹۲

اردو ادب میں احتجاج اور مزاحمت کے رویے
مرتب: ڈاکٹر ارتضیٰ کریم
قیمت: ۱۰۰ روپے، صفحات: ۳۴۰

کفِ گل فروش
(قرۃ العین حیدر کا فوٹو البم)
قیمت: ۵۰۰ روپے
صفحات: ۱۳۰۰ (دو جلدیں)

دلّی والے (جلد سوم)
مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین
قیمت: ۷۵ روپے
صفحات: ۲۷۲

گوپی ناتھ امن
مرتب: ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ
قیمت: ۷۰ روپے
صفحات: ۱۷۶

باقیاتِ بیدی
(راجندر سنگھ بیدی کی غیر مدون تحریریں)
ترتیب: ڈاکٹر شمس الحق عثمانی
قیمت: ۱۵۰، صفحات: ۴۶۸

دیوانِ غالب
(صدی ایڈیشن، اردو۔ ہندی)
مرتب: علی سردار جعفری
قیمت: ۳۰۰ روپے، صفحات: ۴۷۲

دہلوی اردو
مصنف: سید ضمیر حسن دہلوی
قیمت: ۹۰ روپے
صفحات: ۲۷۲

انتخاب کلام آغا شاعر قزلباش
مرتب: ڈاکٹر سید فیضان حسن
قیمت: ۳۰ روپے، صفحات: ۹۶

بستیاں
ناول نگار: جوگندر پال
قیمت: ۵۰ روپے
صفحات: ۲۱۴

اردو کلاسیکل ہندی اور انگریزی ڈکشنری
مرتب: جان ٹی پلیٹس
قیمت: ۳۰۰ روپے، صفحات: ۱۲۶۰

اردو شناسی (قاعدہ)
پیشکش: اردو اکادمی، دہلی
قیمت: ۶ روپے
صفحات: ۳۲ (تیسرا ایڈیشن)

اردو تھیٹر کل اور آج
مرتبین: مخمور سعیدی، انیس اعظمی
قیمت: ۷۵ روپے
باتصویر صفحات: ۲۷۶

شہید
ناول نگار: ملک راج آنند
قیمت: ۴۵ روپے
صفحات: ۱۱۲

اردو نظم ۱۹۶۰ کے بعد
پیشکش: اردو اکادمی، دہلی
قیمت: ۵۰ روپے
صفحات: ۱۱۲

میلوں لمبا پل (منتخب افسانے)
مرتب: راجی سیٹھ
قیمت: ۴۰ روپے
صفحات: ۱۲۶

ڈاکٹر ذاکر حسین شخصیت اور کارنامے
مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ
قیمت: ۷۰ روپے، صفحات: ۲۳۰

ہندی اسلامی فنِ تعمیر
(دو جلدوں میں)
مرتب: صہبا وحید
قیمت مکمل سیٹ: ۲۰۰ روپے
صفحات: ۵۷۸

پانی پر لکھا نام
(منتخب افسانے)
رتن سنگھ
صفحات: ۲۰۰، قیمت: ۱۰۰

رابطہ: سی۔ پی۔ او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی۔ ۶
Ph : 23863858, Fax : 23863773